عِلمِ حدیث

ایک تعارف

محمد فاروق خاں ایم اے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

قرآن کریم کے بعد سب سے قیمتی اور زرّیں سرمایہ جو اُمّت مُسلمہ کے پاس ہے وہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مُبارک احادیث ہیں۔ حدیث کی اہمیت اور اس کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اسے قرآن کے بیان و شرح کی حیثیت حاصل ہے چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ	"اور (اے نبی) ہم نے تمہاری
لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ	طرف یہ ذکر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں
مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ	سے کھول کر بیان کردو جو کچھ کہ ان کی
(النحل: ۴۴)	طرف اتارا گیا ہے۔"

احادیثِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حفاظت کے لیے بے شمار اشخاص کی کوششیں صرف ہوئی ہیں جو ناقابل فراموش ہیں۔ حافظ ابن حزم نے بجا طور پر کہا ہے کہ صرف اُمّت مسلمہ کو یہ شرف و امتیاز حاصل ہو سکا ہے کہ اس نے اپنے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ایک ایک کلمہ کو صحت اور اتّصال کے ساتھ جمع کیا (الملل والنحل ج ۲ ص۲۶) مسلمانوں نے علم حدیث کی حفاظت کے لیے باقاعدہ اسماء الرجال کا فن ایجاد کیا جس سے ڈاکٹر اسپنگر کے بقول ۵ لاکھ اشخاص کے حالات محفوظ ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث کی حفاظت کے لئے اخذ و نقد کے وہ سارے ہی ذرائع استعمال کیے گئے جو کسی واقعہ کی صحت و عدم صحت کے بارے میں کسی

فیصلہ کُن نتیجے پر پہنچنے کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ علما۔ حدیث نے حدیث پر جو کام کیا ہے وہ انتہائی سائنٹفک ہے۔

یہ کتاب "حدیث کا تعارف" علم حدیث کے سلسلہ میں انشاء اللہ تعالیٰ ایک مددگار کتاب ثابت ہوگی۔ اس میں منصب نبوّت، حدیث کی عظمت و اہمیت اور اس کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اصطلاحات، علومِ حدیث اور طبقاتِ کُتبِ حدیث کا بھی تعارف کرایا گیا ہے اور اخذ و روایت، درایتِ حدیث وغیرہ اہم موضوعات کو بھی زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

خدا سے دُعا ہے کہ وہ اس کوشش کو قبول فرمائے اور لوگوں کے لئے یہ کتاب مفید اور کارآمد ہو۔

خاکسار

محمد فاروق خاں

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
۱۰۔ امام نسائیؒ	۱۱۵
۱۱۔ ابن ابی الدنیا	۱۱۸
۱۲۔ امام طحاویؒ	۱۱۹
۱۳۔ ابوبکر احمد بزّارؒ	۱۲۴
۱۴۔ ابو یعلیٰ موصلیؒ	۱۲۴
۱۵۔ ابوعوانہؒ	۱۲۵
۱۶۔ ابن حبّانؒ	۱۲۷
۱۷۔ امام طبرانیؒ	۱۲۹
۱۸۔ دارمیؒ	۱۳۲
۱۹۔ امام اسماعیلیؒ	۱۳۲
۲۰۔ دارقطنیؒ	۱۳۳
۲۱۔ حاکمؒ	۱۳۵
۲۲۔ حافظ ابونعیمؒ	۱۳۷
۲۳۔ ابن حزمؒ	۱۳۹
۲۴۔ احمد بن حسین بیہقی	۱۴۰
۲۵۔ دیلمیؒ	۱۴۳
۲۶۔ ابومحمد حسین البغویؒ	۱۴۴
۲۷۔ رزینؒ	۱۴۵
۲۸۔ حافظ نورالدینؒ	۱۴۷

تحریری سرمایہ

مضمون	صفحہ
۱۔ جن کا تعلق نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہے	۱۴۹
۲۔ جن کا تعلق صحابہ کرامؓ سے ہے	۱۵۲
۳۔ مرویاتِ صحابہؓ	۱۵۶
۴۔ خدمتِ حدیث اور صحابیاتؓ	۱۶۹
۵۔ وہ تحریریں جن کا تعلق تابعین یا تبع تابعین سے ہے	۱۷۲
۶۔ اتباعِ تابعین کے بعد	۱۷۵

علمِ حدیث

مضمون	صفحہ
۱۔ اصطلاحاتِ حدیث کا تعارف	۱۷۷
۲۔ حدیث کے القاب عامّہ	۱۹۳
۳۔ علوم حدیث کا تعارف	۱۹۴

اخذ و روایت

مضمون	صفحہ
۱۔ اساتذہ سے اخذِ حدیث کے طریقے	۲۰۱
۲۔ روایت کے طریقے	۲۰۳
۳۔ روایت بالمعنی	۲۰۳
۴۔ درایتِ حدیث	۲۰۴
۵۔ ترتیبِ حدیث باعتبارِ صحت	۲۰۶
۶۔ اقسامِ کتبِ احادیث	۲۰۷

طبقاتِ کتبِ حدیث

مضمون	صفحہ
۱۔ طبقات	۲۱۱
۲۔ ترتیبِ کتبِ حدیث، ابن حزم کی نگاہ میں	۲۱۲
دستیاب مکتوبات نبویؐ	۲۱۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حدیث کیا ہے؟

منصب نبوّت

زندگی کی سیدھی راہ پانے کے لئے انسان ہمیشہ خدا کی رہنمائی کا محتاج رہا ہے۔ خدا کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر انسان کبھی بھی راہِ راست پر قائم نہیں رہ سکا۔ انسان کی ہدایت کے لیے اللہ نے کتابیں نازل کیں اور اپنے رسول بھیجے۔ رسولوں نے لوگوں کے سامنے کتابِ الٰہی کے منشا اور مفہوم کو واضح کیا اور خدا کے دیئے ہوئے احکام کے مطابق عمل کرکے انہیں دکھایا انہوں نے لوگوں کے سامنے اپنی زندگی پیش کی تاکہ وہ اچھی طرح اس بات کو سمجھ سکیں کہ خدا کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا طریقہ کیا ہوتا ہے؟ خدا کی طرف سے اگر کوئی رسول نہ آتا صرف کتاب نازل ہوتی تو اس کتاب کے سمجھنے میں لوگوں کے درمیان سخت اختلاف ہوتا اور یہ فیصلہ نہ ہوسکتا کہ حق کس کی طرف ہے اور کس کی طرف نہیں ہے۔ احکامِ الٰہی کے حقیقی منشا اور مفہوم کو سمجھنے میں لوگ غلطیاں کرتے اور ان کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ اس کے علاوہ انسانوں کی یہ ایک ضرورت ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں کوئی ان کے ساتھ شریک ہوکر اپنے قول و عمل سے ان کی صحیح رہنمائی کرے۔ ذہنی و فکری اور عملی ہر اعتبار سے اُن کی تربیت کرے اور اُن کے اندر اتباعِ حق کا جذبہ پیدا کرے۔ اُنہیں بتائے کہ زندگی کی پُرپیچ راہوں میں وہ کس طرح حق و صداقت اور عدل و انصاف کے راستے کو اختیار کریں اور اسی پر آخر دم تک چلتے رہیں۔

انسان کی یہ ضرورت ایسی ہے جو کسی فرشتے کے ذریعہ پوری نہیں ہوسکتی تھی۔ فرشتہ انسانی ضروریات سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اس کے جذبات و داعیات انسانوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ انسانی زندگی کے لیے نمونہ نہیں بن سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے کتاب کے ساتھ جو رسول بھی بھیجا وہ انسان تھا۔

رسالت اور نبوت کی تاریخ اتنی ہی طویل ہے جتنی طویل خود انسان کی تاریخ ہے۔ رسالت و نبوت کا سلسلہ اسی وقت سے شروع ہوتا ہے جبکہ سب سے پہلے انسان نے اس زمین پر قدم رکھا تھا۔ ہر قوم میں خدا کے رسول آتے۔ انہوں نے اپنی قوم کو خود قوم کی زبان میں خطاب کیا۔ خدا کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپؐ کے بعد انسانوں کی ہدایت کے لئے کوئی نیا رسول آنے والا نہیں ہے۔ آپؐ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔ خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کی تفصیل جو قرآن میں بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ.... رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(البقرہ: ۱۲۹-۱۲۷)

"اور یاد کرو جبکہ ابراہیم اور اسماعیل اس گھر (کعبہ) کی بنیادیں اٹھا رہے تھے .... (انہوں نے دُعا کی) اے ہمارے رب! ان لوگوں میں خود ان ہی کے اندر سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیتیں سُنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بیشک تو عزیز اور حکیم ہے"

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

"اللہ نے اہل ایمان پر احسان فرمایا جبکہ ان کے اندر خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر

اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ۚ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ (آل عمران : ۱۶۴)	سُناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔"

ان آیتوں سے صاف واضح ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذمہ داری جہاں یہ تھی کہ آپؐ لوگوں کو قرآن کی آیات پڑھ کر سُنائیں وہیں آپؐ کی بعثت کے تین اہم مقاصد اور بھی تھے :

ایک[1] یہ کہ آپ لوگوں کو کتاب اور احکام و قوانینِ الٰہی کی تعلیم دیں۔

دوسرے[2] آپ لوگوں کو حکمت اور دانائی کی تعلیم دیں تاکہ لوگ اس قابل ہوجائیں کہ حقائق کو سمجھ سکیں اور فکر و عمل کے میدان میں صحیح رویّہ اختیار کرسکیں۔

اور تیسرے[3] آپ لوگوں کا تزکیہ کریں، ان کی ایسی تربیت کریں کہ ان کے اندر بہترین قسم کے اوصاف نشو و نما پاسکیں اور اُن کی انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کی خرابیاں دُور ہوسکیں۔ یہی تزکیہ کا عمل ہے جس کے ذریعہ سے صالح اجتماعی نظام اور صحیح اسلامی معاشرہ وجود میں آتا ہے جو عالمِ انسانیت کے لئے سراپا رحمت ہوتا ہے۔

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے فرائضِ منصبی کے لحاظ سے معلّم، مربّی، ہادی، شارع، قاضی اور حاکم سب کچھ تھے۔ آپؐ کی زندگی کو اہلِ ایمان کے لیے اُسوہ قرار دیا گیا:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ۔ (آل عمران: ۳۱)	(اے نبی! لوگوں سے) کہو: اگر تم اللہ سے محبّت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو۔ اللہ تم سے محبّت کرنے لگے گا۔
قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ○ (آل عمران: ۳۲)	(اے نبی!) کہو: اطاعت کرو اللہ اور (اس کے) رسول کی؛ پھر اگر وہ مُنہ موڑتے ہیں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

خود حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے :

من اطاع محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فقد اطاع اللہ ومن عصی محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فقد عصی اللہ ومحمدٌ صلی اللہ علیہ وسلم فرق بین الناس (بخاری)

"جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی بیشک اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان حدِ فاصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ (الاحزاب: ۲۱)

"تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک اسوہ (نمونۂ تقلید) ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یومِ آخر کا خوف رکھتا ہو۔"

رسول کی حیثیت سے آپؐ کو مقدمات کے فیصلے کرنے کا اختیار بھی حاصل تھا:

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ (النساء: ۱۰۵)

"(اے نبی!) ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب اُتاری ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کی دکھائی ہوئی روشنی میں فیصلہ کرو۔"

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (النساء: ۶۵)

"پس (اے نبی!) تمہارے رب کی قسم وہ ہرگز ایمان لانے والے نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ آپس کے جھگڑوں میں تمہیں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو فیصلہ بھی تم کرو اس کی طرف سے اپنے دل میں کوئی تنگی تک محسوس نہ کریں بلکہ اُسے بسروچشم قبول کریں۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رسول حاکم مُطاع بھی تھے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ
اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط
(النساء: ۶۴)

"ہم نے جو رسول بھی بھیجا اسی لیے
بھیجا کہ اس کی اطاعت کی جائے خدا
کے اذن سے۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ
وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج
فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ
اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط
(النساء: ۵۹)

"اے ایمان لانے والو اطاعت
کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور
ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں
پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں نزاع
ہو تو اس کو پھیر دو اللہ اور اس کے رسول
کی طرف اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان
رکھتے ہو۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کتابُ اللہ کے شارح بھی تھے۔ بحیثیت رسول آپؐ کی یہ ذمّہ داری تھی کہ آپ ان احکام و ہدایات کی توضیح و تشریح فرمائیں جو خدا کی طرف سے نازل ہوں:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ
الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ
مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ
(النحل: ۴۴)

اور (اے نبی!) یہ ذکر ہم نے
تمہاری طرف اس لئے اتارا ہے کہ تم لوگوں
کے لیے اس تعلیم کو واضح کرو جو ان کی طرف
نازل کی گئی ہے۔

خدا کی طرف سے آپ کو تشریعی اختیارات بھی حاصل تھے۔ قرآن کریم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے واضح الفاظ میں فرمایا گیا ہے:

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ
لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ
الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ

وہ انہیں معروف کا حکم دیتا ہے
اور اُن کو مُنکر سے روکتا ہے اور اُن کے لیے
پاک چیزوں کو حلال ٹھیراتا ہے اور اُن
پر ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے

وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ ط (الاعراف : ۱۵۷)

اور اُن پر سے وہ بوجھ اور بندھن اُتار دیتا ہے جو ان پر چڑھے ہوتے تھے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ تحلیل وتحریم اور امر و نہی کے وہ احکام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے فیصلوں اور آپؐ کے ارشادات سے اخذ ہوتے ہیں اُن سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے واضح طور پر اپنے تشریعی اختیارات کو بیان فرمایا ہے۔ مقدام بن معدیکربؓ کی روایت ہے، آپؐ کا ارشاد ہے:

اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ اَلَا یُوْشَكُ رَجُلٌ شَبْعَانَ عَلٰی اَرِیْکَتِهٖ یَقُوْلُ عَلَیْکُمْ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْهِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْهُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ وَاِنَّمَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ کَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ۔

(ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی، حاکم)

"جان رکھو مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے ساتھ ویسی ہی ایک اور چیز بھی۔ خبردار رہو! ایسا نہ ہو کہ کوئی پیٹ بھرا شخص اپنی مسند پر بیٹھا ہوا کہنے لگے کہ تم پر بس قرآن کی پیروی لازم ہے، جو کچھ اس میں حلال پاؤ اس کو حلال سمجھو اور جو کچھ اس میں حرام پاؤ اُسے حرام سمجھو، حالانکہ جو کچھ خدا کا رسول حرام قرار دے وہ ویسا ہی حرام ہے جیسے اللہ کا حرام کیا ہوا۔"

ابو رافعؓ کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِهٖ یَاْتِیْهِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اُمِرْتُ بِهٖ اَوْ نُهِیْتُ فَیَقُوْلُ لَا نَدْرِیْ مَا وَجَدْنَا فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ اتَّبَعْنَاهُ۔

(ابو داؤد، احمد، ابن ماجہ)

"میں ہرگز تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو اور اُسے میرے ان احکام میں سے جن کا میں نے حکم دیا ہے یا جن سے منع کیا ہے کوئی حکم پہنچے اور وہ (سُن کر) کہے کہ ہم نہیں جانتے۔ ہم تو جو کچھ کتاب اللہ میں

پائیں گے اُس کی پیروی کریں گے۔" (ترمذی، شافعی، بیہقی فی دلائل النبوۃ)

عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اَیَحْسَبُ اَحَدُکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَظُنُّ اَنَّ اللّٰہَ لَمْ یُحَرِّمْ شَیْئًا اِلَّا مَا فِی الْقُرْاٰنِ اَلَا وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ قَدْ اَمَرْتُ وَوَعَظْتُ وَنَہَیْتُ عَنْ اَشْیَاءَ وَاِنَّہَا لَمِثْلُ الْقُرْاٰنِ وَاَکْثَرُ۔ (ابوداؤد)

"کیا تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پر تکیہ لگائے ہوئے یہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے کوئی چیز حرام نہیں کی ہے سوائے اُن چیزوں کے جو قرآن میں بیان کی گئی ہیں؟ خبردار رہو۔ خدا کی قسم میں نے جن باتوں کا حکم دیا ہے اور جو نصیحتیں کی ہیں اور جن باتوں سے منع کیا ہے وہ قرآن ہی کی طرح ہیں بلکہ کچھ زیادہ۔"

مسلمانوں پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے احکام کی پیروی اسی طرح لازم ہے جس طرح قرآن حکیم کی پیروی اُن پر لازم ہے اور جن باتوں سے رسُولؐ نے انہیں روکا ہے ان سے باز رہنا بھی ان کے لئے اسی طرح ضروری ہے جس طرح ان چیزوں سے باز رہنا ضروری ہے جن سے قرآن میں روکا گیا ہے۔

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی غیر معمولی قابلیت وصلاحیت

خدا نے ہمیشہ انبیاء کو غیر معمولی صلاحیتوں اور قابلیتوں سے نوازا۔ اپنی غیر معمولی خصوصیات اور صلاحیتوں کے بغیر وہ اس عظیم خدمت کو کبھی انجام نہیں دے سکتے تھے جو خدا کی طرف سے انہیں سپرد ہوتی رہی ہے۔

انبیاء منصب نبوّت ہی کے لئے پیدا کئے گئے۔ انہیں نہایت پاکیزہ فطرت عطا کی گئی، جبلّی طور پر وہ ایسے تھے کہ بلا کسی خاص غور و فکر کے اپنے وجدان (INTUITION) سے ہی صحیح نتائج تک پہنچ جاتے تھے۔ انبیاء انسان ہی تھے۔ لیکن انہیں بشریّت کا درجۂ کامل

حاصل تھا۔ حق و باطل میں امتیاز کرنا ان کی فطرت تھی، وہ جسمانی اور روحانی ہر لحاظ سے کامل تھے۔ خدا نے ان کی فطری استعداد کو ترقی دی اور انہیں وہ چیز عطا فرمائی جسے قرآن میں علم، حُکم (قوتِ فیصلہ) ہدایت، بیّنہ، وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا گیا۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ	"اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا اور
وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا	پورا آدمی بن گیا تو ہم نے اُسے قوت فیصلہ
وَّعِلْمًا ؕ (القصص: ۱۴)	اور علم عطا کیا۔"

حضرت صالح علیہ السّلام نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا:

يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ	"اے میری قوم! بتاؤ کہ اگر میں اپنے
اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ	اپنے رب کی طرف سے ایک بیّنہ (دلیل) پر
رَّبِّىْ وَاٰتٰىنِىْ مِنْهُ	ہوں اور اُس نے اپنی طرف سے مجھے
رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِىْ	رحمت (نبوّت) بخشی ہے۔ سو اگر میں اس
مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ قف	کی نافرمانی کروں تو اللہ کے خلاف میری
فَمَا تَزِيْدُوْنَنِىْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ○	کون مدد کرے گا؟ (اُس وقت تو تم
(ہود: ۶۳)	مجھے گھاٹے کے سوا اور کچھ نہیں دے سکتے۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ	"اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا
اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ	تو ہم نے اُسے حکم (قوتِ فیصلہ) اور علم
(یوسف: ۲۲)	عطا کیا۔"

اس غیر معمولی علم و دانش سے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھی سرفراز فرمایا گیا:

قُلْ اِنِّىْ عَلٰى بَيِّنَةٍ	"(اے نبی) کہو: میں اپنے رب
مِّنْ رَّبِّىْ	کی طرف سے ایک واضح اور روشن
(الانعام: ۵۷)	راستے پر ہوں۔"

بتا سکے۔ اور خدا کی مرضی کے مطابق سیرتوں کی تعمیر اور معاشرے کی تشکیل کر سکے اور لوگوں کو اس راہ پر لگا سکے جو انہیں خدا سے ملاتی اور دُنیا و آخرت میں انہیں کامیاب کرتی ہے۔

نبی کی عصمت

جس طرح خدا اپنے نبی کو غیر معمولی صلاحیت اور قابلیت بخشتا ہے اور اُسے علم و دانش اور نورِ ہدایت سے نوازتا اور وحی کے ذریعہ اس کی رہنمائی فرماتا ہے اسی طرح وہ اپنے نبیؐ کی ہر وقت نگرانی و حفاظت فرماتا ہے۔ ایک طرف وہ نبی کی پرورش و تربیت کا خاص انتظام فرماتا ہے۔ دوسری طرف وہ اُسے ہر طرح کی گمراہیوں اور غلط کاموں سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت ملنے سے پہلے کی زندگی بھی انبیاء کی بے داغ ہوتی ہے۔ منصبِ نبوّت پر مامور ہونے کے بعد انبیاء کو غیر معمولی دانش و بینش اور حکمت عطا کی جاتی ہے تاکہ وہ راہ راست پر قائم رہ سکیں اور لوگوں کو حق کی طرف دعوت دے سکیں۔ اقتضائے بشریت سے اگر کبھی انبیاء سے کوئی اجتہادی غلطی یا وحیِ خفی کے لطیف اشاروں کو سمجھنے میں کوئی بھول چوک ہو بھی جاتی ہے تو فوراً خدا اس کی اصلاح فرما دیتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السّلام نے اپنے بیٹے کو پانی میں غرق ہوتے دیکھا تو پکار اُٹھے کہ خدایا یہ میرا بیٹا ہے (رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ) خدا نے اسی وقت یہ حقیقت واضح فرمائی کہ وہ تیرے اہل و عیال میں سے نہیں ہے کیونکہ وہ عمل غیر صالح ہے۔

وحیِ الٰہی خود نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بھی نگرانِ حال رہی ہے اگر کہیں آپ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) سے معمولی سی بھی بھول چوک ہوئی تو فوراً وحیِ الٰہی نے اُس کی اصلاح کر دی۔ ایک مہم کے موقع پر نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان لوگوں کو مہم پر نہ چلنے کی رخصت دیدی جنہوں نے آپ سے اس کے لئے درخواست کی تھی۔ اس پر خدا نے ان الفاظ میں متنبہ کیا:

عَفَا اللّٰہُ عَنْكَ ۚ لِمَ	(اے نبی) خدا تمہیں معاف کرے
اَذِنْتَ لَھُمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَكَ	تم نے انہیں اجازت کیوں دے دی،
الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ	تم انہیں اجازت نہ دیتے، یہاں تک کہ

الْكٰذِبِيْنَ ۝ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝	وہ لوگ کھل کر تمہارے سامنے آجاتے جو سچے نہیں ہیں اور تم جھوٹوں کو بھی جان لیتے ؟ جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں وہ کبھی تم سے اس کی اجازت نہیں مانگیں گے کہ اپنے مال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد نہ کریں اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو اس کا ڈر رکھتے ہیں۔"
(التوبہ : ۴۳-۴۴)	

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ کا حضرت زینبؓ سے نکاح ہوا لیکن جب دونوں میں نباہ مشکل ہو گیا تو حضرت زیدؓ نے آپؐ سے کہا میں انہیں طلاق دینا چاہتا ہوں اس وقت آپؐ نے حضرت زیدؓ کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ حالانکہ آپؐ کو اشارہ مل چکا تھا کہ زیدؓ طلاق دیدیں گے۔ اور حضرت زینبؓ آپؐ کی ازواج مطہرات میں شامل ہوں گی۔ لیکن آپؐ نے حضرت زیدؓ سے یہی کہا کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو، اللہ سے ڈرو۔ آپ کو خوف تھا کہ لوگ کیچڑ اچھالیں گے کہ دیکھو اس شخص نے اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے شادی رچا لی۔ اس واقعہ کے سلسلہ میں قرآن میں فرمایا گیا ہے :

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ	(اے نبی!) یاد کرو جب تم اُس شخص سے جس پر اللہ نے احسان کیا تھا اور تم نے بھی جس پر احسان کیا تھا (یعنی زید سے) کہہ رہے تھے اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو (اسے طلاق نہ دو) اور اللہ کا ڈر رکھو۔ تم اپنے جی میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ کھولنے والا تھا۔ تم لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو۔"
(الاحزاب : ۳۷)	

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی کو یا آپؐ کی کچھ بیویوں کو کوئی چیز تھی جو پسند نہ تھی۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شہد تھا۔ شہد کی بعض قسمیں اپنے ذائقہ اور بُو کے لحاظ سے ایسی ہوتی ہیں کہ بعض لوگوں کو وہ پسند نہیں ہو سکتیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہد بے حد پسند فرماتے تھے۔ لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کی بیویوں میں سے بعض شہد کو ناپسند کرتی ہیں تو آپؐ نے اس خیال سے کہ انہیں تکلیف نہ ہو شہد کا استعمال ترک کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے قسم توڑنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو پسند نہیں کیا کہ ایک حلال اور طیب چیز کے استعمال سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی باز رہیں۔ اس لیے کہ آپؐ کا طریقہ بعد میں آنے والوں کے لیے نمونہ بن سکتا تھا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ	"اے نبی جس چیز کو اللہ نے تمہارے
تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ	لیے حلال کیا ہے اسے اپنی بیویوں کی
لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ	رضا جوئی کے لیے کیوں حرام کرتے ہو؟
اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ	اور اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ	اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری
فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ	(خلافِ شرع) قسموں کا کھولنا فرض کر دیا
تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ	ہے اور اللہ ہی تمہارا کرتا دھرتا ہے
مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ	اور وہ سب کچھ جاننے والا اور
الْحَكِيْمُ (التحریم: ۱-۲)	حکمت والا ہے۔"

ان چند مثالوں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کس طرح اللہ نے اپنے نبی پر خاص نظر رکھی ہے اور اُسے کسی معمولی سی معمولی لغزش پر بھی قائم نہیں رہنے دیا۔ کبھی کوئی معمولی سی بھی لغزش ہوئی تو فوراً اس کی اصلاح فرمائی گئی۔

وحیِ غیر متلو

غیر معمولی بصیرت اور صلاحیت کے علاوہ نبی کو ہمیشہ خدا کی رہنمائی بھی حاصل رہتی

ہے۔ نبی کا خدا سے ہمیشہ ربط و تعلق قائم رہتا ہے۔ خدا کی وحی ہمیشہ نبی کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ خدا کی طرف سے صرف کتاب ہی کا نزول نہیں ہوتا، بلکہ کتاب کے علاوہ دوسری وحی بھی خدا کی طرف سے آتی ہے۔ کتنے ہی انبیاء ایسے ہوتے ہیں جن پر کتاب نہیں اُتری پھر بھی وہ وحی الٰہی کے مخاطب تھے۔ وحی کے ذریعہ خدا نے ان کی رہنمائی فرمائی۔ اُن کی قوم بھی اُن پر اور اُن کی تعلیمات پر ایمان لانے پر مامور تھی۔ حضرت موسیٰؑ کو توریت اُس وقت عطا ہوئی جب فرعون غرق ہوگیا اور بنی اسرائیل کو لے کر وہ طور کے دامن میں پہنچے[1] جب تک وہ مصر میں رہے ان پر کوئی کتاب نہیں اُتری لیکن اس دوران میں بھی ہر وہ شخص ان کی تعلیمات اور ان کی پیش کردہ باتوں پر ایمان لانے پر مامور تھا جس کو انہوں نے اپنا مخاطب بنایا تھا۔ قرآن مجید میں ایسے واضح اشارے ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب کے علاوہ بھی نبیوں کی رہنمائی کے لئے خدا کی طرف سے وحی کا نزول ہوتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ فرعون کے دربار میں جادوگروں کے سانپوں سے ڈر جاتے ہیں، خدا کی طرف سے وحی آتی ہے: لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى "مت ڈرو تمہارا ہی بول بالا ہوگا۔" حضرت موسیٰؑ خدا کے حکم سے بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات چل پڑتے ہیں۔ دریا پر پہنچے تو وحی آئی: اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ "اپنا عصا دریا پر مارو۔" ظاہر ہے یہ وحی وہ نہ تھی جو عام ہدایت کے لئے کتابی شکل میں نازل ہوتی ہے۔

قرآن کریم سے ثابت ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم پر بھی اس طرح کی وحی غیر متلو یا وحی خفی نازل ہوتی رہتی تھی۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم پہلے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ بعد میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو بیت الحرام کو قبلہ بنانے کا حکم دیا گیا اس حکم میں اس بات کی توثیق فرمائی گئی کہ قبلہ اوّل کو بھی خدا ہی نے مقرر فرمایا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ "جس (قبلہ) پر تم تھے اُسے تو ہم نے

---

[1] دیکھئے سورۃ الاعراف: ۱۳۸۔۱۴۷، سورۃ القصص: ۴۰۔۴۳

كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ط (البقرہ : ۱۴۳)	اسی لئے قبلہ مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ کون رسول کا اتباع کرتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔"

قرآن کی ایسی کوئی آیت پیش نہیں کی جا سکتی جس میں پہلے قبلہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو۔ اس لیے صاف ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی جس کے لیے آپؐ کو بہت سے ایسے احکام بھی ملتے تھے جو قرآن میں بیان نہیں کیے جاتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک بار اپنی کسی بیوی سے راز میں کوئی بات کہی۔ انہوں نے اسے دوسروں کو بتا دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو وحی کے ذریعہ اس کی خبر ہو گئی :

وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِىُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ج فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ج فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ط قَالَ نَبَّاَنِىَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ○ (التحریم : ۳)	"جب نبیؐ نے اپنی بیویوں میں سے کسی سے راز میں ایک بات کہی، جب اس بیوی نے اس کی خبر (دوسروں کو) کر دی اور اللہ نے نبیؐ پر اس کو ظاہر کر دیا تو اس نے اس کا کچھ حصہ جتا دیا اور کچھ سے درگزر کیا۔ پس جب نبیؐ نے اس بیوی کو اس کی خبر دی تو اس نے کہا: آپ کو کس نے خبر دی: نبیؐ نے کہا : مجھے خبر دی علیم و خبیر (خدا) نے۔"

قرآن میں کہیں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس میں نبیؐ کو مطلع کیا گیا ہو کہ تمہاری بیوی نے راز کی بات دوسروں سے کہہ دی ہے۔ جنگِ اُحد کے دوسرے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کو جمع کرکے کہا کہ ہمیں کافروں کا پیچھا کرنا چاہیئے کہیں وہ دوبارہ ہم پر حملہ نہ کر دیں۔ اس موقعہ پر بھی جبکہ مسلمان زخموں سے چور تھے، کفّار کا پیچھا کرنے کے لیئے تیار ہو گئے۔ قرآن سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ کفار کا پیچھا کرنے کا حکم خدا کی طرف سے تھا حالانکہ قرآن میں کہیں بھی کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس میں مسلمانوں کو کافروں کا پیچھا کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ قرآن کے الفاظ ملاحظہ ہوں :

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ
وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ
الْقَرْحُ۔
(آل عمران: ۱۷۲)

"جن لوگوں نے اللہ اور رسول کی
پکار پر لبیک کہا (اور لڑنے کے لئے تیار
ہو گئے) جبکہ وہ (ابھی ابھی لڑائی میں)
زخم کھا چکے تھے"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کے علاوہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی طرف سے ہدایت اور وحی کا نزول ہوتا تھا۔

جنگ بدر کے خاتمہ پر سورۃ الانفال نازل ہوئی۔ اس سورہ میں اللہ نے جنگ بدر پر تبصرہ فرمایا ہے تبصرہ کا آغاز کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے:

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ
اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ
اَنَّهَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ
اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ
تَکُوْنُ لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰہُ
اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ
وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ۝
(الانفال: ۷)

"اور (یاد کرو) جب اللہ تم سے
وعدہ فرما رہا تھا کہ دو گروہوں (یعنی تجارتی
قافلے اور قریش کے لشکر) میں سے ایک
تمہارے ہاتھ آجائے گا اور تم چاہتے
تھے کہ بے زور گروہ (تجارتی قافلہ) تمہارے
ہاتھ آئے اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے
کلمات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں
کی کمر توڑ دے"

یہ آیت بتاتی ہے کہ خدا نے نبی کے ذریعہ یہ وعدہ فرمایا تھا کہ ایمان والوں کو دو گروہوں میں سے ایک پر قابو عطا کیا جائے گا۔ لیکن قرآن میں کہیں ایسی آیت کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی جس میں مسلمانوں سے جنگ سے پہلے یہ وعدہ فرمایا گیا ہو، اس سے ظاہر ہے یہ وعدہ قرآن کے علاوہ کسی دوسری وحی کے ذریعہ کیا گیا تھا۔

اسی جنگ بدر کے سلسلے میں ارشاد ہوا ہے:

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ
فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ

"(یاد کرو) جب کہ تم اپنے رب سے
فریاد کر رہے تھے تو وہ تمہاری فریاد کو

بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ○ (الانفال: ۹) | پہنچا کہ میں ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا۔"

مسلمانوں کی فریاد کا جواب قرآن کی کسی آیت میں نہیں ملتا، اس طرح کی دوسری اور مثالیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں جن سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ قرآن کے علاوہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آتی تھی۔

قرآن مجید سے اس کی تصدیق بھی ہوتی ہے کہ وحی کی مختلف قسمیں ہیں۔ وحی کی ایک قسم تو وہ ہے جس کے ذریعہ قرآن نازل ہوا۔ قرآن خدا کے فرشتے کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر اترا ہے[1] اس کے علاوہ وحی کی دو خاص قسمیں اور بھی ہیں۔ ایک براہِ راست وحی جسے القاء والہام کہا جاتا ہے۔ دوسرے پردے کے پیچھے سے اس طرح کلام کیا جانا کہ پردے کے پیچھے سے آواز آئے لیکن سامنے کوئی دکھائی نہ دے۔ جیسے طور پر حضرت موسیٰ ع سے خدا نے کلام فرمایا تھا، ایک درخت سے اچانک آواز آنی شروع ہو گئی لیکن بولنے والا نگاہوں سے اوجھل تھا[2]

خواب کے ذریعہ بھی خدا اپنے نبی کو ہدایت دیتا ہے۔ اس کی تائید بھی قرآن سے ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں خواب دیکھا کہ آپ مکّہ میں داخل ہوئے ہیں اور کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ آپ کا خواب پورا ہوا۔ قرآن نے اس کی تصدیق کی کہ یہ خواب آپ کو خدا نے دکھایا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (الفتح: ۲۷) | "بے شک اللہ نے اپنے رسولؐ کو حق کے ساتھ سچّا خواب دکھایا، تم مسجدِ حرام میں ضرور داخل ہو گے۔"

معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث دونوں ہی کی پیروی لازم ہے۔ دونوں خدا کی جانب سے ہیں۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں:

السُّنَّةُ اَيْضًا تُنَزَّلُ | "سنّت بھی آپؐ پر وحی کے ذریعہ

---

[1] دیکھئے سورۃ البقرہ: ۹۷، ۹۸، الشعراء: ۱۹۲-۱۹۴۔ [2] سورۃ الشوریٰ: ۱۵۔

علیہ بالوحی کما ینزل بالقرآن الا انہ لا یتلی کما یتلی القرآن۔	اُتری جس طرح کہ قرآن نازل ہوا۔ فرق بس اتنا ہے کہ قرآن وحیِ متلو ہے اور سُنّت و حدیث وحیِ غیر متلو۔

امام حازمی ناسخ و منسوخ میں فرماتے ہیں:

السنۃ کان ینزل بہا جبرئیل علیہ السلام و یعلمہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمعنی التنزیل ما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان ذٰلک باسناد ثَبَتَ عنہ۔	"حضرت جبریل علیہ السلام حدیث لے کر اُترتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو سکھاتے تھے۔ پس رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہر وہ فرمان یا ہر وہ حدیث جو باسند و معتبر ہو وہ بھی تنزیل میں داخل ہے۔"

حضرت حسانؒ بن عطیہ جو کبارِ تابعین میں سے ہیں، فرماتے ہیں:

کان جبرائیل ینزل علی النبی بالسنۃ کما ینزل علیہ بالقران۔ (ناسخ ص۲۲)	"جبریل علیہ السلام نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم پر حدیث لے کر اسی طرح اُترتے تھے جس طرح قرآن کو لے کر آتے تھے۔"

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو اگر آپ کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ وحی کا انتظار فرماتے اور وحی آجانے کے بعد اس کا جواب دیتے۔ اس کی مثالیں بہت ملتی ہیں۔ امام بخاریؒ نے تو اس سلسلہ میں ایک باب کا عنوان ہی یہ رکھا ہے:

باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یُسئل مما لم ینزل علیہ الوحی فیقول لا ادری او لم یجب حتی ینزل علیہ الوحی۔	"یعنی نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے جب کوئی بات دریافت کی جاتی جس کے بارے میں کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہوتی تو آپ کہہ دیتے کہ مجھے معلوم نہیں یا آپؐ جواب ہی نہ دیتے یہاں تک کہ آپؐ کے پاس وحی آجاتی۔"

ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے رُوح کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ خاموش رہے یہاں تک کہ آیت نازل ہوئی۔ (بخاری)

حج کی حالت میں خوشبو لگانے کی ممانعت ہے۔ ایک صحابی نے ناواقفیت کی بنا پر احرام میں خوشبو لگالی اور جبّہ بھی پہن لیا۔ انہوں نے آپؐ سے پوچھا کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ آپ کو جواب معلوم نہ تھا۔ آپؐ کے پاس وحی آئی۔ تب آپؐ نے جواب دیا کہ خوشبو دھو ڈالو اور جبّے کو نکال دو۔

قرآن اور سُنّت

قرآن مجید کا اپنا سارا زورِ بیان جس چیز پر صرف ہوتا نظر آتا ہے وہ ایمان وعقائد اور اصولِ دین کی تعلیم ہے، اخلاق، عبادات اور معاملات سے متعلق احکام کے زیادہ تر اصول اور اُن کے بنیادی مسائل ہی قرآن میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان احکام کی تفصیلات اور فروعی مسائل نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات اور آپ کے عمل سے معلوم ہوتے ہیں۔ نبیؐ نے اپنے ارشادات کے ذریعہ قرآنی احکام کی وضاحت فرمائی اور عملی زندگی میں انہیں نافذ کیا۔ قانون کو تفصیلی شکل دینا درحقیقت آپ کے فرائضِ منصبی میں داخل تھا۔ قرآن میں ہے:

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل: ۴۴)

"(اور اے نبیؐ!) ہم نے یہ ذکر تمہاری طرف اس لیے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے لیے اس تعلیم کو واضح کرو جو اُن کی طرف نازل کی گئی ہے۔"

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا قول وعمل قرآن کے قوانین واحکام سے مختلف کوئی چیز نہیں ہے بلکہ حقیقت میں وہ قرآن ہی کی تشریح اور اسی کا حصّہ ہے۔ امام شاطبی کے الفاظ میں:

فکانت السنۃ بمنزلۃ — "گویا سُنّت کتابُ اللہ کے احکام

التفسیر والشرح لمعانی احکام الکتاب (الموافقات ج ۴ ص۱۰)	کے معانی کے لیے تفسیر و شرح کا درجہ رکھتی ہے۔"

تفسیر فتح البیان میں ہے:

وبیان الکتاب یطلب من السنة والمبین لذالک المجمل هو الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولهذا قیل متی وقع تعارض بین القرآن والحدیث وجب تقدیم الحدیث لان القرآن مجمل والحدیث مبین بدلالة هذہ الآیة والمبین مقدم علی المجمل (ص۲۳۴)	"قرآن کی تفسیر اور اس کا بیان سُنّت (حدیث) سے سمجھا جائے۔ اس مجمل کے مبین خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ جب کبھی قرآن وحدیث میں بظاہر تعارض واقع ہو تو حدیث کو مقدم رکھنا واجب ہے کیونکہ اس آیت (النحل: ۴۴) کی رو سے قرآن مجمل ہے اور حدیث اس کی شرح و تفسیر ہے اور مبین ہمیشہ مجمل پر مقدم ہوتا ہے۔"

یہی بات خازن اور معالم التنزیل وغیرہ قرآن کی تفسیروں میں مفسرین نے لکھی ہے سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ "بعض مقامات پر قرآن کا بیان اتنا مجمل ہے کہ حدیث کے بغیر اس اجمالی حکم پر عمل کرنا مشکل ہے۔ (مفتاح الجنة)

امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں:

الکتاب احوج الی السنة من السنة الی الکتاب	"کتاب کو سُنّت کی اس سے کہیں زیادہ ضرورت ہے جتنی کہ سنّت کو کتاب کی حاجت ہے۔"

حافظ ابو عمر اس فقرے کی وضاحت فرماتے ہیں:

"یرید انها تقضی علیه وتبین المراد منه"

ان کا مطلب یہ ہے کہ سُنّت قرآن کی مراد بیان کرتی ہے۔ امام شاطبی نے امام اوزاعی کے الفاظ کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

لان الکتاب یکون محتملا	"قرآن کی عبارت میں کبھی دو باتوں

لامرین فاکثر فتاتی السنة	اور کبھی اس سے بھی زیادہ کا احتمال ہوتا ہے
یتعین احدھما فیرجع السنة	حدیث ان میں سے ایک کو متعین کر دیتی
ویترك مقتضی الکتاب۔	ہے۔ پھر وہی قرآن کی مراد تسلیم کی جاتی
(الموافقات ج ۳ ص۱۰)	ہے دوسرے احتمالات پر عمل نہیں کیا جاتا۔"

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

علیك بالسنة فانّها	"تم پر سُنّت کی پیروی لازم ہے کیونکہ
شارحة للقراٰن وموضحة له	وہ قرآن کی شرح اور اس کی تفسیر ہے۔"

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

کل ما حکم به رسول الله	"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو
صلی الله علیه وسلم فهو مما	فیصلہ فرمایا ہے وہ قرآن سے سمجھ کر فرمایا ہے
فهمه من القراٰن۔ قال الله	چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (اے نبی!) ہم نے
تعالیٰ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ	حق کے ساتھ یہ کتاب تمہاری طرف نازل کی
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ	ہے تاکہ اللہ نے جو کچھ تمہیں دکھایا ہے اس
بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ۔	کے مطابق تم لوگوں کے درمیان فیصلہ
(النساء: ۱۰۵)	کرو۔"

قرآن میں دین کی ساری ہی بنیادی باتیں آگئی ہیں۔ امام حزم ظاہریؒ فرماتے ہیں: جملہ فقہی مسائل کی اصل قرآن میں موجود ہے۔ سُنّت صرف اس کا اعلان کرتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ	"ہم نے کتاب میں کسی (ضروری)
مِنْ شَيْءٍ (۶: ۳۸)	چیز کا ذکر باقی نہیں چھوڑا۔"

یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اپنے قول و عمل سے قرآن کی تشریح فرمائی اور قرآنی احکام کی تفصیلات اور ان پر عمل درآمد کی شکل بتائی اور ان کا منشاء اور مفہوم واضح فرمایا ہے۔

قرآن میں حکم دیا گیا کہ نماز کے لیے اُٹھو تو اپنا منھ اور کہنیوں تک ہاتھ دھوؤ۔ سر پر مسح کرو اور پاؤں دھوؤ یا ان پر مسح کرو (المائدہ : ۶) نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات سے معلوم ہوا کہ دھونے میں کلّی کرنا اور ناک صاف کرنا بھی شامل ہے۔ سر کے مسح کے ساتھ کان کا مسح بھی کرنا چاہیئے۔ کان بھی سر ہی کا حصّہ ہے۔ پاؤں پر موزے ہوں تو مسح کیا جائے ورنہ پاؤں کو دھونا چاہیئے۔ ساتھ ہی آپؐ نے یہ بھی واضح فرمایا کہ وضو کن حالات میں ٹوٹ جاتا ہے اور کن حالات میں نہیں ٹوٹتا۔

قرآن مجید میں "اقامتِ صلوٰۃ" کا حکم دیا گیا۔ لیکن صلوٰۃ سے مراد کیا ہے ؟ اور اس کی اقامت کے کیا معنیٰ ہوتے ہیں ؟ یہ ساری باتیں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عمل اور آپؐ کے ارشادات ہی سے معلوم ہوتی ہیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت ہی سے نماز کے اوقات، نماز کی ہیئت، اس کی رکعتیں، نماز با جماعت کا طریقہ اور نماز سے متعلق دوسری تفصیلات کا علم ہوتا ہے۔

جب روزے کے بارے میں یہ آیت اُتری : حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ (البقرۃ: ۱۸۷) (کھاتے پیتے رہو) یہاں تک کہ سفید دھاگا تمہیں کالے دھاگے سے صاف الگ دکھائی دینے لگے"۔ عدی بن حاتمؓ نے دو دھاگے سفید اور سیاہ اپنے پاس رکھ لیے اور جب تک ان میں فرق معلوم نہ ہوا کھاتے پیتے رہے۔ صبح کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے رات کو دو سیاہ و سفید دھاگے اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لیے تھے۔ آپؐ نے عدی کی بات سُن کر ہنستے ہوئے فرمایا : تمہارا تکیہ بڑا لمبا چوڑا ہے جس میں رات اور دن دونوں سما جاتے ہیں، اس سے تو رات کی سیاہی اور دن کی روشنی مراد ہے اس کے بعد مزید توضیح کے لئے مِنَ الْفَجْرِ کا ٹکڑا بھی نازل ہو گیا۔

قرآن میں حج کی فرضیت کا عام حکم تو ملتا ہے (آل عمران : ۹۷) لیکن قرآن نے اس کی صراحت نہیں کی کہ مسلمان پر عمر میں صرف ایک بار حج کرنا فرض ہے یا اُسے ہر سال حج کرنا ہو گا۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی عمر میں ایک بار حج کر لے تو وہ فریضۂ حج سے سبکدوش ہو جائے گا۔

قرآن میں سونے چاندی کے جمع کرنے پر سخت وعید فرمائی گئی ہے (التوبہ: ۳۴) وعید کے عموم میں اس کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ کوئی شخص خرچ سے زائد ایک پیسہ بھی اپنے پاس رکھ سکے یا کوئی عورت معمولی زیور بھی اپنے پاس رکھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا کہ سونے چاندی کا نصاب کیا ہے؟ اور نصاب کے بقدر یا اس سے زیادہ سونے چاندی رکھنے والا شخص اگر ڈھائی فی صدی زکوٰۃ ادا کر دے تو قرآن کی وعید اس پر صادق نہیں آئے گی۔

قرآن میں کھانے پینے کی چیزوں میں بعض چیزوں کو حرام اور بعض کے حلال ہونے کی صراحت کر کے باقی چیزوں کے بارے میں ایک عام ہدایت فرمادی ہے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کی گئی ہیں (المائدہ : ۴) کون سی چیزیں پاک ہیں جنہیں ہم کھا سکتے ہیں اور کون سی چیزیں ناپاک ہیں جنہیں کھانا ہمارے لیے حلال نہیں؟ ان سب کی تفصیلات ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے معلوم ہوتی ہیں۔

قرآن میں وراثت کا قانون بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ میت کی اگر نرینہ اولاد کوئی نہ ہو اور ایک لڑکی ہو تو وہ نصف ترکہ کی حقدار ہوگی اور اگر دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکہ کا دو تہائی حصہ ملے گا۔ (النساء : ۱۱) اس حکم میں یہ بات واضح نہ تھی کہ اگر دو لڑکیاں ہوں تو انہیں کتنا حصہ ملے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ دو لڑکیوں کا حصہ بھی اتنا ہی ہے جتنا دو سے زیادہ لڑکیوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

قرآن میں دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا گیا ہے (النساء: ۲۳) اس حکم سے درحقیقت محبت کے اس تعلق کی حفاظت مقصود ہے جو دو بہنوں کے درمیان فطری طور پر پایا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ پھوپھی، بھتیجی اور خالہ بھانجی کو جمع کرنا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ ممانعت کی علت جو وہاں پائی جاتی ہے وہ یہاں بھی پائی جاتی ہے۔ اس لئے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پھوپھی اور بھتیجی اور خالہ اور بھانجی

کو بھی نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت فرما دی۔

قرآن میں صرف شراب (خمر) کی حرمت بیان کی گئی ہے۔ حرمت کی علّت شراب کا نشہ آور ہونا ہے۔ اس لیے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بتایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے لیکن بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر تھوڑی پی جائیں تو نشہ نہیں ہوتا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ ایسی چیزوں کا تھوڑی مقدار میں پینا کیسا ہے؟ حدیث میں وضاحت کر دی گئی: ما اسکر کثیرہٗ فقلیلہ حرام "جو چیزیں زیادہ مقدار میں ہونے پر نشہ لائیں ان کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے"۔

قرآن میں حرمتِ رضاعت میں صرف ماں اور بہن کا تذکرہ کیا گیا ہے (النساء: ۲۳) حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ماں بہن کے ساتھ بعض دوسرے رشتوں کو بھی شریک فرمایا ہے جس کسی عورت کا بھی کسی نے دودھ پیا ہے وہ ماں کے مثل ہے اور اس کا شوہر باپ کے مثل قرار پائے گا۔ اس رشتہ سے بھی وہ سبھی رشتے اس کے لیے حرام قرار پائیں گے جو ماں باپ کے رشتے سے حرام قرار پاتے ہیں۔

قرآن میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا بتایا گیا ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ سزا کتنے مال کی چوری کرنے پر دی جائے گی۔ اسی طرح قرآن میں اس کی وضاحت بھی نہیں کی گئی کہ چور کا کتنا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہ ساری تفصیلات ہمیں سُنّت ہی سے معلوم ہوتی ہیں۔

قرآن میں ارشاد ہوا ہے: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ "مطلقہ عورتیں تین قروء تک انتظار کریں" (البقرہ: ۲۲۸) لفظ "قروء" سے طہر اور حیض دونوں مراد لیے جا سکتے ہیں۔ سُنّت نے اس کو واضح کر دیا کہ یہاں حیض مراد ہے: چنانچہ حدیث میں ہے: "طلاق الامۃ ثنتان وعدتھا حیضتان[1]"

اس سے واضح ہوا کہ "قروء" سے مراد حیض ہے نہ کہ طہر ورنہ فرمایا جاتا کہ لونڈی

---

[1] تخریج و تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۲۶

کی عدّت دو طہر ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ (الانعام: ۸۲)	"جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو کچھ ظلم کے ساتھ مخلوط نہیں کیا، ان ہی کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یاب ہیں"

صحابۂ کرامؓ گھبرا گئے۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! ہم میں کون ہے جس سے ایمان لانے کے بعد کوئی ظلم یا معصیت کا فعل سرزد نہ ہوا ہو — آپ نے فرمایا: یہاں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ دوسری آیت میں شرک کو ظلم سے ہی تعبیر کیا ہے:

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان: ۱۳) بلاشبہ شرک بڑا ظلم ہے۔ (بخاری و مسلم)

یہ جواب سن کر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تردّد جاتا رہا اور ان کی گھبراہٹ دور ہوگئی — ایک مرتبہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ قیامت کے روز جس سے حساب لیا گیا سمجھ لو وہ ہلاک ہوا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! قرآن میں تو ارشاد ہوا ہے:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیْنِہٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا (الانشقاق: ۷-۸)	"تو جس شخص کا اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں دیا گیا اُس سے آسان حساب لیا جائے گا"

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "حسابِ یسیر" کے معنیٰ تو عرض (پیش کرنے) کے ہیں یعنی اعمالنامہ اس کے سامنے رکھ کر صرف جتلا دیا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں عمل کیا ہے مگر اس پر باز پرس نہ ہوگی۔ اگر کسی سے یہ سوال کر لیا گیا کہ یہ کام کیوں کیا تو بے شک اس کی خیر نہیں۔ (بخاری و مسلم)

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سنت (نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد و عمل) حقیقت میں قرآنی احکام کی تفصیل ہے۔ آیت وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ (النحل: ۴۴) "اور اے نبی! ہم نے یہ ذکر تمہاری طرف اس لیے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے لئے اس تعلیم کو واضح کرو جو ان کی طرف

نازل کی گئی ہے "سے صاف ظاہر ہے کہ حدیث وسُنّت کی حیثیت ذکر یعنی قرآن کی تفسیر یا بیان کی ہے۔ بیان کی بہت سی قسمیں ممکن ہیں۔ ہر لحاظ سے حدیث وسُنت کو قرآن کا بیان ہی کہیں گے۔ یہاں بیان کی چند قسموں کی طرف اجمالی اشارے پر اکتفا کرتے ہیں۔

بیانِ تفصیل: آیت کے کسی اجمال کو حدیث صاف طور پر کھول دیتی ہو تو اسے بیانِ تفصیل کہیں گے۔

بیانِ تاکید: آیت اور حدیث کا مضمون ایک ہی ہو، حدیث سے آیت کی صرف تائید و تثبیت ہوتی ہو۔

بیانِ تعیین: آیت میں مختلف احتمالات تھے۔ حدیث سے کوئی ایک احتمال متعین ہوتا ہو۔

بیانِ تقریر: حدیث آیت کے کسی ابہام کو مشخص کرتی ہو۔

بیانِ الحاق: کسی آیت کے چھوڑے ہوئے مضمون کے ساتھ مل کر حدیث اسے پورا کرتی اور اُسے وسعت دیتی ہو۔

بیانِ تخصیص: آیت کا حکم بظاہر عام تھا لیکن حدیث اسے خاص فرد کے ساتھ مخصوص کرتی ہو۔

بیانِ توجیہ: آیت کے حکم کی وجہ حدیث ظاہر کر رہی ہو۔

بیانِ تعلیل: آیت کے حکم کی علت حدیث سے واضح ہوتی ہو۔

بیانِ تاثیر: آیت کے آثار و خواص کو حدیث بیان کرتی ہو۔

بیانِ تحدید: کسی آیت کے حکم کی حدود حدیث سے واضح ہوتی ہو۔

بیانِ تمثیل: آیت کے کسی کلیہ کا کوئی جزئیہ حدیث نے بیان کیا ہو۔

بیانِ تفریع: آیت کے کسی اصول کلّی سے حدیث کوئی جزئیہ مستنبط کر کے پیش کرتی ہو۔

بیانِ قیاس: حدیث کسی مشترکہ علت کی بنا پر آیت کے کسی جزئیہ کے مشابہ کوئی جزئیہ پیش کرتی ہو۔

بیانِ استخراج: آیت کے کسی جزئیہ سے حدیث نے کوئی کلیہ اخذ کر کے پیش کیا ہو۔

قرآن و حدیث سے یہاں ہر ایک کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن طوالت کے خوف سے یہاں بس اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

سُنّت کا اتّباع

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپؐ کے طریقہ کی پیروی ہم پر لازم ہے۔ آپؐ کی رسالت کسی خاص زمانہ تک محدود نہیں ہے۔ آپ اپنی بعثت سے لے کر قیامت تک سارے انسانوں کے رسول ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (سبا: ۲۸)

(اے نبی!) ہم نے آپ کو سارے انسانوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔"

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ط (الانعام: ۱۹)

(کہو) "یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ متنبہ کروں تمہیں اور جس کو بھی یہ پہنچے۔"

ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانبیاء: ۱۰۷)

"اور (اے محمدؐ!) ہم نے آپ کو سارے عالم کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔"

آپؐ کی رسالت صرف آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اپنے ہی زمانے کے لیے نہ تھی۔ قیامت تک حکمِ خدا کی اطاعت کے ساتھ آپؐ کے حکم کی اطاعت بھی اہلِ ایمان کا اوّلین فرض ہے۔ قرآن کا یہ ارشاد قیامت تک کے لئے ہے:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ

"اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں نزاع ہو تو اس کو پھیر دو

وَ الرَّسُوْلِ۔ (النساء: ۵۹) خدا اور رسول کی طرف"

اولی الامر جو احکام دیں گے۔ ان کی اطاعت بھی مسلمانوں پر لازم ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ خدا اور رسول کے احکام کے خلاف نہ ہوں بلکہ وہ ان سے اصولی مطابقت رکھتے ہوں۔ اختلاف کی صورت میں ہمیشہ اللہ و رسول کی طرف رجوع کرنا چاہیئے مسلمانوں پر صرف قرآن پر عمل کرنا ہی کافی نہیں ہے سُنّت کی پیروی بھی اُن پر لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں:

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ۔ "تم جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اسی طرح نماز ادا کرو"

حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے فرمایا:

خُذُوْا عَنِّيْ مَنَاسِكَكُمْ لَعَلِّيْ لَا أَرَاكُمْ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا "لوگو! تم مناسکِ حج مجھ سے سیکھ لو شاید میں تمہیں اس سال کے بعد نہ دیکھوں"

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے:

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔ (عن انسؓ بخاری و مسلم) "جس کسی نے میری سُنّت سے اعراض کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں"

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی یہ وصیّت ہے:

تَرَكْتُ فِيْكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ "میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے: اللہ کی کتاب اور سُنّتِ رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلّم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی دوسرے نبی کی بعثت کا امکان بھی نہیں ہے اس لیے کہ نبوّت کا سلسلہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) پر ختم فرمایا گیا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ○ (سلسلۂ نبوت ان پر ختم ہے) اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔" (الاحزاب: ۴۰)

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کا سلسلہ آپ کی ذات پر ختم کر دیا گیا ہے[1] اب قیامت تک آپ ہی کی پیروی میں انسانوں کی فلاح اور نجات ہے۔ آپؐ کے ذریعہ خدا نے اپنے دین کی تکمیل فرما دی ہے[2] اور اس کی دائمی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے[3] کتاب اللہ کے ساتھ سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی مسلمانوں کے لیے لازم اور ضروری ہے۔ یہ ایک ایسی متفق علیہ بات ہے جس سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔ صحابہ کرامؓ، ائمۂ اُمت اور اکابرین نے قرآن کے ساتھ سُنّت کی پیروی کو اپنے لیے لازم سمجھا سُنّت سے بے پروائی اور سُنّت کا انکار اس طریقہ کے بالکل خلاف ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اہل ایمان کو چھوڑ گئے تھے۔ صحابہ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ انہیں ہر موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کی تلاش ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے کوئی معاملہ آتا تو وہ پہلے اس کا حکم کتابُ اللہ اور سُنّتِ رسولؐ ہی میں تلاش کرتے تھے کسی معاملہ میں وہ اجتہاد سے اسی وقت کام لیتے جب کتاب اللہ او سُنّتِ رسولؐ ہی میں کوئی حکم نہ پاتے[4] حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے پہلے ہی خطبہ میں فرمایا تھا:

اَطِیعُونِی مَا اَطَعتُ	"میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ
اللہَ وَرَسُولَہ فان	اور اس کے رسول کی اطاعت کر رہا ہوں۔
عصیتُ اللہَ ورسولَہ	لیکن اگر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی
فلا طاعۃ لِی	نافرمانی اختیار کروں تو میری کوئی اطاعت
علیکم۔	تم پر نہیں ہے۔"

ایک عورت اپنے پوتے کی میراث کا مطالبہ کرتی ہے جس کی ماں مر چکی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں:

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب کلام نبوت کے باب 'رسالت پر ایمان' کا ذیلی عنوان "ختم نبوت" [2] ملاحظہ ہو سورۃ المائدہ: ۳
[3] سورۃ الحج: ۹ [4] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۵۴۔

مالك في كتاب الله شيئ	"کتابُ اللہ میں کوئی حکم نہیں جس
وماعلمت لك في سُنة	کی رو سے تجھے حق پہنچتا ہو اور سُنّتِ
رسول الله شيئا	رسول اللہؐ کی رُو سے تیرا کوئی حق مجھے معلوم
فارجعي حتى اسائل	نہیں لہٰذا (اس وقت) واپس جا، تاآنکہ
الناس۔	میں لوگوں سے دریافت کروں۔"

اس کے بعد انہوں نے لوگوں سے پوچھا تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور محمد بن مسلمہ نے کھڑے ہو کر شہادت دی کہ ان کی موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ (یعنی حصۂ مادری) دلوایا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اس کے مطابق اس عورت کو چھٹا حصہ دلایا۔ (مؤطا۔ بخاری۔ مسلم)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کو کچھ مال دینے کو کہا تھا۔ لیکن ان کو یاد نہیں رہا کہ انہوں نے یہ مال حضرت عائشہؓ کو دیا یا نہیں۔ وفات کے وقت انہوں نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ اگر تم نے وہ مال لے لیا ہے تب تو وہ تمہارے پاس رہے گا (وہ نہیں ہبہ ہو چکا) لیکن اگر ابھی تک تم نے اس کو اپنے قبضہ میں نہیں لیا ہے تو اب وہ میرے تمام ورثا میں تقسیم ہوگا۔ یہ بات انہوں نے اس لیے کہی کہ اگر مال ابھی تک قبضہ میں نہیں لیا گیا ہے تو اس صورت میں اس کی حیثیت محض وصیت کی رہتی ہے اور حدیث میں ہے: لاوصية لوارث، جس کی رو سے میّت کے ترکہ میں کسی وارث کے لیے وصیّت کا نفاذ نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت صدیقؓ مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد کا فیصلہ فرماتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو اس فیصلہ کی صحت میں تامّل ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ ان سے کس طرح جنگ کریں گے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں تاآنکہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے قائل ہو جائیں، جب وہ اس کے قائل ہو جائیں گے تو وہ مجھ سے اپنے مال اپنی جان کو بچالیں گے مگر حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ کے ذمّہ ہے (اب جبکہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے قائل ہیں، ان کے خلاف آپ کس طرح جنگ کریں گے؟)

حضرت ابوبکرؓ نے کہا:

وَاللّٰہِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ فَاِنَّ الزَّکٰوۃَ حَقُّ الْمَالِ وَاللّٰہِ لَوْمَنَعُوْنِیْ عِقَالًا کَانُوْا یُؤَدُّوْنَہٗ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُھُمْ عَلٰی مَنْعِہٖ۔ (بخاری ومسلم)

"خدا کی قسم میں ان سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرتے ہیں، زکوٰۃ مال کا حق ہے (جس طرح نماز نفس کا حق ہے) خدا کی قسم اگر وہ اونٹ باندھنے کی رسّی بھی روک لیں گے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیتے تھے تو میں اُن سے جنگ کروں گا۔"

حضرت عمرؓ کا مسلک اور طریقہ بھی وہی تھا جو حضرت صدّیق اکبرؓ کا تھا۔ مجوس کا ملک اسلامی مقبوضات میں شامل ہوا تو حضرت عمرؓ کو تردّد ہوا کہ مجوس سے جزیہ لیا جائے یا نہ لیا جائے۔ قرآن مجید میں صرف اہل کتاب سے جزیہ لینے کا ذکر ہے اور قرآن کی زبان میں اہلِ کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اس بات کی شہادت دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا ہے۔ اس شہادت کے بعد حضرت عمرؓ کو ان سے جزیہ لینے میں کوئی تامّل نہ ہوا۔

حضرت عمرؓ نے قاضی شُریح کے نام اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ اگر کوئی معاملہ ایسا سامنے آئے جس کے بارے میں کتاب اللہ میں کوئی حکم نہ ہو تو اس کا فیصلہ اس حکم کے مطابق کریں جو انہیں اس کے بارے میں سُنّتِ رسول میں ملتا ہو۔ اور اگر کوئی ایسا معاملہ ہو کہ اس میں کتاب اللہ اور سُنّتِ رسولؐ دونوں خاموش ہیں تو پھر وہ اس قانون کی پیروی کریں، جس پر اجماع ہو چکا ہو اور اگر اس کے متعلق کوئی اجماعی فیصلہ بھی نہ ہوا ہو تو پھر اجتہاد سے کام لینے کا اختیار ہے یا پھر انتظار کریں کہ اس معاملے میں کوئی اجماعی فیصلہ ہو جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ بھی لکھا ہے کہ میرے نزدیک انتظار کرنا زیادہ بہتر ہے[1]

حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ شوہر کی دِیَت سے بیوی کو وراثت نہ ملنی چاہیئے لیکن جب

---

[1] اعلام الموقعین۔

انہیں یہ روایت پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دِیَتِ زوج سے وراثت دلائی ہے تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کرلیا۔

ایک بار حضرت عمرؓ نے یہ اعلان کیا کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں کچھ سُنا ہے کہ اگر جھگڑے میں کسی عورت کا حمل ساقط ہو جائے تو اس کی دِیَت کیا ہے؟ حمل بن مالک نے کھڑے ہو کر کہا کہ ایک مرتبہ دو عورتوں میں لڑائی ہو گئی۔ ایک عورت نے دوسری عورت کو خیمے کی چوب ماری جس کے صدمہ سے اس کا حمل ساقط ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مقدمہ آیا تو آپؐ نے اس پر پانچ سو درہم بطورِ دِیَت لازم کیا۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر ہم یہ حدیث نہ سُنتے اور اپنی رائے سے فیصلہ کرتے تو شاید اس کے خلاف فیصلہ کر جاتے۔

عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں ہرگز بوسہ نہ دیتا۔ (بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، بیعت کے بعد انہوں نے علی الاعلان فرمایا کہ وہ کتابُ اللہ اور سُنّت رسول اللہؐ کے پابند ہوں گے اور اپنے پیش رو خلفاء کے ان فیصلوں اور طریقوں کی پیروی کریں گے جو مسلمانوں کے اتفاق اور اجماع سے طے ہو چکے ہوں گے اور خود ان کے زمانے میں جو اُمور اہلِ خیر کے اتفاق و اجماع سے طے ہوں گے ان پر عمل درآمد کریں گے۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی خلیفہ ہونے کے بعد اہل مصر کو جو سرکاری فرمان حضرت قیس بن سعد بن عُبادہ کے ہاتھ روانہ کیا تھا اس میں لکھا تھا کہ ہم پر تمہارا یہ حق ہے کہ اللہ عزّوجلّ کی کتاب اور اس کے رسول کی سُنّت کے مطابق عمل کریں اور تم پر وہ حق قائم کریں جو کتاب وسُنّت کے لحاظ سے حق ہو اور رسولِ خدا کی سُنّت کو جاری کریں اور تمہاری

---

[1] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۴۴۶۔

بے خبری کی حالت میں بھی تمہاری خیر خواہی کرتے رہیں۔

خلفائے راشدین کے علاوہ دیگر صحابہؓ بھی کتاب و سُنّت کو آخری سند اور حرفِ آخر سمجھتے تھے، وہ اپنے کو سُنّتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خلاف فیصلہ کرنے کا مجاز ہرگز نہیں سمجھتے تھے رُومی حکومت اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان ایک معاہدہ کے تحت ایک خاص مدت تک جنگ بند تھی۔ جب وہ مدّت ختم ہونے کے قریب ہوئی تو حضرت معاویہؓ نے لشکر کے ساتھ دشمن کے ملک کی جانب کوچ کر دیا۔ انہوں نے سوچا کہ معاہدہ کی جو مدت ہے اس کے اندر حملہ نہیں کریں گے۔ لیکن مدت ختم ہوتے ہی اچانک یکبارگی حملہ کر دیں گے۔ ایک دن انہیں دُور سے ایک سوار آتا دکھائی دیا جو بلند آواز سے کہہ رہا تھا اللہ اکبر اللہ اکبر عہد کو پورا کرنا ہے توڑنا نہیں ہے۔ وہ سوار عمرو بن عبسہ تھے۔ حضرت معاویہؓ نے کہا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سُنا ہے کہ جس شخص کا کسی قوم سے کوئی معاہدہ ہو تو اس عہد میں کوئی ردّ و بدل نہ کرے۔ جب تک کہ (معاہدہ کی) مدّت نہ گزر جائے یا اس قوم کو مطلع نہ کر دے۔ حضرت معاویہؓ نے یہ سُنا تو اپنی فوج کے ساتھ واپس ہو گئے۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور دیگر صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کیا تو ان کے ہاتھ پر بایں الفاظ بیعت کی:

نبایعك علیٰ کتاب اللہ	"ہم آپ کے ہاتھ پر اس شرط پر
وسنۃ رسولہ	بیعت کرتے ہیں کہ آپ کتاب اللہ اور سُنّتِ
وسنۃ الخلیفتین	رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) اور دونوں
بعدہ۔	سابق خلفاء کے طریقہ پر عمل کریں گے۔"

حضرت ابن عمرؓ مخابرہ (مزارعت کی ایک صورت) کیا کرتے تھے۔ جب رافع بن خدیج کی اس باب میں ممانعت کی روایت انہیں پہنچی تو انہوں نے مخابرہ کرنا چھوڑ دیا۔ اسی طرح حضرت زیدؓ حائضہ کے لیے بھی طوافِ صدر کرنا واجب سمجھتے تھے لیکن جب حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے طوافِ صدر ترک کرنے کی اجازت دی ہے، تو انہوں

نے اپنے قول سے رجوع کرلیا۔

عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے یہ نذر کی ہے کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھے گا۔ اتفاق سے اس کے بعد ہی عید الاضحیٰ یا عید الفطر آگئی، کیا وہ ان دنوں میں بھی روزہ رکھے۔ انہوں نے فرمایا: نہیں اور یہ آیت تلاوت کی: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں نہ خود روزہ رکھتے تھے نہ روزہ رکھنا پسند فرماتے تھے۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے: جس کو کوئی فیصلہ کرنا ہو وہ کتاب اللہ سے کرے اگر اس میں موجود نہ ہو تو حدیث نبوی کے مطابق فیصلہ کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے[1]۔

صحابہ کرام کے بعد دوسرے ائمہ اور بزرگان دین نے بھی سُنّتِ رسولؐ کو دین میں وہی مقام دیا جو صحابہ کرامؓ نے دیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایک شخص کو اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

اُوْصِيكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ	"میں تجھ کو وصیت کرتا ہوں اللہ کا
وَالْاِقْتِصَادِ فِيْ اَمْرِهٖ	ڈر رکھنے کی اور اس کے حکم پر چلنے کی اور
وَاِتِّبَاعِ سُنَّةِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ	اس کے نبی کی سُنّت کے اتّباع کی اور جو
عليه وسلم وَتَرْكَ مَا اَحْدَثَ	باتیں اہل بدعت نے نکالی ہیں انہیں
الْمُحْدِثُوْنَ بَعْدَ مَا جَرَتْ	ترک کرنے کی۔ اہل بدعت نے یہ باتیں
بِهٖ سُنَّتُهٗ وَكُفُوْا	اس وقت نکالی ہیں جبکہ سُنّت کا اجراء
مُؤْنَتَهٗ فَعَلَيْكَ	عمل میں آچکا تھا۔ یہ لوگ سُنّت کو پیچھے
بِلُزُوْمِ السُّنَّةِ	ڈال کر اس کی پیروی سے مستغنی ہو گئے
فَاِنَّهَا لَكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ	تجھ پر سُنّت کی پیروی لازم ہے۔ کیونکہ

---

[1] الموافقات ج ۴ ص ۷۔ ۸۔

عِصۡمَۃٌ۔ یہی چیز تجھے بحکم خدا گمراہیوں سے بچانے والی ہے۔" (ابو داؤد)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک مومن کے لیے سُنّت کی پیروی لازم اور ضروری ہے اور یہی وہ محفوظ راہ ہے جس کے ذریعہ آدمی اپنے کو ہر طرح فتنوں اور گمراہیوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ وہ خود بھی سُنّت کے متبع تھے اور دوسروں کو بھی سُنّت کی پیروی کی تلقین کرتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں ایک غلام فروخت ہوا۔ بعد میں اس میں کوئی عیب ثابت ہوا تو مشتری نے اس کی واپسی کا دعویٰ کر دیا۔ غلام کے ذریعہ جو آمدنی اس درمیان میں ہوئی تھی اس کے بارے میں جھگڑا پیدا ہوا کہ وہ کس کو ملے گی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی رائے تھی کہ آمدنی کی رقم بائع کو دی جائے لیکن جب ان تک حضرت عائشہؓ کی روایت پہنچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ یہ ہے کہ آمدنی مشتری کو ملنی چاہیے کیونکہ اس درمیان میں اگر غلام فوت ہو جاتا تو نقصان مشتری ہی کا ہوتا لہٰذا جس کا نقصان ہوتا نفع بھی اسی کو ملنا چاہیے۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے جب کوئی حکم کتاب اللہ میں مل جاتا ہے تو میں اسی کو تھام لیتا ہوں، جب اس میں نہیں ملتا تو سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ان آثار کو لیتا ہوں جو ثقہ لوگوں کے یہاں ثقہ لوگوں کے واسطے سے معروف ہیں۔ جب نہ خدا کی کتاب میں حکم ملتا ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت میں تو میں اصحاب رسولؐ (یعنی ان کے اجماع) کا اتباع کرتا ہوں اور ان کے اختلاف کی صورت میں جس صحابی کا قول چاہتا ہوں قبول کرتا ہوں اور جس کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں لیکن ان سب کے اقوال سے باہر جا کر کسی کا قول اختیار نہیں کرتا۔ رہے دوسرے لوگ تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا۔ میں بھی اجتہاد کرتا ہوں[1]۔

---

[1] تاریخ بغداد للخطیب ج ۱۳، مناقب امام ابوحنیفہ وصاحبین للذہبی ص ۲۰، مناقب امام اعظم للموفق المکی ج ۱ ص ۷۹۔

ایک دن کسی نے ابوحنیفہؒ سے کہا کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس کے جواب میں کہا:

لعن اللہ من یخالف رسول	"خدا اس پر لعنت کرے جو رسول اللہ
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے۔ آپؐ
بہ اکرمنا اللہ وبہ	ہی کی وجہ سے خدا نے ہمیں عزت عطا کی اور
استنقذنا۔	آپؐ ہی کے سبب ہم نے نجات حاصل کی ہے[1]۔"

علامہ ابن القیمؒ نے امام احمدؒ کے اصولِ استنباط کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اولین درجہ کتاب اللہ اور صحیح احادیث کو دیتے ہیں، اگر وہ نہ ملیں تو اقوال صحابہؓ کو۔ وہ بھی نہ ہوں تو پھر "قیاس" سے کام لینے سے پہلے دیکھ لینا چاہیے کہ کوئی ایسی روایت موجود ہے جو اگرچہ صحت کے اعلیٰ معیار پر نہ ہو لیکن بالکل ناقابلِ حجت بھی نہ ہو۔ ایسی صورت میں امام احمد کے نزدیک اس قسم کی حدیث کو بنائے استدلال بنانا چاہیے۔ ان کے نزدیک مرسل اور ضعیف حدیث کو قیاس پر ترجیح حاصل ہے۔ انہوں نے اس کی صراحت کر دی ہے کہ ضعیف سے مراد باطل اور منکر حدیث نہیں ہے بلکہ اتنا ہی ہے کہ وہ صحت کے اعلیٰ معیار کی نہ ہو۔

لیس المراد بالضعیف	"ضعیف سے مراد ان کے نزدیک
عندہ الباطل ولا المنکر ولا	باطل اور منکر نہیں ہے اور نہ وہ جس کی
مافی روایتہ سقم بحیث	روایت میں کوئی سقم ہو کہ اس پر چلنا جائز
لا یسوغ الذھاب الیہ فالعمل	نہ ہو اور نہ اس پر عمل کرنا بلکہ ضعیف حدیث
بہ بل الحدیث الضعیف	ان کے نزدیک صحیح حدیث کا ایک حصہ
عندہ قسیم الصحیح وقسم	ہے اور حسن احادیث کی قسموں میں
من اقسام الحسن[2]	سے ہے۔"

---

[1] الانتقاء لابن عبد البر ص ۱۴۰ - ۱۴۱

[2] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۲۵۔

ولیس المراد بالحدیث الضعیف فی اصطلاح السلف ھو الضعیف فی اصطلاح المتاخرین بل مایسمیہ المتاخرون حسنا قد یسمیہ المتقدمون ضعیفا [۱]	"سلف کی اصطلاح میں ضعیف حدیث سے مراد وہ نہیں ہے جو مراد ضعیف حدیث کی متاخرین کی اصطلاح میں ہے بلکہ جس (حدیث) کو متاخرین حسن سے موسوم کرتے ہیں اسی کو متقدمین ضعیف سے موسوم کرتے ہیں"

ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ امام احمد اس طرز عمل میں منفرد نہیں ہیں۔ بلکہ سبھی ائمہ اس سلسلہ پر ان کے موافق ہیں:

ولیس احد من الائمۃ الا الموافقۃ علی ھٰذا الاصل من حیث الجملۃ فانہ مامنھم الا وقد قدم الحدیث الضعیف علی القیاس [۲]	"ائمہ میں سے ہر ایک اس اصل میں ان کے موافق ہے کہ ان میں سے ہر ایک ضعیف حدیث کو قیاس پر مقدم رکھتا ہے"

ابن قیمؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے اس قسم کے فتاویٰ کو مثال میں پیش کیا ہے جو اس اصول پر مبنی ہیں:

اما مالک فانہ یقدم الحدیث المرسل والمنقطع والبلاغات وقول الصحابی علی القیاس [۳]	"امام مالک حدیث مرسل، منقطع اور بلاغات اور صحابی کے قول کو قیاس پر مقدم رکھتے تھے"

یہاں بھی یہ بات پیش نظر رہنی چاہیئے کہ امام مالکؒ جن مرسل، منقطع اور بلاغات[۴] کو استدلال کی بنیاد قرار دیتے تھے، ان کے نزدیک انہیں ثابت شدہ احادیث کی حیثیت حاصل تھی[۵] ائمہ اور فقہائے اُمت کے علاوہ دوسرے بزرگوں کا بھی یہی مسلک تھا کہ وہ قرآن اور

---

[۱] اعلام ج ۱ ص ۶۴ [۲] اعلام ج ۱ ص ۲۵ [۳] اعلام ص ۲۶۔

[۴] بلاغات سے مراد مؤطا کی وہ روایات ہیں جن کو "بلغہ" سے بیان کیا گیا ہے [۵] مصفی ص ۱۲/۷

سُنّت دونوں ہی کو دین کا بنیادی ماخذ سمجھتے تھے۔ انہوں نے کبھی اپنے کو سُنّت کی پیروی سے بے نیاز نہیں سمجھا۔ حدیث کے مقابلے میں وہ کسی کے قول کو بھی حجت نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں:

الطرق کلھا مسدودۃ علی الخلق الا علیٰ من اقتفیٰ اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

"ان لوگوں کے علاوہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے باقی سب کے لیے خدا تک پہنچنے کے لیے راستے مسدود ہیں۔"[1]

حضرت ذُوالنون مصریؒ کا ارشاد ہے:

من علامات المحب للہ عزّوجل متابعۃ حبیب اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم فی احوالہ وافعالہ وَاوامِرِہٖ وسنتہٖ۔

"اللہ عزّوجل کے محب کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی کرے۔ آپؐ کے احوال میں بھی، اعمال میں بھی، احکام واوامر میں بھی اور آپ کی سُنّتوں میں بھی۔"[2]

حضرت ابن عطاءؒ فرماتے ہیں:

لامقام اشرف من مقام متابعۃ الحبیب صلّی اللہ علیہ وسلم فی اوامرہٖ وافعالہ واخلاقہ

"کوئی مقام بھی حبیب خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے احکام، آپؐ کے اعمال اور آپ کے اخلاق کی پیروی کے مقام سے برتر نہیں۔"[3]

---

[1] رسالہ قشیریہ ص ۱۱

[2] ایضاً ص ۸

[3] ایضاً ص ۲۳

سُنّت کی حفاظت

اوپر کی تفصیلات سے ظاہر ہے کہ ہدایت پانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی جس طرح آپ کے ہم عہد لوگوں کے لئے ضروری تھی اسی طرح قیامت تک کے لوگوں کے لیے ضروری ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ کتاب اللہ کے ساتھ سُنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے احکام بھی محفوظ ہوں۔ اس پہلو سے دیکھتے ہیں تو ماننا پڑتا ہے کہ خدا نے قرآن کے ساتھ سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی حفاظت کی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ایک طرف تو اپنے قول و عمل سے کتاب اللہ اور احکامِ الٰہی کی تشریح فرمائی۔ دوسری طرف آپؐ نے اسلامی اصولوں پر افراد کی تربیت کی اور انہیں ایک منظم اور طاقتور گروہ بنایا۔ عقائد اور تصورات سے لے کر عملی زندگی کے تمام ہی گوشوں تک معاشرہ کی تعمیر و تشکیل آپؐ ہی کے مقرر کئے ہوئے اصول و ضوابط پر ہوئی۔ آپ کے سکھائے ہوئے ڈھنگ پر نماز، حج، روزہ وغیرہ عبادات کے طریقے رائج ہوئے شادی بیاہ، طلاق اور وراثت وغیرہ کے جو ضابطے اسلامی معاشرے نے اختیار کئے وہ وہی تھے جو آپؐ نے مقرر فرمائے تھے۔ جنگ میں دشمنوں سے آپؐ نے جو معاملات فرمائے مفتوح قوم کے ساتھ آپؐ نے جو سلوک کیا، وہی اسلامی مملکت کا ضابطہ قرار پایا۔ گھر سے لے کر مسجد، بازار، عدالت، حکومت اور بین الاقوامی سیاست تک تمام ہی شعبوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت مسلمانوں کے لیے ایک قانون اور ضابطہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ مسلمانوں نے اسے قانون اور ضابطہ کی حیثیت ہی سے اختیار کیا۔ اسی ضابطہ اور قانون کی روشنی میں اسلامی معاشرہ میں ایک چیز حلال قرار پاتی تھی اور ایک چیز حرام سمجھی جاتی تھی۔ اسلامی معاشرہ اپنے تمام ہی شعبوں اور پہلوؤں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت پر قائم ہوا۔ آپ کی وفات کے بعد یہ معاشرہ باقی رہا اور اس معاشرہ کے عمل نے بعد کی صدیوں میں سُنّت کی حفاظت کی۔ اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث کی مستند روایات اور اُمّت کے متواتر عمل میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا بلکہ ان کے درمیان

پوری مطابقت پائی جاتی ہے۔ بعض سنتیں ایسی ہیں جو آپ کی زندگی میں مشہور ومعروف نہیں ہوسکی تھیں۔ ان سنتوں کا علم متفرق افراد کے پاس تھا جسے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال کو دیکھ کر اخذ کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فوراً ہی اس کے جمع کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے خود موجود تھے۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد اس بات کی شدید ضرورت پیش آئی کہ آپؐ کی وہ سنتیں بھی جمع کی جائیں جن کا علم ابھی ہر شخص کو نہیں ہوسکا تھا۔ عوام سے لے کر حکام اور قاضی تک سبھی کو اپنے اپنے دائرہ کار میں ایسے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا تھا جن کے بارے میں انہیں سنّت کے علم کی ضرورت پیش آتی تھی۔ جن لوگوں کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا کوئی علم تھا وہ بھی اسے ایک امانت سمجھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ ان کے پاس جو علم بھی ہے اسے دوسروں تک پہنچانا ان پر لازم ہے۔ حدیثوں کے جمع کرنے کا یہ سلسلہ تیسری چوتھی صدی ہجری تک جاری رہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۱۱ھ میں ہوئی۔ سنہ ۲۰ھ تک اکابر صحابہؓ باحیات تھے۔ سنہ ۶۰ھ تک اصاغر صحابہؓ لوگوں کے درمیان موجود تھے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ جلیل القدر صحابی حضرت انس بن مالکؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ۸۳ سال تک زندہ رہے۔ آپ کی وفات بصرہ میں ۹۳ھ میں ہوئی۔ بعض لوگوں کے بیان کے مطابق آپ ۹۹ھ تک باحیات تھے۔ آپ کی وفات کے موقعہ پر ایک شخص نے کہا: "آج آدھا علم رخصت ہوگیا جب کوئی بدعقیدہ شخص ہماری مخالفت کرتا تو ہم اس شخص سے کہتے کہ آؤ اس شخص کے پاس چلیں جس نے براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں سُنی ہیں۔"

صحابی رسول حضرت محمود بن ربیعؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ۸۹ سال تک زندہ رہے۔ صحابی رسولؐ حضرت ابوالطفیلؓ (جن کا نام عامر بن واثلہ ہے) کی وفات کے بارے میں ثقہ راوی جریر بن حازم کا بیان ہے کہ میں ۱۱۰ھ میں مکّہ میں تھا۔ اسی زمانہ میں میں نے ایک جنازہ دیکھا۔ یہ جنازہ ابوالطفیلؓ کا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

وفات کے بعد ۹۹ سال تک جماعت صحابہؓ کا ایک فرد موجود رہا ہے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رحلت کے بعد صحابہؓ آپؐ کی سُنّت کی حفاظت اور اس کی ترویج و اشاعت کی طرف سے قطعاً غافل نہیں ہوئے۔ ۹۳ھ تک صحابہؓ کو براہ راست سُنّت نبوی کی خدمت کا موقعہ ملا ہے۔ ابو العالیہ کا بیان ہے کہ جب ہم بصرہ میں حدیثیں سُن لیتے تھے تو پھر مدینہ میں آکر صحابۂ کرامؓ سے ان احادیث کی تصحیح کرا لیتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ یمن میں، ابن مسعودؓ عراق میں، عبداللہ بن انیس شام میں، مسلمہ بن محمدؓ مصر میں، حضرت علیؓ کوفہ میں، عبادہؓ بن صامت حمص میں احکامِ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اشاعت و نفاذ کے کام میں مصروف رہے بعد میں حضرت معاذ بن جبلؓ اور عبادہ بن صامت فلسطین گئے اور وہاں کتاب وسُنّت کی خدمت کا فریضہ انجام دیا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ بصرہ میں تھے۔ ان کے ساتھ عمران بن حصینؓ بھی تھے۔ کوفہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کا حلقۂ درس اس قدر وسیع تھا کہ ان سے بیک وقت کثیر تعداد میں لوگ احادیث سُننے آتے تھے۔ یہی کیفیت دیگر صحابۂ کرامؓ کی بھی تھی۔ حضرت ابوموسیٰؓ بصرہ پہنچے تو اعلان فرمایا:

بعثنی الیکم عمر لاعلمکم	"مجھے عمرؓ نے تمہاری طرف بھیجا ہے
کتاب ربکم وسنة	تاکہ میں تمہیں تمہارے رب کی کتاب اور
نبیّکم (دارمی)	تمہارے نبی کی سُنّت کی تعلیم دوں"

صحابۂ کرامؓ نہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیات میں حدیث کی حفاظت کی طرف سے غافل رہے اور نہ آپؐ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد انہوں نے اپنی ذمہ داری کو فراموش کیا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

کنا نحفظ الحدیث	"ہم آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم
والحدیث یحفظ	کی حدیثوں کی حفاظت کرتے تھے اور
عن رسول اللہ صلی اللہ	آپؐ کی احادیث تو اسی لیے ہیں کہ ان کی
علیہ وسلم۔	حفاظت کی جائے"

احادیث کو جمع کرنے کے ساتھ ہی موضوع اور گھڑی ہوئی حدیثوں کو صحیح احادیث میں

شامل کرنے کی کوششوں کو ناکام بنانے کی بھی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ خاص طور سے ان سنتوں
کی جو احکام سے متعلق تھیں ہر طرح سے تحقیق کی گئی۔ ہر اس طریقے سے جو انسان کے لیے ممکن ہے
اُن کی چھان بین کی گئی اور تنقید کے سخت سے سخت اصولوں پر انہیں پرکھا گیا۔ بحث و تنقید کے
اُس مواد کو بھی محفوظ کر دیا گیا جس کے سبب کسی روایت کو قبول کیا گیا یا کسی روایت کو ترک کیا گیا۔
اس طرح روایتوں کے ردّ و قبول کے سلسلہ میں تحقیقی رائے قائم کرنے کا موقع ہر شخص کو حاصل
ہو گیا۔ یہ محدّثین کا ایک ایسا عظیم کارنامہ ہے جس کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور
اس معاشرہ کا جس کی تعمیر آپؐ کے ہاتھوں ہوئی تھی مکمل نقشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔
آپؐ کے ایک ایک قول کی سند کو محفوظ کر دیا گیا جسے کسی وقت بھی جانچ کر با آسانی فیصلہ کیا
جا سکتا ہے کہ کوئی روایت کس درجہ کی ہے اور کہاں تک اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

روایتِ حدیث

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ روایتِ حدیث کا آغاز ابتدا ہی سے ہوا اور کم از کم دو صدی
تک سماعتِ حدیث اور نقل روایت کا غیر معمولی شغف مسلمانوں میں رہا ہے۔ قدیم زمانے میں
واقعات کو محفوظ رکھنے اور انہیں بعد کے لوگوں تک پہنچانے کا خاص ذریعہ یہ تھا کہ واقعات
کو حافظہ میں محفوظ رکھا جائے اور انہیں زبانی طور پر دوسروں تک پہنچایا جائے۔ اہل عرب
ہزاروں سال سے لکھنے کے بجائے زیادہ تر زبانی اور اپنے حافظے سے کام چلاتے آئے
تھے، انہیں قوت حافظہ اور صحتِ نقل میں امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ وہ شعراء کے کلام ہی کو نہیں
قبیلوں کے انساب بلکہ گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد رکھتے تھے اور اپنی اولاد کو یاد کراتے
تھے۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ یہ قوم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جیسی باعظمت شخصیت کے حالات و
واقعات اور آپؐ کی گفتگو کو بھول جاتی اور انہیں بعد کے لوگوں تک منتقل نہ کرتی۔ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم سے صحابہؓ کو جو والہانہ عشق تھا تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ صحابہؓ کے
دلوں پر آپؐ کا جو اثر تھا اس کا اندازہ کرنا بھی ہمارے لیے بے حد مشکل ہے۔ ان کے نزدیک تو
زندگی کا سب سے قیمتی لمحہ وہی تھا جو آپؐ کی معیت میں گزرا۔ وہ آپؐ کی ہر بات کو پوری تو

کامل یکسوئی کے ساتھ سُنتے تھے اور آپؐ کے ہر فعل و عمل کو دیکھتے تھے اور اس احساس کے ساتھ دیکھتے تھے کہ اسے اپنی زندگی میں عملاً اختیار کرنا ہے۔ اس طرح کی مثال بھی ملتی ہے کہ دو صحابی باہم طے کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی نہ کوئی ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے اور وہ ایک دوسرے کو آپؐ کے ارشادات اور حالات سے باخبر کرے تاکہ آپ کی کوئی ایک بات بھی علم میں آنے سے باقی نہ رہے[۱] جب شیفتگی اور تعلق کی یہ کیفیت ہو تو پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و واقعات اور آپؐ کے ارشادات کو یاد رکھنے سے غافل کیسے ہو سکتے تھے۔ جن لوگوں کو آپؐ کی زیارت اور صحبت حاصل نہ ہو سکی فطری طور پر انہیں اس کا شوق تھا کہ وہ آپ کے حالات اور آپؐ کے ارشادات سے واقف ہوں۔ تاریخ میں اس طرح کے واقعات نقل ہوئے ہیں کہ لوگوں کو جہاں کہیں کسی صحابی کی خبر ملتی وہ سیکڑوں میل کی مسافت طے کر کے ملاقات کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کرتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صحابہؓ کو نقل روایت کی اجازت حاصل تھی بلکہ آپؐ لوگوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے کہ وہ احکام و ہدایات کو جو خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں ملیں یاد رکھیں اور انہیں دوسروں تک منتقل کریں۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں:

ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لِیُبَلِّغُ الْغَائِبُ الشَّاهِدَ عَسیٰ اَنْ یُّبَلِّغَ مَنْ هُوَ اَوْعیٰ مِنْهُ۔ (بخاری و مسلم)	"جو حاضر ہے وہ ان لوگوں تک پہنچائے جو حاضر نہیں ہیں، ممکن ہے وہ کسی ایسے شخص کو پہنچا دے جو اس سے زیادہ سمائی والا ہو"

---

[۱] خود حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باری باری حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن وہ حاضری دیتے اور ایک دن میں حاضر رہتا۔ جس دن میں حاضر رہتا اس روز کے حالات و واقعات اور وحی وغیرہ کی تفصیل انہیں سناتا اور جس دن وہ حاضر ہوتے اس دن کی تفصیل وہ مجھے سُناتے۔ (بخاری)

زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود، جبیر بن مطعم اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِیْثًا	"خدا اس شخص کو خوش و خرم رکھے
فَحَفِظَہٗ حَتّٰی یُبَلِّغَہٗ فَرُبَّ حَامِلِ	جو ہم سے کوئی بات سُنے، اسے محفوظ رکھے
فِقْہٍ اِلٰی مَنْ ھُوَ اَفْقَہُ مِنْہُ	یہاں تک کہ وہ دوسروں تک پہنچائے۔
وَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ لَیْسَ	کتنے ہی حاملِ فقہ ایسے شخص تک پہنچاتے
بِفَقِیْہٍ۔	ہیں جو ان سے بڑھ کر فقیہ ہوتا ہے اور
(ابو داؤد، ترمذی، احمد، ابن ماجہ، دارمی)	کتنے ہی حاملِ فقہ فقیہ نہیں ہوا کرتے۔"

بحرین سے بنی عبدالقیس کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ واپسی کے موقع پر وفد کے لوگوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ ہمیں کچھ ایسی ہدایات دیں جو ہم واپس ہو کر اپنی قوم کے لوگوں کو بتائیں اور جنّت کے مستحق ہوں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دین کے چند احکام بتائے اور فرمایا:

اِحْفَظُوْہُ وَاَخْبِرُوْہُ مَنْ	"ان باتوں کو یاد کر لو اور وہاں کے
وَّرَائَکُمْ۔ (بخاری و مسلم)	لوگوں کو بتا دو۔"

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَسْمَعُوْنَ وَیُسْمَعُ مِنْکُمْ	"تم مجھ سے سنتے ہو اور لوگ تم
وَیُسْمَعُ مِمَّنْ یَسْمَعُ مِنْکُمْ	سے سنیں گے پھر جن لوگوں نے تم سے
(ابو داؤد)	سنا ہو گا ان سے دوسرے لوگ سنیں گے۔"

صحابہؓ نے احادیث کی اشاعت کا غیر معمولی اہتمام کیا۔ بخاری میں حضرت ابوذرؓ کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ اگر تم میرے قتل کے لیے میری گردن پر تلوار رکھ دو اور مجھے اس بات کی امید ہو کہ میں مرنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کلمہ بھی جو میں نے سُنا ہے پہنچا سکوں گا تو میں ضرور کہہ دوں گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کم عمر تھے۔ وہ صحابہؓ کے

دروازہ پر محض اس غرض سے صبح سے شام تک بیٹھے رہتے تھے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات بیان کریں تو یہ اسے نوٹ کرلیں۔ (دارمی)

ان روایات سے واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صحابہ کرام کو اس کی اجازت حاصل تھی کہ وہ جو کچھ آپؐ سے سُنیں اُسے دوسروں تک منتقل کردیں۔ صحابہؓ آپ کے مطیع تھے اقوال واعمال تو بڑی چیز ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حرکات وسکنات تک کو محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت اعز مزنی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے شمار کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس میں سو مرتبہ استغفار کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف صحابہ کرامؓ کو احادیث کی نشر واشاعت کی تاکید فرمائی تھی دوسری طرف آپؐ نے احادیث میں آمیزش سے احتراز کی بھی سختی سے تاکید فرمائی تھی چند احادیث اس سلسلے میں ملاحظہ ہوں:

حضرت سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا:

مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ (بخاری)

"جو شخص میری طرف منسوب کرکے وہ بات کہے جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے"

ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حَدِّثُوا عَنِّي وَلَا حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ (مسلم)

"میری باتیں روایت کرو، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ مگر جو شخص میری طرف جان بوجھ کر جھوٹی بات منسوب کرے گا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے گا"

ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور جابرؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِتَّقُوا الْحَدِيثَ

"میری طرف سے کوئی بات بیان

یہ تھی کہ قرآن کے ہر لفظ کو خاص اس ترتیب کے ساتھ محفوظ رکھنا مطلوب تھا جو خدا نے اس کے لیے مقرر فرمائی تھی۔ قرآن اپنے الفاظ و معنیٰ اور ترتیب ہر اعتبار سے وحی تھا۔ اس لیے اس کی ہر چیز کو محفوظ رکھنا ضروری تھا۔ سُنّت میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا قول اور عمل دونوں شامل ہیں۔ عملی سُنّت کو صحابہؓ اپنے الفاظ میں بیان کرتے تھے۔ مثلاً حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اخلاق ایسا تھا اور آپؐ نے یہ عمل کیا۔ آپؐ کے ارشادات اور اقوال کی نقل کرنے کے بارے میں بھی صحابہؓ پر یہ پابندی نہ تھی کہ وہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے الفاظ کو لفظ بلفظ ہی بیان کریں۔ وہ آپ کی باتوں کو سن کر اس کے معنیٰ و مفہوم کو بدلے بغیر اسے اپنے الفاظ میں بیان کر سکتے تھے اور انہوں نے اپنے الفاظ میں بیان بھی کیا ہے۔ حدیث کی کتابت کی وہ اہمیت نہ تھی جو اہمیّت قرآن کی کتابت کی تھی۔

قبیلہ قریش میں صرف گنے چنے آدمیوں کو لکھنا پڑھنا آتا تھا۔ مدینہ کے انصار میں بھی گیارہ سے زیادہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ کاغذ نایاب تھا۔ لکھنے کے لیے جھلّیاں، ہڈیاں اور کھجور کے پتّے کام میں لائے جاتے تھے۔ ایسی حالت میں سب سے ضروری تھا کہ قرآن مجید کی اس طرح حفاظت کی جائے کہ وہ دوسری چیزوں کی آمیزش سے بالکل پاک رہے۔ لکھنے والے صرف چند لوگ تھے جو قرآن لکھ رہے تھے، وہ اگر دوسری چیزیں بھی لکھنے لگتے تو اس بات کا اندیشہ تھا کہ قرآن میں دوسری چیزوں کی آمیزش ہو جاتے۔ انہی وجوہ سے ابتدا میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا۔ لیکن یہ ممانعت کچھ ہی زمانے تک رہی۔ ہجرت کے بعد آپ (صلّی اللہ علیہ وسلم) مدینہ میں رہے وہاں آپؐ نے تعلیم کا اہتمام فرمایا۔ جلد ہی اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ہو گئی جو لکھ پڑھ سکتے تھے۔ پھر آپؐ نے احادیث قلم بند کرنے کی عام اجازت بھی دیدی۔ اس سلسلہ میں روایات بہت ہیں۔ ہم یہاں صرف چند قوی اور مستند ترین روایات نقل کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا: ”میں آپؐ سے بہت سی باتیں سنتا ہوں مگر یاد نہیں رکھ پاتا“۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اِسْتَعِنْ بِیَمِیْنِکَ وَاَوْمَأَ بِیَدِهٖ اِلَی الْخَطِّ“ ”اپنے ہاتھ سے مدد لو“

اور پھر اپنے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ لکھ لیا کرو۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا۔ ابوشاہ نے عرض کیا میرے لئے لکھا دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اکتبوا لابی شاہ" "اسے ابوشاہ کو لکھ کر دیدو" (بخاری، احمد، ترمذی) حضرت ابوہریرہؓ کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر دیا تھا اور اس خطبہ میں آپؐ نے حرم مکہ کے احکام اور قتل کے معاملے کے کچھ قوانین بیان فرماتے تھے اہلِ یمن میں سے ایک شخص نے کہا تھا، یہ احکام مجھ کو لکھوا دیں۔"

عبداللہ بن حُکیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تحریر ہمارے قبیلہ جُہینہ کے پاس پہنچی جس میں مختلف حدیثیں تھیں اور یہ روایت بھی تھی کہ مُردار جانور کی کھال اور پٹھے بغیر پکائے ہوئے کام میں نہ لاؤ۔ (ترمذی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری عہد میں حدیث کی ایک ضخیم کتاب لکھا کر عمرو بن حزمؓ کے ذریعہ اہلِ یمن کے پاس بھیجی تھی۔ اس میں تلاوتِ قرآن، نماز، روزہ، زکوٰۃ، طلاق، عتاق، قصاص، دیت اور دیگر فرائض وسُنن اور کبیرہ گناہوں کی تفصیل تحریر کی گئی تھی۔

(دارقطنی، دارمی، بیہقی، مسند احمد، موطا امام مالک، نسائیؔ)

اس کی جامعیت کو دیکھتے ہوئے اسے حدیث کی پہلی کتاب کہا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

هو كتاب عظيم فيه انواع كثيرة من الفقه في الزكوٰة والديات والاحكام وذكر الكبائر والطلاق والعتاق واحكام الصلوٰة ومس المصحف وغير ذلك قال الامام احمد لا شك ان النبي صلى الله عليه وسلم كتبه (زادالمعاد: ج ۱ ص ۳۰)

"وہ بہت بڑی کتاب ہے جس میں بہت سے فقہی مسائل، زکوٰۃ، دیات، احکام، گناہ کبیرہ، طلاق، عتاق، نماز، قرآن کے چھونے کے آداب اور دیگر مسائل درج

ہیں۔ امام احمدؒ بن حنبل کہتے ہیں کہ بلا شبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ کتاب لکھوائی تھی۔"

حضرت عمرو بن حزمؓ نے اکیس دیگر فرامین نبوی بھی فراہم کیے۔ ابن طولون نے جو کتاب مرتب کی اس میں یہ تمام فرامین موجود ہیں۔ دمشق کی مشہور و معروف اکیڈمی المجمع العربی نے انہیں شائع بھی کر دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمروؓ بن حزم کو جو تحریر لکھوا کر دی تھی اس کے بارے میں محمد بن شہاب زہری کا بیان ہے کہ یہ کتاب چمڑے پر تحریر تھی اور عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے پوتے ابو بکر بن حزم کے پاس موجود تھی۔ وہ اسے میرے پاس لاتے تھے، میں نے اسے پڑھا تھا (نسائی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری زمانے میں اپنے عاملوں کے پاس بھیجنے کے لیے کتاب الصدقہ لکھوائی تھی لیکن ابھی وہ بھیجی نہیں گئی تھی کہ آپ کی رحلت کا حادثہ پیش آیا۔ آپؐ کے بعد حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے تو وہ عاملوں کے پاس بھیجی گئی۔ کتاب الصدقہ میں جانوروں کی زکوٰۃ سے متعلق احکام تھے۔ (ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر فوجداری، دیوانی کے قوانین، میراث اور زکوٰۃ سے متعلق احکام لکھا کر اپنے ان حکام کو دیئے تھے جنہیں آپ نے مختلف علاقوں میں بھیجا تھا جنہیں کتب احادیث اور تاریخ میں ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ آپؐ کے بھیجے ہوئے خطوط معاہدہ نامے اور (جاگیروں کے) وثیقے ہیں جنہیں آپ نے لکھا کر اور مہر ثبت کر کے بادشاہوں اور قبائل کے رئیسوں کو بھیجا تھا یا مختلف لوگوں کے حوالے کیا تھا اس طرح کے خطوط اور وثائق کو ڈاکٹر حمید اللہ نے جمع کیا ہے جو مجموعۃ الوثائق السیاسیہ کے نام سے شائع ہو چکا ہے اس مجموعہ میں وہ خطوط اور وثائق بھی شامل ہیں جو خلفائے راشدین نے لکھے تھے۔ اس مجموعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے جو خطوط و وثائق شامل ہیں ان کی تعداد ۲۸۱ ہے ان خطوط میں وہ خط بھی شامل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس شاہ مصر کے نام بھیجا تھا۔ یہ خط حدیث کی کتابوں میں منقول و مروی ہوا ہے۔ مصر کے آثار قدیمہ کی کھدائی میں یہ خط برآمد ہو گیا ہے اور آج بھی مصر میں موجود ہے۔ برآمد شدہ خط کے الفاظ حدیث کی روایت

کے بالکل مطابق ہیں۔ اس خط کا عکس بھی شائع ہو چکا ہے۔

حدیثوں کی حفاظت کا انتظام ابتدا ہی سے زبانی اور کتابت، دونوں ہی طریقے سے ہوا ہے۔ علمِ حدیث کی تاریخ بالکل محفوظ ہے۔ یہ تاریخ مسلسل اور مستند ہے۔ صحابۂ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپؐ کی سُنّتوں کو محفوظ کرنے اور اپنے بعد والوں تک انہیں منتقل کرنے میں تساہل سے ہرگز کام نہیں لیا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ حاصل کیا تھا اسے چھپا کر نہیں رکھا بلکہ اسے اپنے بعد والوں تک پہنچایا۔

عبداللہؓ بن عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سُنتا تھا، یاد کرنے کے لیے اُسے لکھ لیا کرتا تھا۔ لوگوں نے مجھے منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انسان ہیں، کبھی رضا کی حالت میں باتیں کرتے ہیں۔ کبھی غضب کی حالت میں۔ اس پر میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے اپنی انگلیوں سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

اُكْتُبْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ	"لکھو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں
بِيَدِهٖ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا الْحَقّ	میری جان ہے" اس منہ سے حق کے سوا
(ابوداؤد، مسند احمد، دارمی، حاکم، بیہقی فی المدخل)	کچھ نہیں نکلتا۔"

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ صحابہؓ میں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس حدیثیں نہ تھیں۔ عبداللہؓ بن عمرو بن عاص اس سے مستثنیٰ ہیں اس لیے کہ وہ لکھ لیتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

عبداللہؓ بن عمرو بن عاص نے احادیث کا ایک مجموعہ لکھ رکھا تھا۔ اس کا نام انہوں نے صادقہ رکھا تھا۔ اس مجموعہ میں تقریباً ایک ہزار حدیثیں تھیں۔ (اصابہ، طبقات ابن سعد، ابوداؤد)

حضرت عبداللہؓ بن عمرو کی وفات پر یہ صحیفہ ان کے پوتے شعیب بن محمد بن عبداللہؓ کو ملا۔ شعیب سے ان کے صاحبزادے عمرو روایت کرتے ہیں۔ (ترمذی)

اس سلسلہ سے حدیث کی کتابوں میں جو روایات ملتی ہیں وہ صحیفۂ صادق کی روایات ہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر لوگوں کو ایک تحریر نکال کر دکھائی جس میں زکوٰۃ، تعزیرات کے قوانین، حرمِ مدینہ اور بعض دوسرے معاملات سے متعلق کچھ احکام تھے۔

(بخاری، مسلم، احمد، نسائی)

ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس طائف کے کچھ لوگ ان کی کتابوں کو لے کر حاضر ہوتے اور ان کے سامنے پڑھنے لگے (ترمذی کتاب العلل) اس سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صحابۂ روایات کو ضبطِ تحریر میں لانے کی طرف متوجہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے صاحبزادے عبدالرحمن ایک کتاب لے کر آئے اور قسم کھا کر فرمایا کہ یہ خود عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے (جامع بیان العلم جلد اوّل ص۱۷)

حضرت سمرۃؓ بن جندب کے صاحبزادے سلیمان بن سمرہ نے ان سے حدیث کا ایک بڑا نسخہ روایت کیا ہے (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص۱۹۸) اس کی بیشتر احادیث سنن اربعہ میں منقول ہیں۔ علی بن المدینی اور امام بخاری دونوں نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس نسخہ کی تمام روایات مسموعہ تھیں۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے:

جمع ابی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت خمس مائۃ (الذہبی تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۵ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد)	"میرے والد (حضرت ابو بکرؓ) نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچسو حدیثیں جمع کیں"

سعید بن ہلال کا بیان ہے کہ جب ہم حضرت انسؓ سے زیادہ تفتیش کرتے تو وہ اپنے پاس سے ایک نوشتہ نکالتے اور فرماتے کہ یہ ہیں وہ احادیث جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہیں اور انہیں لکھ کر آپ پر پیش کر چکا ہوں (مستدرک حاکم)

صحیفۂ ابو بکر صدیقؓ، صحیفہ علی کرم اللہ وجہہ، صحیفۂ ابو ہریرہؓ عبداللہؓ بن عمرو بن العاص کے صحیفۂ صادق، صحیفۂ سعد بن عبادہؓ، صحیفۂ جابر بن عبداللہ، رسالۂ سمرۃ بن جندب اور رسالہ انس بن مالکؓ وغیرہ سے متعلق تفصیلی معلومات کتابوں میں ملتی ہیں۔ یہ عہدِ صحابہؓ کی یادگار ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتاب تدوین حدیث)

صحابۂ کرامؓ کی تعداد جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یا سُنا ابو زرع الرازی کے قول کے مطابق ۱۰۰،۰۰۰ ہوتی ہے (الاصابہ فی تمیز الصحابہ۔ ابن حجر عسقلانی) حدیث کا جو ذخیرہ موجود ہے وہ کم و بیش دس ہزار صحابہؓ سے حاصل کیا گیا ہے۔ ابن الجوزی نے

صحابہؓ کی ایک فہرست مع ان کے مرویات کے دی ہے ان کی تعداد ۱۰۶۰ ہے۔[1]

صحابۂ کرامؓ میں سب سے زیادہ روایات جنھوں نے بیان کی ہیں وہ ہیں : حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت انس بن مالکؓ، اور حضرت ابوسعید خدریؓ، یہ وہ صحابہ ہیں جن کی مرویات کی تعداد ہزار سے زیادہ ہے۔ حضرت عبداللہؓ عمرو بن عاص، حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ ان صحابہ میں سے ہیں جن سے پانچ سو اور ہزار کے درمیان روایات منقول ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمان، حضرت اُم سلمہؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت اُبیؓ بن کعب اور حضرت معاذؓ بن جبل وہ صحابہ ہیں جن سے روایتوں کی تعداد سو سے زیادہ اور پانچ سو کم ہے۔

حاکم صاحبِ مستدرک کی تحقیق کے مطابق اعلیٰ درجہ کی صحیح احادیث کی تعداد تقریباً دس ہزار ہے (توجیہ النظر ص۹۳) تمام مرویات جو مسانید و جوامع، سنن و معاجم اور فوائد و رسائل میں موجود ہیں ان کی مجموعی تعداد پچاس ہزار سے بھی کم ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی مرویات، دیگر صحابہؓ کے نوشتوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط و فرامین، معاہدہ ناموں اور وثیقوں وغیرہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ دس ہزار سے زیادہ احادیث دورِ نبوی اور عہد صحابہؓ میں ضبطِ تحریر میں آچکی تھیں۔

صحابہؓ کے بعد تابعین نے حدیث و سُنّت کے اس علم کو جو انھوں نے صحابہؓ سے حاصل کیا تھا، اپنے بعد والوں تک پہنچایا۔ تابعین نے صحابہؓ سے حدیثیں ہی نہیں لیں بلکہ انھوں نے صحابیوں کے حالات بھی بیان کئے اور اس کی وضاحت بھی کی کہ کس صحابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی کتنی صحبت حاصل ہوئی ہے اور اُس نے آپؐ کو کب اور کس جگہ دیکھا ہے اور کن کن موقعوں پر اُس نے آپؐ کی خدمت میں حاضری دی ہے۔ تابعین سے مراد وہ حضرات ہیں جنھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کا تو شرف حاصل نہ ہو سکا لیکن صحابہؓ کی زیارت انہیں نصیب

---

[1] دیکھیے Talqih Fuhum Ahlal -Athar P.P. 184-97

ہوئی۔ عام اس سے کہ وہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں ہوں مگر آپ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی زیارت کا موقع نہ مل سکا۔ یا عہدِ رسالت کے آخری ایام میں پیدا ہوئے اس لیے آپ سے فیضیاب نہ ہوسکے۔ اس طرح یہ بات واضح ہے کہ تابعین کا دور آپؐ کی حیات ہی میں یا کم سے کم ۱۱ھ سے شروع ہوگیا تھا۔ ۱۱ھ میں آپؐ کی وفات ہوئی ہے۔ ۱۱ھ سے ہی تابعین کے کام کا آغاز ہوگیا تھا۔ اکابر تابعین میں چند یہ ہیں :

سعید بن المُسیَّب، حسن بصری، عروہ بن زبیر، سالم بن عبداللہ بن عمرؓ، نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر، ابن شہاب زُہری، ہمام بن مُنبّہ وغیرہ۔ سعید بن المسیب حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کے دوسرے سال مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، زید بن ثابتؓ سے علمِ حدیث حاصل کیا۔

عروہؓ بن زبیر مدینہ کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ وہ حضرت عائشہؓ کے خواہر زادے ہیں۔ انہوں نے اپنی خالہ محترمہ سے بکثرت احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ اور زید بن ثابتؓ سے بھی آپ کو تلمّذ کا شرف حاصل ہے۔ سیرت رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم پر سب سے پہلی کتاب انہوں نے ہی لکھی۔ ۹۴ھ میں رحلت فرمائی۔

نافع مولیٰ عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے خاص شاگرد اور امام مالک کے استاد ہیں۔ محدثین نے اس سند (مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمرؓ) کو سلسلۃ الذہب (طلائی زنجیر) کہا ہے۔ حضرت نافع کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی۔ سالم بن عبداللہ بن عمرؓ مدینہ کے سات فقہاء میں سے ہیں۔ اپنے والد محترم اور دیگر صحابہؓ سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان کی رحلت ۱۰۶ھ میں ہوئی۔ ہمام بن مُنبّہ حضرت ابوہریرہؓ کے شاگردوں میں ہیں۔ انہوں نے احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔ یہ مجموعہ آج بھی موجود ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں پورا مجموعہ شامل کیا ہے۔ یہ مجموعہ درحقیقت حضرت ابوہریرہؓ کی مرویات کا ایک حصّہ ہے۔ اس کی اکثر روایات کو بخاری و مسلم میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کے ایک دوسرے شاگرد بشیر بن نہیک نے ایک نسخہ ان کی مرویات

کا مرتب کر کے انہیں سُنایا تھا۔ اور عرض کیا کہ اھٰذا اما سمعت منک کیا یہ سب وہی حدیثیں ہیں جو میں نے آپ سے سُنی ہیں" انہوں نے فرمایا: نَعم، ہاں یہ وہی ہیں؟ (دارمی)

محمد بن شہاب زہری مشہور تابعین میں سے ہیں۔ انہوں نے حدیث کا ایک بہت بڑا تحریری ذخیرہ چھوڑا۔ انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، سہل بن سعدؓ سے علم حدیث حاصل کیا۔ تابعین میں سعید بن مسیب، محمود بن ربیع وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی۔ ان کے شاگردوں میں امام اوزاعی، امام مالک اور سفیان بن عُیینہ جیسے ائمہ حدیث شامل ہیں۔ محمد بن شہاب زہری کو سنانہ میں عمر بن عبدالعزیز نے احادیث جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔ زہری نے احادیث کے ساتھ آثار صحابہ کو بھی جمع کیا۔ فن تدوین حدیث میں اوّلیت کا سہرا انہیں کے سر ہے۔ (مقدمہ شرح قسطلانی) انہوں نے مدینہ کے گورنر ابوبکر محمد بن عمر بن حزم کو بھی فرمان بھیجا تھا کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد کے پاس جو احادیث ہوں انہیں قلمبند کر لو۔ عمر بن عبدالعزیز نے مملکت اسلامی کے تمام ذمّہ داروں کے پاس فرمان بھیجا تھا کہ وہ حدیث کے ذخیرے کو جمع کریں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ احادیث کے دفتر کے دفتر دارالخلافہ دمشق پہنچ گئے۔ خلیفہ نے ان کی نقلیں مملکت کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیں ۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۶، مختصر جامع العلم ص ۳۸)

سعید بن جبیر جو مشہور تابعی ہیں، فرماتے ہیں کہ میں ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا ہوا صحیفہ میں لکھتا رہتا تھا۔ (سنن دارمی) اسی طرح مسلم بن قیس ابان کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں نے ابان کو دیکھا کہ انسؓ کے پاس لکھ رہے ہیں (دارمی)

تابعین میں بکثرت ایسے لوگ تھے جن کی پرورش صحابہؓ کے گھروں میں ہوئی تھی۔ بعض ایسے تھے جنہوں نے اپنی ساری عمر کسی نہ کسی صحابی کی خدمت میں بسر کی۔ تابعین کے حالات کا مطالعہ کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ ایک ایک شخص نے کس طرح بکثرت صحابہؓ سے ملاقات کر کے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حالات اور آپؐ کے ارشادات اور آپؐ کے فیصلوں کے بارے میں وسیع معلومات فراہم کی ہیں۔

اکابر تابعین کے بعد عام تابعین اور تبع تابعین کو لیجیے جو ہزاروں کی تعداد میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان حضرات نے دُور دُور تک سفر کر کے ایک ایک علاقہ کے صحابہؓ اور ان کے

شاگردوں کے پاس جو علم تھا اُسے جمع کیا۔ یہ دوسری صدی کا دور تھا۔ اس دور میں حدیث کے مجموعے مرتب کرنے کا کام باقاعدگی کے ساتھ شروع ہوا۔ اس زمانے میں بہت سے اشخاص نے حدیث کے مجموعے مرتب کئے۔ مثلاً ابن جریج مکی المتوفی ۱۵۰ھ، ابن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ، سعید بن عروبہ المتوفی ۱۵۶ھ، معمر یمنی المتوفی ۱۵۳ھ، ربیع بن صبیح المتوفی ۱۶۰ھ اور ائمۂ اربعہ کے تیار کردہ مجموعے خاص طور سے مشہور رہیں۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے فقہی عنوانات کے تحت احادیث و آثار کو جمع کیا۔ کچھ لوگوں نے ایک ایک صحابی کی روایات الگ الگ جمع کیں۔ کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تاریخ مرتب کی۔ کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعین کے حالات جمع کئے۔ ان بزرگوں میں سے جن کی کتابیں آج تک موجود ہیں، یہ ہیں: امام مالکؒ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، محمد بن اسحاقؒ، ابن سعدؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور ابو بکر ابن ابی شیبہؒ۔ موسیٰ بن عُقبہ کی کتاب المغازی کا بھی ایک حصّہ چھپ چکا ہے۔ آج ہم جن بزرگوں کی کتابوں کو نہیں دیکھتے وہ بھی حقیقت میں ضائع نہیں ہوتیں بلکہ بخاری، مسلم وغیرہ، اور ان کے بعد کے لوگوں نے ان کو اپنی کتابوں میں شامل کر لیا ہے۔ علمائے حدیث نے احادیث کے جمع کرنے میں غیر معمولی ایثار و قربانی سے کام لیا ہے۔ وقت کی قربانی کے ساتھ ہی انہوں نے اس کے لیے سرمایہ خرچ کرنے میں دریغ سے کام نہیں لیا۔ زہری (متوفی ۱۲۴ھ۔ ۷۴۱ء) نے حدیث کے لیے پانی کی طرح دولت خرچ کی۔ ربیعہ (متوفی ۱۳۶ھ۔ ۷۵۳ء) نے حدیث کی تلاش میں وہ سب کچھ خرچ کر ڈالا جو ان کے پاس تھا۔ آخر میں انہوں نے اپنے گھر کی کڑیاں تک فروخت کر ڈالیں[۱]۔ ابن مُبارک نے حدیث کی تلاش میں ... ۴۰ ہم کی نقدی خرچ کی[۲]۔ یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ۔ ۸۴۷ء) نے اس سلسلے میں چاندی کے ۱۵۰۰۰۰۰ سکّے صرف کر ڈالے جو انہیں اپنے باپ سے وراثت میں حاصل ہوئے تھے۔ آخر میں ان کی حالت اس حد تک پہنچ گئی کہ ان کے پاس ایک جوڑے جوتے کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہا[۳]۔ علی بن

---

[۱] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۹۷   [۲] معجم ادبا ج ۱ ص ۱۵

[۳] تہذیب الاسماء ابو زکریا یحییٰ النووی ص ۶۲۹-۳۰

عاصم نے چاندی کے ۱۰۰۰۰۰ سکے خرچ کئے[1] ذہبی نے اس سلسلہ میں ۱۵۰۰۰۰ صرف کئے[2] ابن رستم نے ۳۰۰۰۰۰[3] اور ہشام بن عبید (متوفی ۲۲۱ھ ۸۳۵ء) نے ۷۰۰۰۰۰[4] چاندی کے سکے تلاشِ حدیث میں لگادیئے۔ خطیب بغدادی نے ان لوگوں کو ۲۰۰ اشرفیاں دیں جنہوں نے اپنی زندگی حدیث کی خدمت میں وقف کر رکھی تھی[5] اسماء الرجال سے ایسے کتنے ہی اشخاص کے نام دیئے جا سکتے ہیں جنہوں نے علم حدیث کی خدمت میں مال کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ شروع سے لے کر امام بخاری تک علم حدیث کی ایسی مسلسل تاریخ پائی جاتی ہے جو کہیں منقطع نہیں ہوتی۔ اور تاریخ حدیث کا یہ تسلسل آج تک منقطع نہیں ہوا۔ امام بخاری سے جن لوگوں نے براہِ راست بخاری شریف پڑھی ہے ان کی تعداد ۹۰ ہزار تک پہنچتی ہے۔

بخاری شریف کے علاوہ اس دَور کی دوسری کتاب صحیح مسلم ہے جسُن ترتیب کے لحاظ سے اسے ایک ممتاز حیثیت حاصل۔ س زمانے کی تیسری اہم تالیف سنن ابوداؤد ہے۔ اس زمانے میں زیادہ تر احکام وقوانین سے متعلق روایات جمع کی گئی ہیں۔ احکام وقوانین کے لیے سنن ابوداؤد ایک بہترین ماخذ ہے۔ اس دور کی چوتھی تالیف جامع ترمذی ہے۔ اس تالیف میں فقہی مسلکوں کی تفصیل سے وضاحت کی گئی ہے۔ پانچویں تالیف نسائی کی ہے جو السنن المجتبیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ چھٹی تالیف سنن ابن ماجہ ہے۔ ان چھ کتابوں کو محدثین صحاحِ ستہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بعض اہل علم ابن ماجہ کے بجائے موطا امام مالک کو صحاحِ ستہ میں شمار کرتے ہیں۔ بخاری، مسلم اور ترمذی کو جامع کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ان میں عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات وغیرہ تمام ہی عنوانات کی حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کو سنن کہتے ہیں کیونکہ ان میں زیادہ تر عملی زندگی ہی سے متعلق روایات جمع کی گئی ہیں۔

ہمارے اپنے دور میں ایسے لوگ لاکھوں کی تعداد میں ہیں جن تک کتبِ احادیث

---

[1] تذکرۃ الحفاظ (شمس الدین ابوعبداللہ بن احمد الذہبی) ج ۱ ص ۹۰، [2] تہذیب الاسماء ص ۱۷۔
[3] تذکرۃ الحفاظ ج ص ۱۷ [4] معجم الادبا ج ۱ ص ۱۷ [5] ایضاً۔

ائمہ حدیث سے سلسلہ بہ سلسلہ پہنچی ہیں۔ وہ معلومات جن کے ذریعہ محدثین نے حدیث کے راویوں کے حالات کی جانچ پڑتال کی تھی وہ بھی معتبر کتابوں کے ذریعہ ہم تک منتقل ہوئی ہیں احادیث کی تحقیق کے سلسلہ میں محدثین کے درمیان جو اختلافِ آرا ہوئے ہیں وہ بھی اپنے تمام دلائل کے ساتھ محفوظ شکل میں ہم تک پہنچے ہیں۔

احادیث وروایات کی شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپؐ کے عہد کے ماحول اور سوسائٹی کا مفصل نقشہ جزئی تفصیلات کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔ ایک ایک واقعہ اور آپؐ کے ایک ایک قول وفعل کی سند موجود ہے جسے جانچ کر کوئی بھی شخص کسی بھی وقت یہ معلوم کر سکتا ہے کہ کوئی روایت کس حد تک قابل اعتماد ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح حالات معلوم کرنے کے لیے اُس دَور کے کم و بیش چھ لاکھ انسانوں کے حالات مرتب کیے گئے ہیں۔ یہ اس لیے کہ جس شخص نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کوئی روایت بیان کی ہے اس کی شخصیت کو جانچ پرکھ کر یہ رائے قائم کی جاسکے کہ اس کے بیان پر کس حد تک اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ تاریخ تنقید کا یہ ایک ایسا علم ہے جس کی تدوین انتہائی باریک بینی کے ساتھ ہوتی ہے۔ جس کی کوئی دوسری مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو بات بھی منسوب ہوتی ہے اسے ہر پہلو سے جانچ پرکھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ اس کا انتساب آپ کی طرف صحیح ہے یا نہیں۔ محدثین نے صحت وسقم کے جانچنے کے لیے سخت سے سخت اصول قائم کیے جن سے صحیح اور جعلی قسم کی حدیثوں میں بآسانی امتیاز کیا جاسکتا ہے۔ محدثین نے ہر حدیث کے بارے میں اپنی ذاتی رائے بھی ظاہر کر دی اور یہ بتا دیا کہ وہ کسی حدیث یا روایت کو صحت یا عدم صحت کا کیا درجہ دیتے ہیں اور اس کے لیے ان کے پاس کیا دلائل ہیں۔ محدثین نے تنقید کے اصول کو اتنی ترقی دی کہ اسناد، جرح، تعدیل احوال وغیرہ مستقل فن مرتب ہو گئے۔ علامہ جزائری نے توجیہ النظر میں حدیث سے متعلق ۵۲ قسم کے علوم کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔

کسی بھی روایت کی تحقیق کے سلسلہ میں سخت سے سخت معیار یہی ہو سکتا ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ روایت ہم تک کس طریقے سے پہنچی ہے۔ درمیانی واسطوں کا سلسلہ آخر تک قائم ہے یا

نہیں۔ درمیان کے راویوں نے جس جس کے واسطے سے روایت بیان کی ہے اس سے اس کی ملاقات ہے یا نہیں۔ راوی نے روایت کس عمر اور کس حالت میں بیان کی ہے۔

جن لوگوں کے ذریعے اور واسطے سے روایت منقول ہوئی ہے وہ اپنی سیرت و کردار وغیرہ کے لحاظ سے کیسے تھے؟ وہ جھوٹے بد دیانت تو نہیں تھے۔ ان کا حافظہ کیسا تھا؟ روایت کو صحیح طور پر یاد رکھنے اور اسے صحیح شکل میں نقل کرنے کی صلاحیت ان کے اندر تھی یا نہیں؟ جو روایت انھوں نے کی ہے اس میں ان کی کسی قسم کی ذاتی یا جماعتی غرض تو پوشیدہ نہیں ہے؟

روایت کو راوی نے لفظ بلفظ نقل کیا ہے یا محض اس کے مفہوم و معنیٰ کو اپنے لفاظ میں بیان کیا ہے؟ راوی کی بیان کی ہوئی روایت دوسرے طریقوں سے بھی منقول ہوئی ہے یا نہیں؟ اگر دوسرے طریقوں سے یہ روایت نقل ہوئی ہے تو بیانات میں اتفاق ہے یا ان میں اختلاف پایا جاتا ہے؟ ان کے بیانات میں اگر اختلاف ہے تو وہ کس حد تک ہے؟ کھلا ہوا اختلاف تو ان کے درمیان نہیں پایا جاتا ہے؟ اگر پایا جاتا ہے تو مختلف طریقوں میں سے جن کے ذریعہ یہ روایت پہنچی ہے کون سا طریقہ زیادہ قابل اعتماد ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج اور آپؐ کے اخلاق و سیرت اور آپؐ کے ماحول اور سوسائٹی کے بارے میں جو روایتیں مشہور و متواتر اور ثابت شدہ ہیں، یہ روایت ان کے خلاف تو نہیں ہے؟ اگر روایت کسی غیر معمولی امر کے بارے میں ہے تو کیا طرق روایت اتنے کثیر اور معتبر ہیں کہ اس امر کو تسلیم کیا جا سکے؟ روایات کی تحقیق میں محدثین نے ان سارے ہی پہلوؤں کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے کسی روایت کے بارے میں کوئی رائے قائم کی ہے اور اس کے بارے میں صحت یا عدمِ صحت کا فیصلہ کیا ہے۔

درایت کا استعمال

احادیث کی جانچ پرکھ میں روایت کے ساتھ درایت کا استعمال بھی ضروری ہے۔ اسلام کی روح سے پورے طور پر آشنا ہونے کے بعد جب کوئی احادیث کا کثرت سے

مطالعہ کرتا ہے تو کثرتِ مطالعہ اور ممارست سے اس کے اندر یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ کسی حدیث کو دیکھتے ہی سمجھ سکے کہ وہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کا قول و عمل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

ملّا علی قاری نے موضوعات کبیر میں لکھا ہے :

وقد سئل ابن قیم الجوزیہ ھل یمکن معرفۃ الحدیث الموضوع بضابط من غیران ینظر فی سندہ فقال: ھٰذا سوال عظیم القدر وانما یعرف ذٰلک من تطلع فی معرفۃ السنن الصحیحۃ وخلطت بلحمہ ودمہ وصار لہ فیھا ملکۃ واختصاص شدید بمعرفۃ السنن والاٰثار ومعرفۃ سیرۃ الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام وھدیہ فیما یامر بہ او ینھی عنہ و یخبر عنہ ویدعوا الیہ و یحبہ ویکرھہ ولیشرعہ الامۃ بحیث کانہ مخالطہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بین اصحابہ الکرام فمثل ھٰذا یعرف من احوالہ وھدیہ وکلامہ واقوالہ وافعالہ:

"ابن قیم جوزی سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ موضوع حدیث کو اس کی سند پر نظر کئے بغیر ہی پہچان لیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ یہ سوال بڑی ہی اہمیّت کا حامل ہے۔ یہ پہچان اس شخص کو ہو سکتی ہے جسے سنن اور صحیح احادیث کی پوری خبر ہو۔ اور علمِ حدیث اس کے گوشت اور خون میں شامل ہو گیا ہو اور اس علم میں اسے خاص ملکہ حاصل ہو گیا ہو اور اس نے سنن و آثار سے گہری واقفیت اور سیرتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی معرفت بہم پہنچائی ہو۔ اور وہ بخوبی آپؐ کی ہدایت کو پہچان گیا ہو اور اس بات کو کہ آپؐ کس چیز کا حکم دیتے ہیں، کس چیز سے روکتے ہیں۔ کس بات کی خبر دیتے ہیں، کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں، کیا چیز آپ پسند فرماتے تھے ؟ کس چیز کو ناپسند کرتے اور کن طریقوں کو اُمّت کے لیے مقرر فرماتے تھے۔ جب کوئی

شخص ان امور کے جاننے میں اس درجہ تک پہنچ جائے کہ گویا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؐ کے صحابہ کرامؓ میں شامل ہے، تو وہ شخص پہچان جائے گا کہ کیا چیز آپؐ کے احوال اور آپؐ کی ہدایت سے تعلق رکھتی ہے اور کون سا کلام آپؐ کا ہے اور کن اقوال و اعمال کو آپؐ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔"

امام ربیع بن خثیم نے درایت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

ان للحدیث ضوءاً کضوء النہار تعرفہ وظلمۃ اللیل تنکرہ (تدریب الراوی)

"حدیث میں ایک روشنی ہوتی ہے دن کی روشنی جیسی، اور ایک تاریکی ہوتی ہے رات کی تاریکی جیسی۔ اس روشنی اور تاریکی میں تمیز کرنا درایت ہے۔"

عبدالحق محدث دہلویؒ نے شرح سفر السعادت میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے علم حدیث کے ماہر کے سامنے ایک حدیث پیش کی۔ اس نے کہا معلول ہے۔ دریافت کیا کہ کس علت کی بنا پر اسے معلول قرار دیتے ہیں۔ کہا: نہیں بیان کر سکتا۔ البتہ اس کے سننے سے طبیعت بے مزہ ہو گئی۔ وہ شخص کئی محدثوں کے پاس گیا سب کا جواب ایک ہی تھا جس طرح سکے کو صراف ہاتھ میں لیتے ہی بتا دیتا ہے کہ یہ کھوٹا ہے یا کھرا ہے۔ ٹھیک اسی طرح فہم حدیث میں جن کو بصیرت اور کمال ہوتا ہے وہ پہلی ہی نظر میں سمجھ جاتے ہیں کہ کوئی روایت کس درجہ کی ہو سکتی ہے — حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ محدث کی مثال صراف اور جوہری کی ہے۔ بسا اوقات روپیہ کے رنگ و روپ اور آواز تک میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا لیکن صراف چھوتے ہی اس کے کھوٹ کو جان لیتا ہے۔

احادیث کا مطالعہ کرنے والے اس حقیقت سے بخوبی واقف ہوتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اور آپؐ کے بیان میں ایک انفرادیت پائی جاتی ہے۔ آپؐ کی اپنی ایک زبان اور آپؐ کا اپنا ایک مخصوص اندازِ بیان (Style) ہے۔ احادیثِ صحیحہ میں آپؐ کی شخصیت بول رہی ہوتی ہے۔ ان میں آپؐ کے مقام اور منصبِ عالی کی جھلک نمایاں ہو رہی ہوتی ہے آپؐ کے ارشادات میں اس درجہ انفرادیت پائی جاتی ہے جس کی کوئی نقل نہیں کر سکتا۔ وہ

خصوصیات کوئی کہاں سے لاسکتا ہے جو آپؐ کو خدا نے عطا فرمائی تھیں۔ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبان سے واقف ہیں وہ کسی حدیث کو دیکھتے ہی بتا سکتے ہیں کہ وہ صحیح حدیث ہے یا موضوع ہے بلکہ روایت باللفظ اور بالمعنیٰ کا فرق تک وہ بآسانی کر لیتے ہیں۔ راوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات کو جہاں اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے وہ فوراً محسوس کر لیتے ہیں کہ بات تو آپؐ ہی کی ہے مگر زبان و الفاظ آپ کے نہیں بلکہ راوی کے اپنے ہیں۔

جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی شخصیت تمام شخصیتوں سے بڑھ کر محبوب اور باعظمت ہے اسی طرح آپؐ کا کلام بھی سارے کلام پر فائق و برتر ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے:

اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ "مجھے جامع اور مختصر بات کہنے کی صلاحیت عطا کی گئی ہے"۔

قرآن مجید کے بعد یہ حدیث ہی کا اعجاز ہے کہ صاف و واضح اور مختصر ہونے کے باوجود اس میں انتہا درجہ کی وسعت اور جامعیت پائی جاتی ہے۔ آپؐ کے کلام میں الفاظ کم اور معانی و مطالب زیادہ ہوتے ہیں۔ قلت الفاظ کے باوجود آپؐ کا بیان کہیں منتشر اور غیر واضح نہیں ہوتا۔ اظہار مدعا میں کہیں کسی قسم کا نقص اور تشنگی نہیں پائی جاتی۔ آپؐ کا کلام تصنّع و تکلف سے پاک ہوتا ہے۔ کلام میں عظیم شخصیت بولتی نظر آتی ہے۔ کمتر شخصیت کے اشخاص کی زبان سے ایسے عظیم و پاکیزہ کلام کا صدور ممکن ہی نہیں ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) نہ تو گری ہوئی سوقیانہ زبان استعمال کرتے ہیں اور نہ غریب اور غیر معروف قسم کے الفاظ آپؐ کے یہاں پائے جاتے ہیں۔ جہاں بسط کی ضرورت ہوتی ہے آپؐ بسط سے کام لیتے ہیں اور جہاں تقاضا اختصار کا ہوتا ہے وہاں آپؐ اختصار سے کام لیتے ہیں۔ آپؐ کی قادر الکلامی مسلّم ہے۔ کلام میں جہاں رُعب و ہیبت ہے وہیں عجب چاشنی، حلاوت اور دل کشی بھی پائی جاتی ہے۔ دونوں میں حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ آپؐ کا کلام آپؐ کی قلبی کیفیات اور انوار کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ آپؐ کی ہر گفتگو علم و حکمت سے مزین ہوتی ہے۔ کلام میں کہیں بے جا تکرار و اعادہ نہیں پایا جاتا۔ اور دلیل و حجّت میں کسی ضعف کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔

آپؐ مخالف پر طنز و تعریض کرتے نظر نہیں آتے اور نہ سامعین کو مرعوب کرنے کے لیے

تقریر میں بے جا جوش و خروش دکھاتے اور مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ آپؐ کا جامع اور مختصر کلام بڑے بڑے مبسوط خطبوں پر بھاری ہوتا ہے۔ استدلال میں ہمیشہ آپ سچائی کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ آپؐ اتنی ہی بات کرتے ہیں جتنی حق اور درست ہوتی ہے۔ گفتگو میں نہ زیادہ ٹھہرتے ہیں اور نہ عجلت سے کام لیتے ہیں۔ کلام نہ اتنا طویل ہوتا ہے کہ لوگوں کو اُکتا دے اور نہ اس قدر مختصر ہوتا ہے کہ بات ہی سمجھ میں نہ آسکے۔ الفاظ جچے تلے ہوتے ہیں۔ اسلوب و اندازِ بیان حسن و دل کشی لیے ہوئے ہوتا ہے۔ آپؐ کی زبان میں فطری سلاست و روانی پائی جاتی ہے۔ جوش و اضطراب کا اظہار آپؐ کے یہاں ہوتا بھی ہے تو بہ شکلِ سکون ہوتا ہے۔ کلام میں کسی طرح کی شدت اور بے اعتدالی نظر نہیں آتی۔ آپؐ کے ارشادات کو جتنا زیادہ پڑھئے، ان کی اثر انگیزی بڑھتی جاتی ہے اور کلام کی ادبی و معنوی خصوصیات نمایاں ہوتی چلی جاتی ہیں[1]۔

گفتگو میں آپؐ مخاطب کی ذہنی سطح اور اس کے علم و فہم کی وسعت کا پُورا لحاظ فرماتے نظر آتے ہیں۔ حریف کو اس کی معلومات کے ذریعہ ساکت و خاموش کرتے ہیں۔ آپؐ کے کلام میں بے یقینی کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ مصری عالم سید محمود شاکر نے لکھا ہے کہ حدیثِ رسول کو بلاغت کا انتہائی بلند درجہ حاصل ہے جس تک پہنچنے کی کوشش لوگوں کی گردنیں توڑ دیتی ہے[2]۔ محمود شاکر کے اس تأثر میں کوئی مبالغہ نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی بلاغت و فصاحت تک رسائی ممکن نہیں۔

ایک اور پہلو سے دیکھئے۔ صحیح احادیث میں ہمیں فکر و عمل کا ایک مکمل نظام ملتا ہے۔ اس نظام کا تعلق انسانی زندگی کے کسی خاص شعبے سے نہیں بلکہ ہر شعبے سے ہے۔ افکار و نظریات کے مسائل ہوں یا عملی زندگی کے مسائل، خواہ ان کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو یا اجتماعی اور بین الاقوامی زندگی سے تمام ہی مسائل اور انسانی زندگی کے تمام ہی شعبے اس سے متعلق ہیں۔ اس نظام زندگی کے تمام اجزاء میں باہم منطقی ربط پایا جاتا ہے اور

---

[1] دیکھئے البیان والتبیین [2] مفتاح کنوز السنۃ۔

فکر و عمل کے اس نظام کا اول سے آخر تک اپنا ایک مخصوص مزاج ہے۔ ظاہر ہے ایسا مکمل، مربوط اور متوازن نظام مختلف ذہنوں کے ذریعہ وجود میں نہیں آسکتا۔ فکر و عمل کا یہ نظام ایک ایسا اہم ذریعہ ہے جس کی مدد سے موضوع اور کمزور روایتوں کو بآسانی الگ کیا جا سکتا ہے۔ اس نظام فکر و عمل سے موضوع روایتوں کی عدم مطابقت خود بتادے گی کہ وہ موضوع اور غیر معتبر ہیں۔

خبرِ واحد بھی دین میں حجّت ہے

ایسی روایت جس کے راوی ہر دور میں اتنے زیادہ رہے ہوں کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا عادتاً ممکن نہ ہو، خبرِ متواتر کہلاتی ہے جس روایت کے راوی تعداد میں تواتر کے درجے کو نہ پہنچے ہوں اسے اصطلاحاً خبرِ واحد کہتے ہیں۔ خبرِ واحد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کا روایت کرنے والا ہر دور میں صرف ایک ہے۔ کسی حدیث کے راوی صحابہ و تابعین کے دور میں بکثرت موجود ہوں، لیکن کسی ایک دور میں کسی وجہ سے اس کے راویوں کی تعداد کم ہو جائے تو اسے خبرِ متواتر کے بجائے خبرِ واحد ہی کہیں گے۔ روایات اکثر و بیشتر خبرِ واحد ہی کا درجہ رکھتی ہیں، متواتر روایات کم ہیں۔ بعض لوگ اس طرح کا خیال ظاہر کرتے ہیں کہ خبرِ واحد سے صرف ظنّ غالب ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس سے یقین حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے خبرِ واحد کو دین و مذہب کی بنیاد بنانا صحیح نہیں ہے۔ لیکن یہ ان کی صریح زیادتی ہے۔ خود ہماری زندگی کے اکثر و بیشتر فیصلوں کا انحصار ظنِ غالب پر ہی ہوتا ہے۔ قرآن نے بھی ظنّی شہادتوں کو غیر معتبر نہیں قرار دیا۔ بلکہ ان کا اعتبار کیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی بنیاد پر ایک مسلمان کا خون تک مباح ہو سکتا ہے، زنا، قذف اور سرقہ کے سلسلہ میں فیصلوں کی بنیاد دو چار شہادتوں پر ہی رکھی گئی ہے جن سے ایک مسلمان کو کوڑوں کی سزا بھی دی جا سکتی ہے اور اس کا ہاتھ بھی کاٹا جا سکتا ہے۔ جب قرآن غیر متواتر شہادتوں پر نظام عدل کی بنیاد رکھتا ہے۔ پھر کسی مسلمان شخص کے لیے یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہر دور میں دو چار راویوں کا ہونا کافی نہیں ہے۔ البتہ راویوں کے لیے عادل اور قابل اعتماد ہونا ضروری ہے، اس کی تحقیق ہی کے لیے اسماء الرجال جیسا

عظیم الشان فن ایجاد ہوا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ م بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا م بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَافَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ

(الحجرات)

"اے ایمان لانے والو! جب کوئی فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بے تحقیق کسی قوم پر جا پڑو اور بعد میں تمہیں اپنے کئے پر نادم اور شرمندہ ہونا پڑے"

اس آیت میں قرآن خبرِ واحد کو رد کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ خبر اگر فاسق کی دی ہوئی ہے تو اس کی تحقیق کی ہدایت کرتا ہے اس آیت سے یہ بات اپنے آپ نکلتی ہے کہ اگر خبر کسی ایسے شخص کی دی ہوئی ہے جو فاسق نہیں بلکہ اس کی عدالت اور اس کی سچائی پر اعتماد ہے تو مزید تحقیق کے بغیر بھی دی ہوئی خبر کی بنیاد پر کارروائی کی جا سکتی ہے۔

خود قرآن کریم کے کتاب الٰہی ہونے کا یقین بھی ہمیں ایک معتبر اور قابل اعتماد ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت سے حاصل ہوا ہے۔ خدا کی جانب سے کثیر اشخاص اور ملائکہ نے آکر ہمیں اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی خبر نہیں دی ہے۔

قرآن کے علاوہ حدیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ خبرِ واحد ہمارے لیے حجت ہے اس سلسلہ میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

یزید بن شیبان کا بیان ہے کہ ہم عرفات میں تھے۔ اتفاق سے ہماری جائے قیام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ سے دُور تھی۔ ہمارے پاس آپؐ کا قاصد یہ پیام لے کر آیا کہ ہم جہاں ٹھہرے ہوئے ہیں اسی جگہ رہیں، وہاں سے منتقل ہونے کی ضرورت نہیں، عرفات میں جہاں بھی قیام ہو جائے فریضۂ وقوف ادا ہو جاتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک ثقہ آدمی کی دی ہوئی خبر دین میں حجت کا درجہ رکھتی ہے ورنہ آپ اپنی طرف سے ایک ہی شخص کو نہ بھیجتے۔

۹ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجتے ہیں۔ اس کے بعد سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو روانہ کیا تاکہ وہ حج کے موقع پر وہ آیات لوگوں کو سُنا دیں۔

آپؐ نے جہاں بھی قاصد یا عامل روانہ فرمایا ہے، اس میں عدد کا کوئی لحاظ نہیں فرمایا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بحرین کے وفد کے ساتھ ابن سعد بن العاص کو روانہ کرتے ہیں۔ معاذ بن جبل کو یمن بھیجتے ہیں، قیس بن عاصم، زبرقان بن بدر اور ابن نزیرو غیرہ کو ان کے اپنے اپنے قبیلوں کے پاس روانہ کرتے ہیں اس طرح اسلام کی دعوت کے سلسلے میں آپؐ نے مختلف بلاد میں اپنے بارہ قاصد روانہ فرماتے۔ آپؐ نے صرف اس بات کا لحاظ فرمایا کہ ہر سمت ایسا شخص بھیجا جائے جو اس نواح میں متعارف ہو تاکہ لوگوں کو اس کے بارے میں کسی طرح کا شبہ نہ ہو اور انہیں یقین ہو جائے کہ وہ واقعی خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہے۔

ان مثالوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کسی بات کے یقین کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی شہادت ایک جم غفیر ہی دے۔ صحابہ کرامؓ کسی خبر کے تسلیم کرنے کے لیے خبر متواتر کے پابند نہ تھے۔ اس کی کتنی ہی مثالیں کتب احادیث سے پیش کی جا سکتی ہیں۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ابو عبیدہؓ، ابو طلحہؓ، اُبَی بن کعب کو شراب پلا رہے تھے کہ اچانک ایک شخص نے آکر خبر دی کہ شراب حرام ہو گئی، یہ سُننا تھا کہ ابو طلحہؓ نے کہا کہ انس اُٹھو اور شراب کے مٹکے توڑ ڈالو میں نے اُٹھ کر شراب کے برتن توڑ دیئے۔

دیکھئے صرف ایک شخص کے بیان پر شراب کی حرمت کا یقین کر لیا گیا۔ نہ انہوں نے خبرِ متواتر کا انتظار کیا اور نہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ اس کی تصدیق کی ضرورت محسوس ہوئی۔

اہلِ قبا صبح کی نماز میں تھے کہ ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد تحویلِ قبلہ کی خبر لے کر پہنچا تو ہر ایک نے نماز کے اندر ہی اپنا رُخ بیت المقدس کی طرف سے مسجدِ حرام کی طرف کر لیا۔ انہیں ایک شخص کے بیان پر یقین کرنے میں کوئی تامل نہ ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ یقین کے حصول کا انحصار صرف تواتر ہی پر نہیں ہے متفرق دلائل

اور قرائن جمع ہو کر جب کسی امر کی شہادت دیتے ہیں تو لفظی تواتر نہ سہی ایک طرح کا معنوی تواتر لازماً پیدا ہو جاتا ہے جو حصولِ یقین، کے لیے کافی ہوتا ہے۔ امام شاطبیؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

وانما الادلة معتبرة ھھنا المستقرأة من جملة ادلة ظنية تضافرت علیٰ معنی واحد حتی افادت فيه القطع فان للاجتماع من القوة ماليس للافتراق ولاجله افاد التواتر القطع وھٰذا نوع منه۔ فاذا حصل من استقراء ادلة المسألة مجموع يفيد العلم فھو الدليل المطلوب وھو شبيه بالمتواتر المعنوی۔ (الموافقات ج ۱ ص ۳۶)

"عام طور پر جو دلائل معتبر ہیں وہ اس طرح کے ہیں جو اگرچہ الگ الگ ظنی ہیں، مگر کسی ایک مسئلہ میں سب کے متفق ہونے کے سبب اس مسئلہ میں ان سے یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ سب دلائل کے ملنے سے جو قوت پیدا ہو سکتی ہے وہ ان کی انفرادی حیثیت میں نہیں پیدا ہو سکتی۔ خبر متواتر سے بھی اجتماعی قوت ہی کے سبب یقین حاصل ہوتا ہے۔ پس جب کسی مسئلہ کے لیے متفرق دلائل جمع ہو جائیں تو ان کے مجموعہ سے ایک یقین حاصل ہو جاتا ہے اور یہ ایک طرح سے معنوی تواتر کے مثل ہو جاتا ہے۔"

ابن تیمیہؒ کا بیان ہے کہ جب کوئی واقعہ کسی شخص کی زبانی ہم سنتے ہیں پھر مختلف مقامات سے مختلف انداز میں اس کی مختلف شہادتیں مل جاتی ہیں تو اگرچہ ان میں سے ہر ایک شہادت کی حیثیت اپنی جگہ خبرِ واحد کی ہوتی ہے لیکن ان خبروں کے ملنے سے ہمیں پورا یقین ہو جاتا ہے کہ یہ واقعہ صحیح ہے۔ عقل یہ کبھی باور نہیں کر سکتی کہ مختلف اشخاص ایک دوسرے کی لاعلمی میں کوئی واقعہ گھڑ کر بیان کریں اور ان کے بیان میں اتفاق پایا جائے۔ مثال کے طور پر بخاری اور مسلم میں یہ واقعہ نقل ہوا ہے کہ ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ سے اونٹ خریدا۔ اگرچہ اونٹ کی قیمت بیان کرنے میں راویوں میں اختلاف ہے لیکن متعدد طریق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے جابرؓ سے اونٹ خریدا تھا۔ مختلف اشخاص

جب ایک واقعہ بیان کرتے ہیں اور اس کا کوئی ثبوت و قرینہ نہیں پایا جاتا کہ ان اشخاص نے اس سے پہلے باہم مل کر اصل خبر کو گھڑا ہو، اور نہ اس خبر سے اُن کی کوئی ذاتی غرض وابستہ ہے تو پھر اس واقعہ کو یقین کرنے میں ہمیں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ (توجیہ النظر ص ۱۳۴)

علامہ جزائری نے اس سلسلہ میں ایک اور کام کی بات لکھی ہے وہ اس اعتراض کا کہ محدّثین نے حدیث کی کتابوں میں ضعیف اور کمزور حدیثیں کیوں جمع کی ہیں، جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجہول اور کمزور حافظہ کے اشخاص کی احادیث محدثین اس لیے جمع کرتے تھے کہ یہ حدیثیں کم سے کم کسی مضمون کی تقویت اور تائید میں کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔ (توجیہ النظر ص ۱۳۴)

امام احمدؒ کا ارشاد ہے :

قد اكتب حديث الرجل لاعتبره

"میں کبھی ایک شخص کی حدیث اس لیے لکھتا ہوں کہ اس کو متابعت اور شواہد کے طور پر کام میں لا سکوں" [1]

چند شبہات اور اُن کا ازالہ

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا وہ یہ اندازہ کرنے کے لیے کافی ہے کہ جس طرح اللہ نے کتابِ الٰہی کی حفاظت کی ہے اور وہ ہم تک بالکل محفوظ شکل میں پہنچی ہے۔ اسی طرح اس نے اپنے رسول کی سُنّت کی حفاظت کا بھی انتظام فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات اور آپؐ کی سیرت اس طرح ہم تک پہنچی ہے کہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ گویا آج بھی آپؐ ہمارے درمیان موجود ہیں۔ اُس میں شبہ نہیں کہ صدرِ اول کے بعد بعض غلط کار اور خدا ناترس لوگوں نے آپؐ کی جانب ایسی باتیں بھی منسوب کیں جو درحقیقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نہ تھیں۔ لیکن ایسی تمام موضوع اور غلط روایات کو محدثین نے تنقید کی کسوٹی پر پرکھ کر الگ کر دیا۔

---

[1] توجیہ النظر۔

احادیث کے سلسلہ میں عام طور سے لوگوں کو چند اُلجھنیں پیش آتی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کی وہ اُلجھنیں بھی رفع کر دی جائیں۔ احادیث کے سلسلہ میں ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے، اگر احادیث کا ذخیرہ مستند ہے اور اسے دین میں حجت کی حیثیت حاصل ہے تو حضرت عمرؓ نے روایت حدیث پر پابندی کیوں لگا دی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس وجہ سے بکثرت روایت کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ یہ ہرگز نہ تھی کہ وہ سُنّت کو دین میں کوئی اہمیت نہ دیتے تھے یا یہ کہ ان کے زمانہ میں وضع حدیث کا کوئی فتنہ پیدا ہو گیا تھا۔ وجہ دراصل یہ تھی کہ حضرت عمر کے دَور تک قرآن کریم کی عام اشاعت نہ ہو سکی تھی۔ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے ضروری سمجھا کہ سارے لوگوں کو سب سے پہلے قرآن سے روشناس کرایا جائے اور ان باتوں سے بچایا جائے جن سے قرآن میں دوسری چیزوں کے ملنے کا اندیشہ ہو۔ نیز انہیں اس بات کا بھی خوف تھا کہ جو حدیثیں لوگوں کو اچھی طرح محفوظ نہ ہوں کہیں وہ ان کے روایت کرنے پر جری نہ ہو جائیں۔

ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ احادیث میں چونکہ اختلاف پایا جاتا ہے اس لیے وہ ساقط الاعتبار قرار پاتی ہیں۔ حالانکہ اس بات میں بھی کوئی وزن نہیں ہے۔ جن لوگوں نے احادیث کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت کو خوب جانتے ہیں کہ روایات میں اتفاق زیادہ ہے۔ اختلاف بہت ہی کم پایا جاتا ہے۔ ان کے درمیان جو اختلافات پائے بھی جاتے ہیں وہ زیادہ تر حسب ذیل قسم کے ہیں:

ایک ہی تقریر یا واقعہ ہے۔ راویوں نے اس کو اپنے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ان کے الفاظ الگ الگ یقیناً ہیں لیکن معانی میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ظاہر ہے اس اختلاف کو اختلاف نہیں کہا جا سکتا۔

یک ہی واقعہ یا تقریر ہے۔ کسی راوی نے اس کا کوئی حصّہ بیان کیا ہے۔ کسی نے کوئی دوسرا حصّہ نقل کیا ہے جس کی وجہ سے بظاہر ان کے درمیان اختلاف نظر آتا ہے۔ حالانکہ فی الواقع ان کے درمیان اختلاف سرے سے ہے ہی نہیں۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک حدیث پہلے کی ہے اور دوسری بعد کی ہے۔ بعد کی حدیث

نے پہلی حدیث کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ جس شخص کو اس حقیقت کی خبر نہیں ہے اُسے حدیثوں میں تضاد نظر آ سکتا ہے۔ حالانکہ وہاں تضاد نہیں، حکم کی تبدیلی پائی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم صاحبِ شریعت تھے۔ خدا کے حکم پر آپؐ کسی حکم کو منسوخ فرما سکتے تھے۔ اس میں قباحت کی سرے سے کوئی بات ہی نہیں۔

اختلاف کی یہ ساری نوعیتیں ایسی ہیں کہ انہیں حقیقی اختلاف نہیں کہا جا سکتا۔ اگر چند روایات ایسی نکل بھی آئیں جن میں پائے جانے والے اختلاف کو رفع کرنا مشکل ہو تو ان کے سقوط سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ سارے ذخیرۂ احادیث کو ساقط الاعتبار سمجھ کر دریا بُرد کر دیا جائے۔

ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ احادیث میں حد درجہ اجمال اور بے ربطی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کا سمجھنا مشکل ہے۔ یہ بات بھی وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کی نظر احادیث کے پُورے ذخیرے پر نہ ہو۔ اکثر و بیشتر احادیث ایسی ہیں، جو اگر کسی جگہ مختصر اور بے ربط ہیں تو وہی کسی دوسری جگہ سیاق و سباق اور متعلقہ تفصیلات کے ساتھ منقول ہوئی ہیں اور جو روایتیں تفصیلات کے ساتھ بیان نہیں بھی ہوئی ہیں ان کے الفاظ میں ایسے اشارے موجود ہیں جن سے ان کے پس منظر پر روشنی پڑتی ہے۔ البتہ ان کے اشاروں کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے عہدِ مُبارک، اس وقت کے معاشرے کے حالات وغیرہ کا علم بخوبی رکھتا ہو۔ ایسی صورت میں کسی روایت میں کسی قول یا واقعہ کا ذکر دیکھ کر اسے اس کا بہ آسانی اندازہ ہو جائے گا کہ اس کا پس منظر کیا ہے۔

ائمہ و محدّثین

"دین کے خادموں اور محدّثین کرام کی فہرست بہت لمبی ہے۔ یہاں اختصار کے ساتھ چند مقتدر ہستیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کی خدمات کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا یہ دین کے ایسے خادم ہیں جن کے احسانات سے ہم کبھی بھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔"

امام ابو حنیفہؒ

ولادت ۸۰ھ ۔ وفات ۱۵۰ھ

امام ابو حنیفہ کوفہ کے ایک متمول خاندان میں ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اسم گرامی نعمان بن ثابت تھا۔ والد تجارت کرتے تھے۔ بڑے ہوئے تو وہ بھی تجارت کرنے لگے۔ امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں چار صحابی موجود تھے۔ بصرہ میں انس بن مالکؓ، کوفہ میں حضرت عبد اللہؓ بن ادفیٰ، مدینہ میں حضرت سہیل بن سعد ساعدیؓ، اور مکّہ میں ابو طفیل عامر بن واثلہؓ۔ امام ان میں سے کسی سے ملاقات نہ کر سکے۔ امام کی زندگی کے ۵۲ سال بنی اُمیہ کے عہد میں اور ۱۸ سال بنی عباس کے عہد میں گزرے۔ ان دونوں عہدوں میں آپ نے دین کی جو خدمات انجام دی ہیں انہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

کوفہ شروع زمانے سے ہی علم کا مرکز رہا ہے۔ اُسے سیکڑوں صحابہ کے مرجع و مسکن ہونے

کا فخر حاصل ہوا ہے۔ یہ شہر عہد فاروقی میں بسایا گیا تھا۔ نظم تعلیم کے لیے ابن مسعودؓ وہاں بھیجے گئے تھے۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو لکھا تھا کہ ابن مسعودؓ کی مجھے یہاں خود ضرورت تھی لیکن میں تمہاری ضرورت کو مقدم سمجھ کر انہیں بھیج رہا ہوں حضرت ابن مسعودؓ، عہد عثمانؓ کے آخری زمانے تک قرآن اور علم دین کی تعلیم دیتے رہے۔ ان کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نو آباد شہر میں بعض محدثین کے بیان کے مطابق ۴ ہزار علما۔ اور محدّثین پیدا ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ پہنچے تو وہ پکار اُٹھے: خدا ابن مسعودؓ کا بھلا کرے کہ انہوں نے اس بستی کو علم سے بھر دیا۔

امام نے ابتداءً قرآت، حدیث، ادب، شعر اور کلام وغیرہ علوم کا مطالعہ کیا۔ علم کلام میں انہوں نے شہرت حاصل کی۔ پھر ان کا دل کلامی جھگڑوں اور مناظروں سے بیزار ہو گیا۔ وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے، کوفہ، عراق کے اصحاب الرائے کا مرکز تھا۔ اس مدرسۂ فکر کی ابتدا حضرت علیؓ و عبد اللہ بن مسعود سے ہوئی۔ ان کے بعد ان کے شاگرد شُریح، عَلقمہ اور مَسرُوق اس مدرسہ کے نامور ائمہ ہوئے۔ پھر ابراہیمؒ نخعی اور ان کے بعد حمّاد منصبِ امامت پر فائز ہوئے۔ امام ابو حنیفہؒ نے امام حمادؒ کی شاگردی اختیار کی۔ ان کی وفات تک پُورے ۱۸ سال تک ان کے ساتھ رہے اور ان سے استفادہ کرتے رہے۔ حمّاد امام ابُو حنیفہؒ کو ان کی ذہانت اور قابلیت کی بنیاد پر بے حد عزیز رکھتے تھے۔ خود حمّادؒ کے فرزند کہتے ہیں کہ ایک بار میرے والد سفر میں باہر تشریف لے گئے۔ واپس ہوئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ اس اثنا۔ میں آپ کو زیادہ یاد کس کی آتی تھی؟ میں سمجھتا تھا وہ کہیں گے کہ تمہاری، لیکن انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کا نام لیا اور کہا اگر مجھے یہ قدرت حاصل ہوتی کہ میں ابو حنیفہؒ سے ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی نظر کو جُدا نہ کروں تو نہ کرتا۔

امام ابو حنیفہؒ کی شاگردی صرف حمّاد تک محدود نہیں تھی۔ انہوں نے مختلف اساتذہ سے استفادہ کیا ہے۔

ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے امام سے پوچھا: آپ نے علم کس سے حاصل کیا؟ امام نے کہا:

عن حماد عن ابراهیم عن عمر بن الخطاب وعن علی
بن ابی طالب وعبد اللہ بن مسعود وعبد اللہ بن عباس۔

"حماد (بن سلیمان) سے انہوں نے ابراہیم (نخعی) سے انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب سے نیز علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن العباس سے۔"

امام ابوحنیفہؒ ایک بار خلیفہ ابوجعفر المنصور کے پاس گئے۔ اس وقت عیسیٰ بن موسیٰ بھی وہاں موجود تھے۔ ابوجعفر نے عیسیٰ سے کہا، یہ شخص زمانہ میں یکتا عالم ہے۔ پھر ابوحنیفہؒ سے مخاطب ہو کر کہا: نعمان! آپ نے علم کس سے حاصل کیا؟ امام نے کہا:

عن اصحاب عمر عن عمر وعن اصحاب علی عن علی وعن
اصحاب عبد اللہ عن عبد اللہ وما کان فی وقت ابن عباس
علی الارض اعلم منہ۔

"اصحاب عمرؓ سے اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے اور اصحاب علیؓ سے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے اور اصحاب عبداللہ بن عباسؓ سے اور انہوں نے عبداللہ بن عباسؓ سے اور عبداللہ بن عباسؓ کے وقت میں ان سے بڑھ کر زمین پر کوئی عالم نہ تھا۔"

امام نے صرف کوفہ ہی کے اساتذہ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حج کے موقع پر حجاز پہنچ کر فقہ و حدیث کے دوسرے اکابر سے بھی استفادہ کیا۔

شیخ عبدالحق محدّث نے امام صاحب کے شیوخ کی تعداد ۴۰۰۰ بتائی ہے (شرح سفر السعادت)

امام ابوحنیفہ نہایت ذہین شخص تھے۔ ان کی ذہانت کے واقعات ان کے زمانے میں ہی دُور دُور تک مشہور ہو گئے تھے۔

ابوحنیفہؒ خوش رُو اور خوش خو تھے۔ خوشبو پسند کرتے تھے اچھا لباس پہنتے فیاض اور نہایت کریم النفس انسان تھے۔ اہل علم اور طلبہ پر خاص طور سے اپنا مال خرچ کرتے رہتے تھے۔ تجارتی منافع کا ایک خاص حصّہ اسی کام کے لیے تھا۔ اپنے خاص شاگرد امام ابویوسفؒ کے گھر کا پُورا خرچ انہوں نے اپنے ذمّہ میں لے لیا تھا کیوں کہ امام ابویوسفؒ کے غریب والدین ان کی تعلیم چھڑا کر کسی دوسرے کام میں انہیں لگانا

چاہتے تھے۔

امام ابو حنیفہؒ کی گفتگو بڑی ہی شیریں اور دلآویز ہوتی تھی۔ آواز میں بڑی دل کشی تھی۔ امام صاحب بڑے ہی قادر الکلام تھے۔ ایسی باتوں سے اجتناب کرتے تھے جن سے تفرقے بازی کو تقویت پہنچتی ہو۔ ایک دفعہ کسی شخص نے سوال کیا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی لڑائیوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ؟ فرمایا: "بھائی مجھے تو ان باتوں کا ڈر لگا ہوا ہے جو قیامت میں مجھ سے پوچھی جائیں گی۔ ان واقعات کے بارے میں خدا مجھ سے نہیں پوچھے گا۔

امام صاحب کی دیانت داری اور پرہیز گاری کا یہ حال تھا کہ ایک بار انہوں نے اپنے شریک کو مال فروخت کرنے کے لیے باہر بھیجا۔ مال کا ایک حصہ عیب دار تھا۔ امام نے ہدایت کر دی کہ جس شخص کے ہاتھ فروخت کرے اسے عیب سے آگاہ کر دے۔ مگر اسے یاد نہ رہا۔ عیب ظاہر کیے بغیر مال فروخت کر کے واپس آگیا۔ امام صاحب نے پُورے مال کی وصول شدہ قیمت کو جو ۳۵ ہزار درہم تھی صدقہ کر دیا۔ ناتجربہ کار لوگ اگر اپنا مال ان کی دوکان پر فروخت کرنے کے لیے آتے اور مال کی قیمت کم بتاتے تو امام کہتے کہ تمہارا مال اس سے زیادہ قیمت کا ہے اور وہ انہیں صحیح قیمت ادا کرتے۔ ان کے ہم عصر علماء نے ان کی پرہیز گاری کی غیر معمولی تعریف کی ہے۔ مشہور امام حدیث عبد اللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہؒ سے زیادہ پرہیز گار آدمی نہیں دیکھا۔ حسن بن زیاد کا بیان ہے: بخدا ابو حنیفہؒ نے کبھی کسی امیر کا عطیہ یا ہدیہ قبول نہیں کیا۔ امام ابو یوسفؒ، امام صاحب کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: بخدا وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے سخت پرہیز کرنے والے، اہل دُنیا سے مجتنب اور اکثر خاموش رہنے والے آدمی تھے۔ ہمیشہ غور و فکر میں لگے رہتے تھے۔ فضول باتیں کبھی نہیں کرتے تھے۔

اپنے استاد حمادؒ کے انتقال کے بعد امام ہی ان کے جانشین ہوتے۔ اس مسند پر امام صاحب ۳۰ سال تک درس و تدریس اور افتاء کا کام انجام دیتے رہے۔ اس مدت میں انہوں نے ۶۰ ہزار اور بعض لوگوں کے بقول ۸۳ ہزار قانونی مسائل کے جواب دیئے۔ جو الگ الگ

عنوانات کے تحت مرتب کیے گئے۔ امام صاحب نے جس قدر مسائل مدون کیے ان کی مجموعی تعداد ۱۲ لاکھ ۷۰ ہزار سے زائد ہے۔ حمادؒ کے جانشین بننے کے بعد جبکہ آپ کے بہت سے شاگرد ہو گئے تھے امام صاحب نے مختلف ابواب کے مسائل کو مرتب کرنا چاہا۔ انہوں نے اس کام کا آغاز نماز سے کیا۔ چنانچہ نماز پر بہت سے احکام جمع کیے ۔۔۔ اس مجموعہ احکام کا نام کتاب الدرس رکھا (موفق $\frac{1}{۹۸-۹۷}$) یہ مجموعہ بہت مقبول ہوا۔ اس کے بعد مزید ابواب کی طرف توجہ کی۔ اسی دوران میں خواب میں دیکھا کہ وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھود کر اندر کی ہڈیاں چاروں طرف پھینک رہے ہیں۔ ماہرین نے اس کی تعبیر یہ بتائی کہ ایسا خواب دیکھنے والا پیغمبر اسلام کے علوم کی چار دانگ عالم میں اشاعت کرے گا۔ امام بہت خوش ہوئے اور تدوین فقہ کے کام کو جاری رکھا۔ (موفق $\frac{1}{۹۸-۹۷}$) سات آٹھ سو کی تعداد میں ان کے شاگرد ہوئے ۔۔ شاگردوں میں سے تقریباً ہر ایک نے دوسرے اہل علم سے بھی استفادہ کیا۔ ان کے شاگردوں نے مختلف علاقوں میں درس و افتاء کے فرائض انجام دیئے۔ امام کے ۵۰ شاگرد عباسی حکومت میں منصب قضا پر فائز ہوئے۔ امام صاحب نے تقریباً ان تمام مسائل سے تعرض کیا جو خلافت راشدہ کے بعد کے حالات میں پیش آئے۔ امام صاحب کی مجلس میں زندگی کے ہر شعبے سے متعلق مسائل پر بحث ہوتی تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایک ہی مسئلہ پر مہینہ بھر تک بحث چلتی رہتی۔ شاگرد پوری آزادی سے اپنی آراء کا اظہار کرتے۔ امام ابوحنیفہؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط وضع کیں۔ قانون بین الممالک کو ایک مستقل حیثیت دی اور کتاب السیر مرتب کی جس میں جنگ اور امن سے متعلق احکام جمع کیے گئے۔

علم حدیث میں بھی امام صاحب کو خاص مقام حاصل تھا۔ محدثین کرام امام کی عظمت کے معترف تھے یحییٰ بن معین سے ابوحنیفہؒ کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ حدیث کے بارے میں سچے سمجھے جاتے تھے؟ انہوں نے کہا: وہ نہایت سچے اور صحیح روایت کرنے والے تھے

علی بن مدینی کا بیان ہے کہ امام صاحب ثقہ ہیں۔ ان کی روایت میں کوئی سقم نہیں ہے ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشیم، وکیع، عباد، جعفر بن عون جیسے جلیل القدر محدثین نے امام سے روایت کی ہے۔ ایک مرتبہ ابن مبارک کی مجلس میں امام کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا کہ تم

ایسے شخص کا ذکر کرتے ہو جس کے سامنے پوری دُنیا رکھ دی گئی مگر اس نے منہ پھیر لیا۔ امام داؤد کا ارشاد ہے کہ خدا مالکؒ پر رحمت پر نازل کرے وہ اپنے وقت کے امام تھے شافعیؒ پر رحمت نازل کرے وہ اپنے وقت کے امام تھے، ابو حنیفہؒ پر رحمت پر نازل کرے وہ اپنے زمانے کے امام تھے۔

امام احمدؒ بن حنبلؒ جب کبھی امام ابو حنیفہؒ کا ذکر کرتے تو ان کے حق میں رحمت کی دُعا کرتے امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جو شخص فقہ میں کمال حاصل کرنا چاہے وہ امام ابو حنیفہؒ کے تعاون کے بغیر اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

خطیب نے یحییٰ بن معین سے روایت کی ہے کہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک حدیث کی روایت کرنے کی یہ شرط تھی کہ وہ سننے کے بعد سے برابر یاد رہے۔ اگر یاد نہ ہے تو پھر اس کی روایت کرنا ان کے نزدیک درست نہ تھا۔

دینی مسائل کے بارے میں امام کا اصول یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے قرآن کو لیتے تھے اگر اس میں مسئلہ نہ ملتا تو اسے سُنّتِ رسولؐ میں تلاش کرتے۔ اگر کتاب اللہ اور سُنّت رسول دونوں میں نہ ملتا تو صحابہؓ کے اقوال کو دیکھتے اور ان کے فیصلوں پر عمل کرتے اور اگر ان لوگوں میں اختلاف ہوتا تو ان میں سے جس کو اپنے نزدیک کتاب وسنّت سے اقرب سمجھتے اختیار کر لیتے صحابہؓ کے مذہب کے باہر نہ جاتے۔ اگر صحابہؓ کے اقوال میں بھی انہیں حل طلب مسئلہ نہ ملتا تو بعد والوں کا اتباع کرنا اپنے لیے ضروری نہ سمجھتے بلکہ دوسرے لوگوں کی طرح خود اجتہاد سے کام لیتے تھے[1]

ایک دن کسی نے کہا کہ قیاس سب سے پہلے ابلیس نے کیا تھا۔ امام نے کہا کہ ابلیس نے خدا کے حکم کو ٹھکرایا تھا۔ اور ہم ایک مسئلہ کو دوسرے پر محض اس لیے قیاس کرتے ہیں کہ اسے قرآن یا سُنّت یا اجماعِ اُمّت کے تابع کریں۔ (موفق ۱/۸۱)

---

[1] الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۶۸، المکی، مناقب امام الاعظم ابی حنیفہ ج ۱ ص ۸۹ الذہبی، مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ ص ۲۰۔ الشعرانی، کتاب المیزان ج ۱ ص ۶۱۔

امام شاطبی نے ابن عبد البر سے نقل کیا ہے کہ بہت سے محدثین امام صاحب پر اس لیے طعن کو جائز خیال کرتے تھے کہ ان کے نزدیک امام صاحب نے بہت سے صحیح اخبار آحاد کو ترک کر دیا تھا حالانکہ امام صاحب کا اصول یہ تھا کہ وہ خبر واحد کا اس باب کی دوسری احادیث کے ساتھ موازنہ کرتے۔ قرآن سے بھی ملاتے۔ اگر قرآن اور دوسری احادیث کے مطابق ہوتی تو اس پر عمل کرتے ورنہ اُسے شاذ قرار دیتے اور عمل نہ کرتے[1]

ابن حزم کہتے ہیں کہ تمام اصحاب ابو حنیفہؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ تھا کہ ضعیف حدیث بھی اگر مل جائے تو اس کے مقابلہ میں قیاس اور رائے کو ترک کر دیا جائے[2] یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ متاخرین اپنی اصطلاح میں جس حدیث کو حسن کہتے ہیں متقدمین اپنی اصطلاح میں اسے ضعیف کہتے ہیں[3]

امام ابو یوسفؒ کا بیان ہے کہ حدیث کی صحیح مراد اور اس سے مسائل کا استنباط امام صاحب سے بڑھ کر جاننے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ میں کسی حدیث کے ظاہری پہلو کو اختیار کر لیتا۔ بعد میں مجھے تنبہ ہوتا کہ حدیث کی صحیح مُراد سمجھنے میں امام صاحب کی نگاہ مجھ سے زیادہ گہری تھی[4]

امام صاحب کو تمام علوم میں دستگاہ حاصل تھی۔ تفسیر، حدیث اور فقہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ علم حدیث میں امام صاحب کے اساتذہ کی تعداد جن سے انہوں نے روایات لی ہیں چار ہزار ہے۔ جن میں ۲۰۰۰ حضرت حمادؒ کی حدیثیں ہیں اور باقی ۲۰۰۰ دیگر مشائخ کی ہیں — امام صاحب سے روایت کی قلت کی وجہ حفظ حدیث کی وسعت کے باوجود استنباط مسائل میں مشغولیت ہے۔ اسی طرح امام مالکؒ و شافعیؒ سے بھی ان کی مسموعات کے مقابلہ میں روایات کم منقول ہیں۔ جیسے کہ صحابہؓ میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ سے دیگر صحابہؓ کی بہ نسبت کم روایات منقول ہیں حالانکہ ان کی معلومات کی کثرت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ امام موصوف نے محدثین

---

[1] الموافقات ج ۲ ص ۲۴ [2] الذہبی ص ۲۱۔ [3] السنتہ ومکانتہا ص ۴۷۰۔

[4] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۹۔

کی طرح باضابطہ روایتِ حدیث کے حلقے قائم نہیں کیے جس کی وجہ سے بعد کے زمانے میں امام صاحب کی محدثانہ شان نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ حالانکہ ان کا شمار حفّاظِ حدیث میں کیا گیا ہے۔ جن لوگوں نے ان کی مسانید جمع کی ہیں۔ ان میں دار قطنی، ابن شاہین اور ابن عقدہ جیسے علماء حدیث بھی شامل ہیں۔ فقہ حنفی کی معتبر کتابیں مثلاً امام طحاوی کی شرح "معانی الآثار"، ابوبکر جصاص کی "احکام القرآن"، اور امام سرخسی کی "المبسوط" جنہوں نے دیکھی ہیں وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ امام کی فقہ کی بنیاد قرآن اور حدیث دونوں ہی پر رکھی گئی ہے۔ حدیث سے بے نیاز ہوکر انہوں نے اپنی فقہ ہرگز مرتّب نہیں کی ہے۔

اسرائیل جو ائمۂ حدیث میں سے ہیں، تعجب کے انداز میں کہتے ہیں: نعمان کیا خوب شخص ہیں کہ انہیں وہ احادیث جو فقہی مسائل سے متعلق ہیں کیسی محفوظ ہیں اور کس خوبصورتی سے وہ ان سے مسائل اخذ کرتے ہیں! یحیٰی بن سعید بن سعید القطان اور وکیع جیسے محدّث امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کے مطابق فتوے دیتے تھے بلکہ وہ امام صاحب کی روایت کردہ تمام حدیثیں یاد کیا کرتے تھے۔ انہوں نے امام صاحب سے بہت سی حدیثیں سماعت کی تھیں[1]۔

امام ابوحنیفہؒ کے سب سے بڑے شاگرد امام ابویوسف نے کتاب الآثار میں امام ابوحنیفہؒ کی روایت کردہ ایک ہزار احادیث جمع کی ہیں۔ امام صاحب کے دوسرے شاگرد امام محمد، امام حسن بن زیاد اللؤلؤی اور امام کے صاحبزادے حماد بن ابی حنیفہؒ نے بھی ان کی روایت کردہ حدیثوں کے مجموعے مرتب کیے تھے۔ اس کے علاوہ صدیوں تک بکثرت علماء امام صاحب کی مرویات "مسند ابوحنیفہ" کے نام سے جمع کرتے رہے۔ ان میں ۱۵ مسانید کا ایک جامع نسخہ قاضی القضاۃ محمد بن محمود الخوارزمی نے "جامع مسانید الامام الاعظم" کے نام سے مرتب کیا۔ یہ نسخہ شائع ہوگیا ہے۔

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۹۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ مذہب حنفی کی بنیاد عبداللہؓ بن مسعود کے فتاویٰ، حضرت علیؓ کے فیصلے وفتوے اور قاضی شریح اور قضاۃ کوفہ کے فتاویٰ پر ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان حضرات کے آثار کو سامنے رکھ کر مسائل کا استنباط و استخراج کیا ہے۔ ابراہیمؒ نخعی کے مذہب پر تخریج مسائل میں امام صاحب کو بڑا ملکہ حاصل تھا۔ فروعی مسائل کی تخریج میں وہ بہت دقیق النظر واقع ہوئے تھے (الانصاف فی سبب الاختلاف)

امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ کے بارے میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام محمد بن الحسنؒ سے زیادہ حلال وحرام، ناسخ ومنسوخ اور عللِ حدیث کا جاننے والا میرے علم میں کوئی دوسرا شخص نہیں ہے میں نے ان سے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر علم کی تحصیل کی۔ وہ نہ ہوتے تو جو علم مجھ سے ظاہر ہوا وہ نہ ظاہر ہوتا[1]

امام احمد سے جب پوچھا گیا کہ یہ باریک مسائل آپ کے پاس کہاں سے آئے تو فرمایا کہ امام محمدؒ کی کتابوں سے۔ ابوعبیدہؒ کا بیان ہے کہ امام محمد سے بڑھ کر قرآن کا عالم میں نے کسی دوسرے شخص کو نہیں دیکھا۔ مشہور ہے کہ دینی علوم پر امام محمدؒ کی تصانیف ۹۹۰ تک پہنچتی ہیں[2]

امام ابوحنیفہؒ ان نادرِ روزگار ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے حریتِ فکر کی شمعیں روشن کیں۔ وقت اور اقتدار کے تیور سے وہ کبھی بھی مرعوب نہ ہوئے مصیبت اور آزمائش کے نازک ترین مواقع پر بھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہوئی۔

امام مالکؒ

ولادت ۹۵ھ ــــ وفات ۱۷۹ھ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ دراز قامت، کشادہ چشم، خوبرو شخص تھے۔ ان کا شمار تبع تابعین کے طبقہ میں ہوتا ہے۔ آبائی وطن یمن تھا سب سے پہلے آپ کے پردادا ابوعامر مدینہ میں آکر

---

[1] شذرات الذہب۔ [2] الفوائد البہیہ۔

سکونت پذیر ہوتے۔ آپ خالص عرب تھے۔ خاندان جاہلیت اور اسلام دونوں میں معزز تھا امام مالک کو علم حدیث کا بے حد شوق تھا۔ لیکن وسعت نہ تھی کہ باقاعدہ تعلیم حاصل کر سکیں تعلیم حاصل کرنے کے لیے امام مالکؒ نے گھر کی کڑیاں تک بیچ دیں۔ امام مالک کا حافظہ بے حد قوی تھا۔ جو چیز ایک بار یاد کر لیتے، اُسے بھولتے نہیں تھے۔ کمالِ ادب کی وجہ سے آپ نے حرم مدینہ میں کبھی استنجا نہیں کیا۔ قضائے حاجت کے لیے باہر جاتے تھے۔ ضعف اور کبرسنی کے باوجود مدینہ میں آپ سواری پر نہیں چلتے تھے کہ اس سرزمین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ مبارک مدفون ہے۔ حدیث روایت کرنے سے پہلے وضو کرتے۔ اچھا لباس پہنتے۔ خوشبو لگاتے اور ریش مبارک میں کنگھی کرتے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو کہا: میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تعظیم و توقیر کرتا ہوں۔

ایک مرتبہ امام مالک گزر رہے تھے، دیکھا کہ ابو حازم درس حدیث دے رہے ہیں۔ امام ٹھہرے نہیں بلکہ تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ وجہ دریافت کی گئی تو کہا کہ بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی اور کھڑے ہو کر حدیث سُننا اچھا نہیں معلوم ہوا لہٰذا ٹھہرے بغیر میں آگے بڑھ گیا۔

امام صاحب نے نافع اور زہری جیسے اہل علم سے استفادہ کیا۔ یحییٰ بن سعید، محمد بن منکدر، ہشام بن عروہ، زید بن اسلم اور ربیعہ بن عبدالرحمٰن وغیرہ سے بھی علمِ حدیث حاصل کیا۔ جن اہل علم سے امام صاحب نے استفادہ کیا۔ ان کی تعداد ۹ سو تک پہنچتی ہے۔ ان میں تین سو تابعین اور چھ سو تبع تابعین ہیں۔ لیث بن سعد، ابن مبارک، امام شافعیؒ اور امام محمد بن حسن الشیبانی جیسے اکابر اہل دین امام صاحب کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ جن شیوخ سے مؤطا میں روایت کی ہے ان کی تعداد ۹۵ ہے۔ یہ سب مدنی ہیں۔ اس طرح مدینہ کا سارا بکھرا ہوا علم ایک سینہ میں جمع ہو گیا۔ آپ کے شیوخ میں ۶ غیر مدنی ہیں۔ حضرت نافع کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے رہے۔ حضرت نافع حضرت ابن عمرؓ کے غلام تھے۔ محدثین، مالک عن نافع عن ابن عمرؓ کو سلسلۃ الذہب قرار دیتے ہیں۔ امام صاحب سے روایت کرنے والوں کی تعداد ۱۳۰۰ سے زائد بتائی جاتی ہے۔ ان میں بہت سے امام وقت اور دُنیائے علم کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔ جیسے امام شافعیؒ، محمد بن ابراہیم، ابن دینار، ابو ہاشم اور عبدالعزیز

بن ابی حازم وغیرہ۔ ان کے علاوہ امام کے تلامذہ میں معن بن عیسیٰ، یحییٰ بن یحییٰ، عبداللہ بن مسلمۃ القعبنی اور عبداللہ بن وہب کے علمی مقام کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ بخاریؒ مسلم، ابوداؤد، ترمذی، امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسے محدثین کے استاد ہوتے ہیں۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جب حدیث کے کسی ٹکڑے میں امام مالک کو شُبہ ہوتا تو وہ پوری حدیث کو چھوڑ دیتے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ نجوم کی طرح ہیں میں امام مالکؒ سے زیادہ کسی پر اطمینان نہیں کرتا ہوں۔ جب امام مالک کی کوئی حدیث سنو تو دونوں ہاتھوں سے مضبوط تھام لو۔

سفیانؒ کہتے ہیں کہ رجال کی تحقیق اور چھان بین میں مالک سے بڑھ کر کوئی آدمی نہیں۔ وہب بن خالد کہتے ہیں کہ مشرق ومغرب کے درمیان احادیث میں مالکؒ بڑھ کر قابل اطمینان شخص کوئی نہیں۔ یحییٰ بن سعید کا بیان ہے کہ مجھے کسی کی حدیث امام مالکؒ سے زیادہ صحیح معلوم نہیں۔ امام زہری جو امام مالکؒ کے اساتذہ میں سے ہیں، انہوں نے بھی امام سے استفادہ کیا ہے۔

ائمہ اربعہ میں صرف امام مالکؒ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے حدیث کی کتاب "موطا" مرتب کی۔ "موطا" حدیث کی پہلی کتاب ہے جو فقہی ترتیب کے ساتھ لکھی گئی۔ محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک تو موطا کو بخاری ومسلم پر بھی فوقیت حاصل ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ موطا کو تمام کتابوں میں مقدم و افضل قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کتاب کی تمام روایات امام مالکؒ اور ان کے موافقین کی رائے میں صحیح ہیں اور دوسروں کی رائے بھی یہی ہے کہ موطا کی مرسل ومنقطع مرویات کی سند دوسرے طُرُق سے متصل ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۳۳)

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ وہ تمام کتابیں جو سُنن کے باب میں لکھی گئی ہیں جیسے سُنن ابوداؤد و نسائی یا وہ کتابیں جن کا تعلق فقہ سے ہے جیسے صحیح بخاری وجامع ترمذی یہ سب موطا امام مالک کے مستخرجات ہیں جو اس کے گرد گھومتی ہیں۔ ان سب کا مطمحِ نظر موطا کی مرسل روایات کا اتصال اور موقوف کا مرفوع اور مافات کا استدراک ومتابعات وشواہد

کا ذکر ہے۔ اس حقیقت کو وہی جان سکتا ہے جس کی اس کتاب پر گہری نظر ہو۔ (الحطۃ فی ذکر الصحاح الستہ ص۲۲۷) تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے مؤطا کو امام مالکؒ سے سُنا اور حدیث میں ان سے سند حاصل کی۔ اس کتاب کو دُنیائے اسلام میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ اہل علم اب تک اس سے فیضیاب ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

مؤطا کی روایات کی اسناد تین چار واسطوں سے زیادہ نہیں ہیں۔ بخاری میں اگر ۲۲ ثلاثیات ہیں تو مؤطا کی بنیاد ہی ثلاثیات پر ہے۔ اس میں ۴۲ ثنائیات بھی ہیں یعنی حضورؐ اور امام مالکؒ کے درمیان میں صرف دو ہی واسطے ہیں۔

مؤطا ۱۳۰ھ اور ۱۴۱ھ کے درمیان تالیف ہوئی۔ مؤطا کی کل روایات سترہ سو ہیں۔ مرفوع چھ سو، مرسل دو سو اٹھائیس اور موقوف کی تعداد چھ سو تیرہ ہے۔ تابعین کے اقوال (فتاویٰ) دو سو پچاسی ہیں۔ اس کتاب میں راوی صحابہؓ کی مجموعی تعداد ۹۸ ہے۔[1]

دوسرے ائمہ کی طرف جو مسانید منسوب ہیں وہ ان کے شاگردوں کی ترتیب دی ہوئی ہیں۔ مسند احمد کی موجودہ ترتیب بھی خود امام احمدؒ کی دی ہوئی ترتیب نہیں ہے۔ علماء کا یہ مشہور قول ہے:

اول کتاب وضع فی الاسلام موطا مالك

"حدیث کی سب سے پہلی کتاب اسلام میں مؤطا امام مالک ہے۔"

مؤطا امام مالکؒ کے بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

ما علی وجہ الارض من کتاب بعد کتاب اللہ اصح من مؤطا امام مالك بن انس۔

"روئے زمین پر کتابُ اللہ کے بعد مؤطا امام مالک سے بڑھ کر کوئی کتاب صحیح نہیں۔"

بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤطا کی تدوین خلیفہ منصور کے فرمان کے مطابق ہوئی۔ خلیفہ منصور نے امام مالکؒ سے کہا تھا کہ آپ لوگوں کے لیے ایک کتاب مرتب کریں جس سے

---

[1] شرح مؤطا (محمد بن عبدالباقی الزرقانی)

وہ فائدہ اُٹھائیں۔ اُس میں ابن عباس کی نرمی اور ابن عمر کی سختی سے پرہیز کریں۔ اور لوگوں کے لیے اُسے خوب روند کر نرم و آسان کر دیں (یعنی خوب تحقیق سے کام لیں) اور لوگوں کی عملی زندگی کے لیے بہترین کتاب مرتب کر دیں" تجنب فیہ رخص ابن عباس وشدائد ابن عمر ووطئہ للناس توطئۃ"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

واللہ قد علمنی التصنیف یومئذ ولذا اسمّٰی کتابہ المؤطا۔

"بخدا انہوں نے تصنیف کا طریقہ سکھا دیا۔ اسی لیے اس کتاب کا نام الموطا رکھا"

امام مالکؒ ایک طرف تو محدّث تھے دوسری طرف وہ مجتہد بھی تھے۔ وہ فتاویٰ میں اوّلاً کتاب اللہ پر بھروسہ کرتے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر اعتماد کرتے تھے جو ان کے نزدیک صحیح تھیں، اِس سلسلہ میں اُن کا دارومدار علماء حجاز کے اکابر محدثین پر تھا۔ اہل مدینہ کے عمل کو خاص طور سے ائمہ کے عمل کو امام مالکؒ زیادہ اہمیت دیتے تھے[۱] ائمہ میں مقدم ترین شخص عمران تھے۔ مؤطا میں حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایات بہت کم ہیں۔ ہارون رشید نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا "لم یکونا ببلدی ولم الق رجالھما" یہ دونوں میرے شہر میں نہ تھے اور ان کے اصحاب سے میری ملاقات نہ ہو سکی۔

امام مالکؒ کے حالاتِ زندگی سے، ان کی وسیع القلبی اور بے نفسی کی کیفیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کا بیان ہے کہ ہم امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایک شخص نے آکر کہا کہ میں چھ ماہ کی مسافت سے ایک مسئلہ پوچھنے کی غرض سے آیا ہوں۔ امام نے کہا: کہو کیا ہے؟ اس نے بیان کیا تو امام نے کہا: "مجھے یہ مسئلہ اچھی طرح معلوم نہیں" وہ حیران رہ گیا۔ اس نے عرض کیا: میں اپنے شہر کے لوگوں سے کیا کہوں گا؟ امام نے کہا: کہہ دینا: "امام مالکؒ نے اپنی لاعلمی کا اقرار کیا ہے"

---

[۱] مصفّٰی جلد اوّل ص۱۷، مقدمہ فتح الباری ص۴۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جب کوئی جھوٹا اور جھگڑالو شخص امام مالکؒ کے پاس آتا تو وہ اس سے کہتے کہ دیکھو! میرا دین اور اس کا یقین و ثبوت میرے پاس موجود ہے۔ تم وہمی ہو، جاکر اپنے جیسے کسی وہمی شخص سے مناظرہ کرلو۔

امام مالکؒ کا ارشاد ہے:

لَیْسَ الْعِلْمُ بِکَثْرَۃِ الرِّوَایَۃِ اِنَّمَا ھُوَ نُوْرٌ یَضَعُہُ اللّٰہُ فِی الْقَلْبِ

"علم کثرتِ روایت کا نام نہیں ہے۔ وہ تو ایک نور ہے۔ جسے خدا دلوں میں ڈال دیتا ہے۔"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد یہ بھی ہے:

لَا یَنْبَغِیْ لِلْعَالِمِ اَنْ یَتَکَلَّمَ بِالْعِلْمِ عِنْدَ مَنْ لَا یُطِیْقُہُ فَاِنَّہُ ذُلٌّ وَاِھَانَۃٌ لِّلْعِلْمِ۔

"عالم کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ علمی مسائل اس شخص کے سامنے بیان کرے جو اس کا اہل نہ ہو کیونکہ اس میں علم کی تذلیل و اہانت ہے۔"

ایک موقع پر ہارون رشید نے امام مالکؒ سے کہا: یا ابا عبداللہ! آپ کسی شخص کو مقرر کر دیں کہ وہ میرے بچوں کو موطّا پڑھا دیا کرے۔ جواب میں انہوں نے کہا: یا امیرالمومنین! خدا آپ کو عزّت بخشے، یہ علم آپ ہی کے گھر سے نکلا۔ اگر آپ اسے عزّت دیں گے تو معزز ہوگا اور اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو اس کا درجہ گر جائے گا۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ علم کے پاس جایا جاتا ہے۔ علم کسی کے پاس نہیں جاتا۔ ہارون نے کہا: بے شک آپ سچ کہتے ہیں۔

ایک بار حج کے موقع پر عباسی خلیفہ منصور نے امام مالکؒ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی کتاب موطا کی نقلیں پوری مملکت میں بھیج کر حکم دوں کہ اس کتاب پر عمل کیا جائے۔ امام نے کہا کہ ایسا نہ کیا جائے کیونکہ اس سے پہلے بھی لوگوں نے اسلاف سے حدیثیں سنیں ہیں وہ حدیثیں پھیل چکی ہیں اور لوگوں کا ان پر عمل ہے۔

اسی طرح خلیفہ ہارون رشید نے بھی امام مالکؒ سے کہا۔ میری خواہش ہے کہ موطا کو خانۂ کعبہ پر لٹکا دوں اور لوگوں کو اسی پر عمل کرنے کے لیے ابھاروں۔ امام نے کہا: ایسا نہ کیجئے

خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے درمیان فروع میں اختلاف رہا ہے۔ صحابہؓ مختلف دیار میں پھیل گئے اور ہر ایک مسلمان نے کسی ایک صحابی کی پیروی کر کے اپنے لیے نجات کی راہ بنالی ہے۔

امام مالکؒ فقہ کے چار مشہور مذاہب میں سے ایک مذہب کے امام ہیں۔ امام مالکؒ کی فقہ، فقہِ مالکی کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

موطا کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ایک بڑی جماعت اس کے شارحین و معلقین و محشیین میں شامل ہے۔ جن اہلِ علم نے اس کی احادیث و رجال پر کام کیا ہے ان کی تعداد بھی کثیر ہے مالکیہ کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی اس کی طرف توجہ کی ہے۔

امام شافعیؒ

ولادت ۱۵۰ھ ـــ وفات ۲۰۴ھ

امام شافعیؒ کا نام محمد ادریس اور کنیت ابوعبداللہ ہے۔ امام دراز قد، ہلکے پھلکے، کھلتا رنگ، شیریں زبان اور خوبصورت۔ امام شافعیؒ نسباً قریشی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِّ اعلیٰ عبدِ مناف سے امام کا نسب مل جاتا ہے۔ امام شافعیؒ نے مکّہ کے مقدّس ماحول میں پرورش پائی۔ اُن کی پرورش نہایت تنگدستی کی حالت میں ہوئی مفلسی کے سبب لکھنے کے لیے کاغذ تک نہ تھا۔ ہڈیوں سے کاغذ کا کام لیتے تھے۔ امام صاحب نے ابتدا میں تاریخ اور ادب وغیرہ کی تحصیل کی۔ تھوڑی ہی عمر میں امام نے قرآن اور موطا امام مالک حفظ کر لیا۔ فقہ کی تعلیم انھوں نے مسلم بن خالد سے حاصل کی جو اس وقت کے مفتی تھے۔ اِس کے بعد امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۱۳ سال کی تھی۔ موطا میں شریک ہوئے اور زبانی ہی قرأت کی۔ امام مالکؒ اس پر بہت متعجب ہوئے۔ انھوں نے کہا: تم تقویٰ کو اپنا شعار بنانا۔ ایک زمانہ آئے گا کہ خدا تمہیں عظمت بخشے گا۔ امام مالکؒ کی خدمت میں عرصے تک تحصیل علم میں مصروف رہے۔

امام مالکؒ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"خدا نے تمہارے دل میں ایک نور ودیعت کیا ہے۔ اس نور کی حفاظت تم پر واجب ہے معصیت کر کے اسے ضائع نہ کرنا۔"

امام مالکؒ کے علاوہ سفیان بن عیینہ، عبدالعزیز دراوردی، مسلم بن خالد وغیرہ امام شافعیؒ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ۔ ابو ثوری، ابراہیم بن خالد، ابراہیم مزنی۔ ربیع بن سلیم المرادی وغیرہ امام شافعیؒ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد ہے جس کو آپ سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا۔

امام احمدؒ بن حنبل کہا کرتے تھے کہ میں حدیث میں ناسخ و منسوخ، خاص و عام اور مُفصّل و مجمل کا علم نہیں رکھتا تھا مگر جب میں نے امام شافعیؒ کی صحبت اختیار کی تو مجھے ان چیزوں کا پتہ چلا۔ امام احمد یہ بھی کہتے ہیں کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس کی نسبت اسلام سے اس درجہ قوی ہو جتنی اپنے زمانے میں امام شافعیؒ کی تھی۔ میں ہر نماز کے بعد دُعا کرتا ہوں کہ خدایا میرے والد اور امام شافعیؒ کے گناہوں کو معاف کر اور میری مغفرت فرما۔

امام شافعیؒ علم کلام کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کا قول ہے کہ جس کسی نے علم کلام کو اپنا لباس بنایا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوا۔ امام کے بھانجے ابو محمد کہتے ہیں کہ میری والدہ اکثر بیان کیا کرتی تھیں کہ کبھی کبھی رات کو تیس چالیس مرتبہ امام کے پاس میرا گزر ہوتا تو امام کو چراغ کی روشنی میں پڑھتے یا یاد کرتے دیکھتی۔ کبھی لیٹ جاتے اور پھر اُٹھتے اور آواز دیتے چراغ لے آؤ۔ پھر کچھ لکھنا شروع کرتے۔ ابو محمد سے کسی نے پوچھا کہ چراغ کیوں واپس کر دیتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اندھیرے میں قلب زیادہ روشن رہتا ہے۔

فقہ میں امام کا اصول یہ تھا کہ وہ صحیح احادیث کو لیتے تھے اور ضعیف کو چھوڑ دیتے تھے عبادات کے مسائل میں وہ احتیاط کا پہلو اختیار کرتے تھے۔ امام شافعی مرسل حدیث کو حجّت نہیں سمجھتے تھے۔ اس بارے میں انہیں اپنے پیشرو علماء سے اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ

کے زمانہ میں نادر و غیر متداول نسخوں تک کی تلاش کی گئی ۔ حجاز و عراق، شام و مصر اور بلادِ اسلامیہ کے افراد و عزائب، شخصی و خاندانی روایات، غیر مشہور صحابی کی حدیث جو ایک ہی راوی کی روایت کے ذریعہ پہنچی ہو۔ یہ ساری چیزیں یکجا ہو گئیں۔ ان میں ایسی روایات بھی سامنے آئیں جن پر صحابہؓ و تابعین اور سلف کا تعامل نہ تھا۔ شاذ و متروک العمل ہونے کے سبب عام اہل فتاویٰ کے نزدیک انہیں حجت نہیں قرار دیا جا سکتا تھا۔ امام شافعیؒ نے اسی سے اختلاف کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ صحابہؓ و تابعین خود ہر مسئلہ میں حدیث کے متلاشی ہوتے تھے۔ امام شافعیؒ نے ایسی تمام روایات کو معمول بہا قرار دیا جب کوئی روایت نہ ملتی تو دوسرے دلائل کی طرف رجوع کرتے۔

امام شافعیؒ نے اصول فقہ پر ”الرسالہ“ تصنیف کیا۔ اس لیے انہیں اصول فقہ کا مؤسس کہا جاتا ہے۔ امام کی اُصولِ دین پر چودہ کتابیں ہیں۔ فروعِ دین کے سلسلہ میں ان کی سو سے زیادہ کتابیں ہیں۔ ان کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں : کتاب بغدادی، رسالہ قدیمہ و جدیدہ، اختلاف الحدیث، کتاب السنن، ابطال الاستحسان، بیان الفرض، احکام القرآن، جامع العلم، کتاب الام وغیرہ ان سب کتابوں میں کتاب الاُم بہت مشہور ہے۔

امام شافعیؒ نے جمع روایات، تنقید حدیث، اصول روایت اور امتیاز مراتب کے اصول و قواعد مرتب کیے۔ اپنی کتاب الرسالہ اور کتاب الام میں بکثرت روایات سے استدلال کر کے شریعت میں حدیث کے حجت ہونے کو بخوبی واضح کیا۔

علم و فضل کے علاوہ امام سخاوت میں بھی بڑھے ہوئے تھے۔ حُمَیدی ایک واقعہ کا تذکرہ کرتے ہیں کہ وہ صنعاء سے آئے تو ان کے پاس دس ہزار دینار تھے۔ مکّہ کے باہر ان کا خیمہ لگا ہوا تھا۔ لوگ ملنے کے لیے آتے تھے اور امام انہیں دینار دیتے۔ یہاں تک کہ بیٹھے بیٹھے انہوں نے ساری رقم لوگوں میں تقسیم کر دی۔

امام شافعیؒ کو دورِ ابتلاء سے بھی گزرنا پڑا ہے۔ عسرت کے زمانہ میں نجران کے عامل بنا دیئے گئے تھے۔ آپ والیٔ یمن کو اس کی سفاکی و ظلم پر روکتے۔ والیٔ یمن نے ہارون رشید کو شکایتی خط لکھا کہ شافعی علوی سادات کے ساتھ ہیں جس سے بڑا اندیشہ ہے۔ ہارون رشید کے حکم سے انہیں خلیفہ کے سامنے پیش ہونا پڑا۔ قاضی امام محمد وہاں موجود تھے۔ ان کی سفارش

سے رہا ہوئے۔ اس وقت امام شافعیؒ کی عمر ۳۴ سال کی تھی۔ یہ واقعہ ۱۸۴ھ کا ہے۔ رہائی کے بعد وہ امام محمدؒ کے حلقہ میں داخل ہو گئے۔ اور از سرِ نو تحصیل علم میں مشغول ہوئے۔ امام محمدؒ کی خدمت میں ۳۰ سال سے زائد رہے۔ فقہِ عراق کو باکمال حاصل کیا۔ بالآخر فقہ کے بانی و مؤسس قرار دیئے گئے۔[1]

امام احمدؒ انہیں دوسری صدی کا مجدد سمجھتے ہیں۔[2] امام شافعیؒ نے درس حدیث کی کوئی باقاعدہ مجلس منعقد نہیں کی۔ وہ اجتہاد اور استخراج و استنباطِ مسائل میں مصروف رہے۔ پھر بھی حدیث کی تاریخ میں ان کے کارناموں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

امام شافعیؒ ۱۹۹ھ میں مکّہ سے مصر تشریف لے گئے۔ وہیں انتقال ہوا۔ مرض الموت میں امام شافعیؒ کے شاگرد امام مزنیؒ انہیں دیکھنے گئے۔ مزاج پوچھا تو کہا: اب دُنیا سے سفر کرنے والا ہوں، اپنے بھائیوں سے جُدا ہوتا ہوں۔ موت کا پیالہ پینے والا ہوں۔ میری ملاقات اب میرے اعمال سے ہوگی۔ میں خدا کے حضور جاتا ہوں نہیں جانتا کہ میں جنّت میں جاؤں گا۔ اگر ایسا ہوا تو بہت اچھا ہوگا اور اگر دوزخ میں جانا پڑا تو اس سے بُرا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد رونے لگے اور آسمان کی طرف دیکھ کر یہ شعر پڑھا:

إِلَيْكَ إِلٰهَ الْحَقِّ أَرْفَعُ رَغْبَتِي ۔۔۔ وَإِنْ كُنْتُ يَا ذَا الْمَنِّ وَالْجُودِ مُجْرِمَا

تَعَاظَمَنِي ذَنْبِي فَلَمَّا قَرَنْتُهُ ۔۔۔ بِعَفْوِكَ رَبِّي كَانَ عَفْوُكَ أَعْظَمَا

"اے معبود برحق میری رغبت تجھی سے ہے۔ گرچہ اے محسن اور جود و کرم والے آقا! میں گنہگار ہوں۔ مجھے اپنے گناہ بہت بڑے لگتے ہیں لیکن جب ان کو تیرے عفو و کرم سے ملا کر دیکھتا ہوں تو تیرا عفو کہیں زیادہ بڑا نظر آتا ہے۔"

---

[1] حیات الشافعی از ابو زہرہ۔ ص ۲۴۶
[2] توالی التاسیس ص ۳۹ و حسن المحاضرۃ ص ۱۶۶۔

امام احمد بن حنبلؒ

ولادت ۱۶۴ھ ــــ وفات ۲۴۱ھ

ابو عبداللہ امام احمد بن حنبل خالص عربی النسل قبیلہ شیبان میں سے تھے۔ امام کی والدہ مرو سے بغداد آئیں تو وہ ماں کے شکم میں تھے۔ بغداد میں ربیع الاول ۱۶۴ھ میں پیدا ہوتے ابھی آپ تین سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا[۱] امام احمدؒ بن حنبل نہایت خوبصورت شخص تھے۔ قد میانہ تھا۔ سفید اور موٹا کپڑا استعمال کرتے تھے۔ بغداد میں پیدا ہوئے، وہیں پرورش ہوئی اور بغداد ہی میں تعلیم حاصل کی۔ حدیث کی سماعت اور تحصیلِ حدیث کی غرض سے کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام، اور دیگر مقام کا طویل سفر اختیار کیا اور ہر جگہ کے اہل علم اور علمائے حدیث سے احادیث کی سند حاصل کی۔ امام کے مشہور اساتذہ ہیں، امام ابو یوسف ہشیم بن بشیر بن ابو حازم الواسطی، وکیع، یزید بن ہارون، یحییٰ بن سعید القطان، سفیان بن عیینہ، امام شافعی اور عبدالرزاق بن الہمام جیسے اکابر شامل ہیں۔ ابن جوزی نے ان کے شیوخ کی تعداد ۱۰۰ سے زیادہ بتائی ہے۔ امام صاحب کے مخصوص تلامذہ، امام بخاری، مسلم بن حجاج قشیری، ابوزرعہ اور ابو داؤد سجستانی ہیں۔ ان حضرات نے امام احمدؒ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ امام صاحب سے روایت کرنے والوں میں اُن کے بیٹے صالح اور عبداللہ اور چچا زاد بھائی حنبل اور اسحاق بھی ہیں۔

امام احمدؒ نے امام شافعیؒ سے اجتہاد کے اصول سیکھے اور اس میں ملکہ حاصل کیا۔ اور بالآخر اُمّت کے نامور مجتہد ہوئے۔ ان کی فقہ آج بھی زندہ ہے۔

امام احمدؒ کی تالیفات میں مسند احمد کو خاص شہرت اور مقام حاصل ہے۔ اس مجموعہ میں تیس ہزار سے زیادہ حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ حنبلؒ بن اسحاق کا بیان ہے کہ امام احمدؒ

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۲۶، تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۷۲۔

نے ہم سے کہا کہ یہ مجموعہ میں نے ۷ لاکھ سے بھی زیادہ احادیث کے ذخیرہ میں سے منتخب کیا ہے اور یہ انتخاب اس لیے کیا ہے تاکہ مسلمانوں کے لیے احادیث کا ایک معیار قائم ہو۔ مسند کا مسوّدہ امام احمد نے خود لکھا مگر اس کی تکمیل اور ترتیب کی مہلت نہ مل سکی۔ اسے آپ کے فرزند امام عبداللہ نے مکمل و مرتب کیا۔ مسند کی ترتیب، مضامین کے لحاظ سے نہیں رکھی گئی ہے بلکہ ہر حدیث کو اس صحابی کی مرویات میں درج کیا گیا ہے جس سے وہ مروی ہے۔ مسند میں کسی حدیث کے ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام احمدؒ کا اس پر عمل بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً ۲۰۰ ایسے صحابہؓ کی روایات اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہیں جن سے صحیحین میں احادیث مروی ہیں۔ مسند میں تقریباً ۷۰۰ صحابہؓ کی روایات ہیں۔ (طبقات شافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۲)

مسند میں ہر صحابی کی مرویات الگ الگ ہیں۔ مسند کے علاوہ امام احمدؒ کی اور بھی کئی کتابیں ہیں، مثلاً رسالہ صلوٰۃ، کتاب الزہد، کتاب حدیث شعبہ، کتاب فضائل ابی بکر صدیقؓ، کتاب فضائل حسنین، فضائل الصحابہؓ، کتاب الاشربہ، کتاب ناسخ و منسوخ، کتاب منسلک الکبیر، کتاب منسلک الصغیر، کتاب التاریخ وغیرہ۔

امام احمدؒ کو صبر و توکّل، تقویٰ و استغنا میں بہت بلند مقام حاصل تھا، اس شان و عظمت کے باوجود امام صاحب نے کبھی عیش و عشرت کی تمنّا نہیں کی اور نہ کبھی کسی سے کچھ قبول کیا حسن بن عبدالعزیز نے ایک ایک ہزار کی تین تھیلیاں امام کی خدمت میں پیش کیں اور عرض کیا، یہ مال مجھے جائز طریقے سے میراث میں ملا ہے۔ ان میں سے کچھ حصّہ آپ قبول فرمائیں اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کریں، لیکن امام نے ایک اشرفی بھی قبول نہیں کی اور فرمایا: مجھے اس کی قطعاً حاجت نہیں ہے۔ امام صاحب کے بیٹے عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میرے والد ہر نماز کے بعد کہا کرتے تھے: خدایا! جس طرح تو نے میرے چہرے کو دوسروں کے سامنے جُھکنے سے بچایا ہے اسی طرح تو مجھے سوال کرنے سے محفوظ رکھ۔

ابو داؤد سجستانی کہتے ہیں کہ ان کی مجلس، مجلسِ آخرت ہوتی تھی۔ ان کی مجلس میں اُمورِ دین کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہیں ہوتا تھا۔ امام شافعیؒ کہتے تھے کہ میں نے بغداد میں پرہیزگاری تقویٰ اور علم میں احمدؒ بن حنبل سے زیادہ کسی کو نہیں پایا۔ احمد بن سعید دارمی کا بیان ہے کہ

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو احمدؒ بن حنبل سے زیادہ یاد رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ اسحٰق بن راہویہ کا تاثر تھا کہ امام احمدؒ خدا اور بندوں کے درمیان حجت ہیں۔

امام احمدؒ کا مذہب چار مشہور مذاہب میں سے ایک ہے۔ امام احمدؒ کی فقہ فقہِ حنبلی کے نام سے معروف ہے۔ اس فقہ کے بنیادی اصول پانچ ہیں:

۱۔ جب کسی مسئلہ میں صریح نص موجود ہو تو کسی کے اختلاف کی پروا نہ کی جائے۔

۲۔ جب کسی مسئلہ میں صحابی کا فتویٰ معلوم ہو جائے اور اس کے خلاف کسی صحابی کا قول نہ ہو تو پھر اسی کو اختیار کیا جائے۔ امام صاحب کے نزدیک صحابہ کے فتاویٰ کی اہمیت حدیث مرسل سے بھی زیادہ تھی۔

۳۔ جس مسئلہ میں صحابہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہو اس میں اس قول کو اختیار کیا جائے جو کتاب و سُنّت سے زیادہ قریب نظر آئے۔ اگر ترجیح ثابت نہ ہو سکے تو پھر صحابہؓ کے مختلف اقوال نقل کر دے، کسی ایک قول پر جزم نہ کرے۔

۴۔ اگر کسی مسئلہ میں ضعیف یا مرسل حدیث موجود ہو تو اُسے بھی قیاس پر مقدم رکھا جائے بشرطیکہ اس مسئلہ میں کوئی دوسری حدیث، صحابی کا قول یا اجماع مخالف نہ ہو۔
حدیث ضعیف سے مراد منکر یا باطل نہیں ہے۔ امام صاحب حدیث کی دو قسمیں کرتے ہیں: صحیح اور ضعیف۔ حدیث حسن ان کے نزدیک صحیح میں داخل تھی۔ ضعیف سے ان کی مراد حسن لغیرہ ہے۔ دوسرے ائمہ کے یہاں بھی یہ اُصول مسلّم ہے۔

۵۔ قیاس اس وقت جائز ہے اور وہ بھی بقدرِ ضرورت جب کسی مسئلہ میں منقول چیزیں نہ ہوں[1]

علماء نے مسند احمد کی ترتیب و تبویب کی طرف توجہ دی۔ موجودہ دور میں احمد بن عبدالرحمٰن البنّا نے اسے ابواب پر مرتب کیا ہے جو الفتح الربانی کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ شیخ احمد شاکر نے اس کی تحقیق و ترتیب کی طرف توجہ دی لیکن تکمیل سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا۔ صرف چند

---

[1] دیکھئے اعلام الموقعین ج ۱ ص ۲۳ تا ۲۵۔

جلدیں ہی شائع ہوسکیں۔ حافظ ابوالحسن ہیثمی نے مسند کی ان روایات کو جو صحاحِ ستہ سے زائد ہیں ابواب پر مرتب کیا۔ ابوالحسن بن الہادی نے اس کی ضخیم شرح لکھی۔ بعض علماء نے مسند کا اختصار بھی کیا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کے نزدیک مسند کی تخریج روایات کی شرط ابوداؤد کی شرط سے قوی ہے۔ (توجیہ النظر صہ ۱۵۴)

شاہ ولی اللہؒ مسند کو طبقۂ ثانیہ کی کتب کے قریب درجہ دیتے ہیں (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ صہ ۱۰۷)

حدیث کا یہ سب سے بڑا مجموعہ ہے۔ اس میں تقریباً ۳۰۰ ثلاثی روایات موجود ہیں۔

حافظ ابن حجر کے نزدیک مسند میں کوئی ایسی حدیث نہیں جو بے اصل ہو سوائے تین یا چار حدیث کے۔ ممکن ہے امام احمدؒ نے انہیں نکالنے کی وصیت کی ہو مگر وہ سہواً نکالنے سے رہ گئی ہوں۔

امام احمدؒ ان مخصوص لوگوں میں سے ہیں جو زندگی میں سخت آزمائش سے دوچار ہوئے امام احمدؒ پر مامون، معتصم اور واثق تینوں کے زمانے میں مصائب و شدائد کے پہاڑ توڑے گئے۔ ان پر اتنے کوڑے برسائے گئے کہ ہاتھی بھی ان کی تاب نہ لا سکے۔ آخر میں متوکل کے دورِ حکومت میں امام صاحب پر عقیدت و تعظیم اور شاہی عنایات و اکرام کی ایسی بارش کی جانے لگی کہ وہ پکار اُٹھے: ھٰذا الامر اشد علیّ من ذٰلک۔ "یہ میرے لیے اس مار اور قید و بند کے مقابلہ میں کہیں زیادہ سخت مصیبت ہے" ان تمام آزمائشوں کے باوجود امام نے اپنے لیے جو راہ پسند کی تھی اس سے لمحہ بھر کے لیے بھی نہ ہٹ سکے۔ علم دین کی جو خدمت ان کے پیش نظر تھی اس کو شاہی نفوذ و اثر سے اس طرح پاک رکھا جس طرح امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ وغیرہ نے تدوین علم دین کو شاہی نفوذ و اثر اور جاہلیت کے ادنیٰ شائبہ سے بھی ملوث نہیں ہونے نہیں دیا۔

امام بخاریؒ

ولادت ۱۹۴ھ ـــــ وفات ۲۵۶ھ

ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری ۱۳ شوال ۱۹۴ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بہت بڑے محدث تھے۔ والدہ بھی بزرگ تھیں۔ امام بخاری نے یتیمی کی حالت میں پرورش پائی۔ وہ نحیف الجسم تھے، قد نہ بہت لمبا تھا، نہ چھوٹا۔ حدیث سے آپ کا بچپن ہی سے تعلق تھا۔ ۲۰۵ھ سے حدیث کی سماعت شروع کی اور ۱۶ سال کی عمر میں عبداللہ بن المبارک اور وکیع کی جمع کی ہوئی حدیثیں یاد کر لیں اور اپنی والدہ اور اپنے بھائی کے ساتھ حج کے لیے مکہ گئے۔ حج سے فارغ ہو کر والدہ اور بھائی تو واپس آ گئے لیکن آپ حصولِ حدیث کی غرض سے حجاز میں ٹھہر گئے۔ امام بخاری نے علم حدیث کے لیے بہت سے سفر کئے۔ بخارا میں محمد بن سلام وغیرہ سے، بلخ میں مکی بن ابراہیم سے۔ بغداد میں عفان سے، مکہ میں المقری سے، بصرہ میں ابو عاصم سے، کوفہ میں عبداللہ بن موسیٰ سے، شام میں ابی المغیرہ سے، عسقلان میں آدم سے حمص میں ابو الیمان سے، دمشق میں ابو سہر سے علم حدیث حاصل کیا۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے بہت سے مقامات کا سفر کیا اور حدیث کی سماعت کی۔ ۱۸ سال کی عمر میں تالیف و تصنیف کا کام مدینہ میں شروع کیا۔ آپ نے صحابہ و تابعین کے واقعات اور ان کی عظمت اور ان کے اقوال و حالات پر مشتمل ایک کتاب تصنیف کی۔ اس کتاب کا نام التاریخ رکھا۔

امام بخاری نے علم حدیث کے لیے خراسان، جبال، عراق، شام اور مصر کا سفر کیا۔ شام و مصر اور جزیرہ دو بار گئے۔ حجاز میں ۶ سال قیام کیا۔ بصرہ چار مرتبہ گئے۔ کوفہ اور بغداد کئی مرتبہ گئے۔ حدیثیں جمع کیں۔ حفاظِ حدیث سے ملاقاتیں کیں۔ امام بخاری کے اساتذہ کی تعداد کثیر ہے۔ اساتذہ میں اسحٰق بن راہویہ، قتیبہ بن سعید، محمد عبداللہ انصاری، ابو عاصم النبیل، علی بن مدینی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، مکی بن ابراہیم، عبداللہ بن موسیٰ، ابو عاصم شیبانی، عبداللہ بن زبیر، حمیدی جیسی مقتدر ہستیاں شامل ہیں۔ امام بخاری کے شاگردوں

میں بڑے بڑے اہل علم، مشاہیر وقت محدثین شامل ہیں جیسے ابوزرعہ، ابو حاتم، ترمذی محمد بن نصر، ابن خزیمہ، محمد بن نصر مروزی، ابو عبداللہ الفربری، اور امام مسلم، نسائی وغیرہ امام بخاری سے روایت کرتے ہیں۔

امام احمدؒ بن حنبل کہتے ہیں کہ خراسان میں بخاری جیسا کوئی پیدا نہیں ہوا۔ ابراہیم خواص کہتے ہیں کہ میں نے ابوزرعہ کو امام بخاری کے سامنے بچوں کی طرح علل حدیث دریافت کرتے دیکھا ہے۔ دارمی جو عمر میں امام بخاری سے بڑے ہیں، بخاری کو ان سے عقیدت بھی تھی، کہتے ہیں، امام بخاری ہم سب میں بڑے عالم، سب سے بڑھ کر فقیہ اور علم کے لیے سب سے زیادہ جفاکش ہیں۔ ترمذی فرماتے ہیں کہ اسانید و علل میں امام بخاری سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہ پایا امام مسلم فرماتے ہیں کہ ان کے مثل دُنیا میں کوئی نہیں ہے۔ ابن خزیمہ کا بیان ہے کہ اس آسمان کے نیچے امام بخاری سے بڑھ کر میں نے کسی کو عالم حدیث نہیں دیکھا۔

امام بخاری کو علم حدیث سے جو شغف تھا اس کا اندازہ اس سے کیجئے۔ محمد بن ابی حاتم، وراق بخاری اور محمد بن یوسف فربری اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری ایک رات میں پندرہ پندرہ اور بیس بیس مرتبہ اُٹھ کر چراغ روشن کرتے، حدیث کا مطالعہ کرتے اور سو جاتے۔

امام بخاری کی تصنیفات حسب ذیل ہیں :

التاریخ الکبیر، التاریخ الاوسط، التاریخ الصغیر، قضایا الصحابہ والتابعین، الجامع الکبیر، خلق افعال العباد، کتاب الضعفاء والصغیر، مسند الکبیر، التفسیر الکبیر، کتاب الہبہ، کتاب الاشربہ، اسامی الصحابہ، کتاب الوحدان، کتاب المبسوط، کتاب العلل، کتاب الکنیٰ، کتاب الفوائد، جزء رفع الیدین، جزء قرآۃ خلف الامام، برالوالدین، کتاب الرقاق، الجامع الصغیر فی الحدیث، کتاب الادب وغیرہ۔

امام بخاری نے یوں تو بہت سی کتابیں لکھی ہیں جو ان کے علم و فضل کا شاہکار ہیں لیکن ان کا سب سے بڑا کارنامہ الجامع الصحیح یعنی صحیح بخاری ہے۔ صحیح بخاری کے مرتب کرنے کا خیال کیسے پیدا ہوا اس کے بارے میں امام بخاری کا خود اپنا بیان ہے

کہ ایک دن وہ اپنے استاذ اسحٰق بن راہویہ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ وہاں یہ بات آئی کہ اگر کوئی ایسی کتاب ہو جائے جس میں ایسی حدیثیں جمع ہوں جو صحت کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی ہوں تو کیا اچھا ہو۔ اس طرح تمام معتبر اور مستند حدیثیں ایک جگہ جمع ہو جائیں گی، اور حدیث کے طالب بے کھٹکے ان پر عمل پیرا ہو سکیں گے۔ اس مجلس کے بعد امام بخاری کے دل میں یہ خواہش مچلنے لگی کہ وہ اس عظیم خدمت کو اپنے ذمہ لیں۔ وہ خود کہتے ہیں: فوقع ذٰلك فی قلبی "میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی"۔ وہ اس کام کے لیے تیار ہو گئے۔

ایک وجہ اور ہوئی۔ وہ یہ کہ امام بخاری نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ میرے ہاتھ میں ایک پنکھا ہے جس سے میں آپ کے اوپر سے مکھیوں کو ہانک رہا ہوں۔ لوگوں سے تعبیر پوچھی تو معبّرین نے کہا: تم ان جھوٹی حدیثوں کو رفع کرو گے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔

امام بخاری کا شوق اور بڑھا اور جامع صحیح کی تالیف میں مصروف ہو گئے جس کے نتیجہ میں جامع بخاری جیسی حدیث کی بے مثل کتاب وجود میں آئی۔ خود امام بخاری کے بیان کے مطابق اس کتاب کی حدیثیں چھ لاکھ حدیثوں میں سے منتخب کی گئی ہیں[۱]۔ امام بخاری نے صرف ان ہی حدیثوں کو اس کتاب میں جمع کیا جو صحت کے اعتبار

---

[۱] ایک واقعہ جتنے مختلف سلسلے اور سند سے نقل ہو کر آتا ہے۔ محدّثین کی اصطلاح میں اُسے اتنی حدیث کہتے ہیں مثلاً ایک واقعہ اگر پچیس مختلف سندوں سے منتقل ہو کر آیا تو اسے ایک کے بجائے پچیس حدیثیں لکھیں گے۔ امام بخاری کے زمانے تک حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی کے ایک ایک واقعہ اور آپ کے ایک ایک ارشاد کو حدیث کے راوی بہت سی مختلف سندوں سے روایت کرتے تھے۔ اس طرح چند ہزار حدیثوں نے کئی لاکھ حدیثوں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اس کے علاوہ صحابہؓ کے اقوال و فتاویٰ بلکہ تابعین اور تبع تابعین کے اقوال وغیرہ کو بھی احادیث کے ساتھ نقل کیا گیا اس سے بھی قدرتاً روایات کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔

سے نہایت اعلیٰ درجہ کی ہیں، جو ان کے معیار پر پوری نہ اتر سکیں، اُن کو اُنہوں نے اِس کتاب میں جگہ نہ دی[1]۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ امام بخاری نے جن حدیثوں کو جامع بخاری میں نہیں لیا وہ سب کی سب غیر صحیح اور غیر معتبر ہیں۔ خود امام بخاری کا قول ہے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں[2]۔ حالانکہ بخاری میں جو حدیثیں انہوں نے لی ہیں ان کی مجموعی تعداد نو ۹ ہزار ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بخاری کے علاوہ بھی صحیح حدیثیں ہیں۔ ایک موقع پر کہتے ہیں کہ میں نے جو صحیح حدیثیں چھوڑی ہیں وہ میری منتخب کردہ احادیث سے زیادہ ہیں۔ ان کا اپنا یہ قول بھی ہے کہ میں نے اپنی اس کتاب میں کوئی ایسی حدیث داخل نہ کی جو صحیح نہ ہو۔ مگر بہت سی حدیثیں چھوڑ بھی دی ہیں تاکہ کتاب طویل نہ ہو جائے
(تاریخ بغداد ج ۲ ص ۸ - ۹، تہذیب النوی ج ا ص ۲۴، طبقات السبکی ج ۲ ص ۷)

بخاری میں جن صحابہ کی روایات شامل ہیں ان کی مجموعی تعداد ۲۰۸ ہے۔
(تلقیح فہوم اہل الاثر عبدالرحمٰن بن الجوزی ص ۱۹۷ - ۲۰۵)

صحیح بخاری سولہ سال کی مدت میں مکمل ہوئی۔ اس کتاب کے بارے میں امام بخاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کے مسودہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور اور منبر کے درمیان بیٹھ کر صاف کیا ہے۔ میں نے کوئی ایک حدیث بھی ایسی درج نہیں کی جس کی صحت کے بارے میں مجھے پورا اطمینان نہ ہو۔ وہ کہتے ہیں: جعلتہ حجۃ فی ما بینی و بین اللہ۔ ”میں نے اس کتاب کو اپنے اور خدا کے درمیان حجت بنایا ہے۔“

امام بخاری نے اپنی کتاب میں صحیح روایات ہی کو جگہ دی۔ اس کے علاوہ بخاری کی

---

[1] جتنی بھی سندوں سے امام بخاری تک کوئی حدیث پہنچی تھی وہ سندوں کی صحت اپنی شرائط کے مطابق جانچتے تھے۔ جو سندیں ان کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر ہوتیں انہیں اور ان کے ذریعہ پہنچی ہوئی روایات کو وہ منتخب کر لیتے تھے۔

[2] شروط الائمۃ الخمسہ۔ ص ۴۹۔

بعض دوسری خصوصیات بھی ہیں۔ امام بخاری نے اپنی اس کتاب میں فقہی مسائل اور حکیمانہ نکات کا بھی خیال رکھا ہے۔ وہ احادیث کے متن سے بہت سے معانی کا استنباط کرتے ہیں۔ احادیث کے ذخیرے سے انہوں نے فقہ کے علاوہ سیرت، اور تفسیر کا بھی استنباط کیا ہے۔ طرقِ استنباط ان کا مقصودِ اعظم ہے۔ کہا جاتا ہے: فقہ البخاری فی تراجمہٖ بخاری کا سارا کمال ان کے تراجم ابواب میں ہے۔ (لامع ص۲۴) اس کی اہمیت کے پیشِ نظر متقدمین اور متاخرین کی تراجم ابواب پر مستقل تصنیفات ہیں۔ امام بخاری کے پیشِ نظر طرق استنباط ہیں اسی لیے وہ ایک ہی حدیث کو استنباطِ مسائل یا کسی دوسرے مقصد سے متعدد مقامات پر نقل کرتے ہیں۔

امام بخاری ہر کتاب کے شروع میں کبھی کبھی زمانہ نزول اور اس کی مشروعیت کی ابتدا کی طرف بھی اشارہ کر جاتے ہیں۔ خاص طور سے جبکہ اس کے بارے میں کوئی اختلاف پایا جاتا ہو، ہر کتاب کے اختتام پر بھی وہ کوئی نہ کوئی ایسا لفظ لاتے ہیں جس سے کتاب کے خاتمہ کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ وہ ہر کتاب کے خاتمہ پر ایسا کوئی لفظ لاتے ہیں جس سے زندگی کے خاتمہ کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کتاب کو پڑھتے وقت موت کو مستحضر رہنا چاہیے۔

امام بخاری کے مسلک کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مختلف مسلک کے لوگوں نے انہیں اپنے مسلک کا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کسی نے انہیں شافعی المسلک کہا تو کسی نے حنبلی قرار دیا۔ علامہ طاہر جزائری کی نگاہ میں وہ مجتہد مطلق ہیں۔ (توجیہ النظر ص۱۸۵)

بخاری شریف میں کل سات ہزار دو سو پچھتر احادیث ہیں۔ مکررات کو حذف کرنے کے بعد ۴ ہزار حدیثیں رہتی ہیں۔ یہ علامہ نووی اور شیخ ابن صلاح کی رائے ہے (تدریب ص۳۰) بعض نے اس سے اختلاف بھی کیا ہے۔ صحیح بخاری کو براہ راست امام بخاری سے نوّے ہزار اشخاص نے پڑھا۔ اس کی سماعت کی اور املا کیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک ہر دور میں اس کے پڑھنے، سماعت اور روایت کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ آج عالم اسلام میں اس کتاب کے راویوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ جامع بخاری کو بجا طور پر "اصح الکتاب بعد کتاب اللہ" کہا جاتا ہے۔ صحیح بخاری کی علمائے حدیث نے ۵۳ شرحیں لکھی ہیں جن میں بعض شرحیں تو

چودہ چودہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں۔ اس کتاب کے ۲۲ مستخرج لکھے گئے[1] جن لوگوں کو اس کتاب کے مطالعہ کا موقعہ ملا ہے وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ یہ کتاب محض احادیث کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اسے اصول وعقائد سے لے کر اسلامی معاشرت، غزوات وسیر اور معاملات، سیاست وغیرہ علومِ اسلامی کی ایک مختصر انسائیکلو پیڈیا کہا جا سکتا ہے۔

امام بخاری علم وفضل کے ساتھ بے حد متقی اور پرہیز گار تھے۔ وہ حد درجہ محتاط اور تہمت کے محل سے دُور رہنے والے تھے۔ اس سلسلہ میں علامہ عجلونی نے ایک خاص واقعہ نقل کیا ہے۔ امام صاحب کو تحصیلِ علم کے زمانہ میں ایک بار دریا کا سفر پیش آیا۔ ان کے پاس ایک ہزار اشرفیاں تھیں۔ جہاز میں ایک شخص ان سے بہت گھل مل گیا۔ وہ خدمت میں حاضر ہوتا اور حُسنِ عقیدت کا اظہار کرتا امام بخاری کو بھی اس سے کچھ انس ہو گیا۔ انہوں نے اسے اپنی اشرفیوں کی اطلاع کر دی۔ ایک روز ان کا رفیق سو کر اُٹھا تو لگا رونے چلانے اور شور مچانے۔ اس نے اپنا سر پیٹنا اور کپڑے پھاڑنا شروع کر دیا۔ لوگ دوڑے اور پوچھنے لگے کہ کیا ہوا لیکن وہ تھا کہ چیختا ہی جا رہا تھا۔ لوگوں کے اصرار پر اس نے کہا کہ میرے پاس ہزار اشرفی کی ایک تھیلی تھی وہ گم ہو گئی۔ لوگوں کو اس پر رحم آ گیا اور کشتی کے مسافروں کے پیچھے پڑ گئے اور ایک ایک شخص کی تلاشی لی جانے لگی۔ امام بخاری نے آہستہ سے اشرفیوں کی تھیلی سمندر میں پھینک دی سب کے ساتھ امام بخاری کی بھی تلاشی لی گئی، جب کسی کے پاس تھیلی نہ نکلی تو لوگوں نے بہت ملامت کی کہ تو نے ناحق سب کو پریشان کیا۔

جہاز سے اُترنے کے بعد وہ تنہائی میں امام صاحب سے ملا اور کہا کہ آپ نے اشرفیوں کی وہ تھیلی کیا کی؟ امام صاحب نے فرمایا۔ میں نے اُسے سمندر میں پھینک دیا۔

اس نے کہا: آپ کے دل کو اس قدر کثیر رقم کا ضائع ہونا کیسے گوارا ہوا؟

امام بخاری نے کہا: تمہاری عقل کہاں ہے؟ کیا تمہیں خبر نہیں کہ میری تمام عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طلب میں ختم ہوئی۔ میری ثقاہت عالم میں مشہور ہے۔ کیا میرے لیے

---

[1] مستخرج کسے کہتے ہیں؟ اس کے لیے دیکھیں ص ۱۰۸۔

سرقہ کا اشتباہ اپنے اوپر لینا کسی بھی طرح مناسب تھا ؟ جس دولت (ثقاہت) کو میں نے تمام عمر میں حاصل کیا، کیا میں اُسے چند اشرفیوں کے عوض کھو دیتا ؟

امام بخاری ۲۵۰ھ میں نیشاپور گئے لیکن وہاں محض فتنہ انگیزی کے لیے مسئلۂ خلقِ قرآن کے بارے میں سوال و جواب پر انہیں مجبور کیا گیا۔ مجبور ہو کر اپنے وطن بخارا واپس آ گئے۔ لیکن وہاں والیٔ بخارا کو آپ کے خلاف بھڑکانے کے لیے لوگوں نے خطوط لکھے۔ محمد بن یحییٰ ذہلی نے بھی اس میں حصّہ لیا۔ اس پر والیٔ بخارا امام سے ناراض ہو گیا۔ کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ والیٔ بخارا کی خواہش تھی کہ امام بخاری اس کے گھر جا کر اس کے بچوّں کو الجامع الصحیح اور التاریخ الکبیر کی تعلیم دیں۔

امام بخاری کے دل میں حدیثِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بڑی عظمت تھی۔ جب امیر بخارا خالد بن احمد نے ان سے درخواست کی کہ وہ اس کی مجلس میں آ کر اپنی تالیف جامع اور تاریخ سُنائیں تو امام بخاری نے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا کہ میں علم کو ذلیل نہیں کرتا۔ حدیث سننی ہو تو میری مسجد میں آجایا کرو اگر بادشاہ ہونے کی وجہ سے میری بات بُری معلوم ہو تو مجھے حکماً روک دو تاکہ میں خدا کے سامنے اپنا عذر پیش کر سکوں کیونکہ میں علم کو چھپانے والا نہیں ہوں۔ اس نے کہا کہ کم از کم شہزادوں کے لیے ایک مجلس مخصوص کر دیں جس میں وہ آپ سے علم حاصل کریں۔ اس مجلس میں شاہزادوں کے علاوہ کوئی شریک نہ ہو۔ امام بخاری کو یہ تقسیم بھی گوارا نہ ہوئی۔ امام بخاری آزمائش سے دوچار ہوتے یہاں تک کہ انہیں اپنا وطن تک ترک کرنا پڑا۔

بخارا سے نکل کر امام بخاری نیشاپور گئے۔ یہاں کا امیر بھی ان کا دشمن ہو گیا۔ بالآخر سمرقند کے قریب خرتنگ مقام پر اقامت اختیار کی اور وہیں ۶۳ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ انہیں دفن کیا گیا تو ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔

امام مسلمؒ

ولادت ۲۰۶ھ — وفات ۲۶۱ھ

امام مسلم خراسان کے شہر نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ امام مسلم ایک جلیل القدر محدث تھے، ان کا شمار علمِ حدیث کے ائمہ میں ہوتا ہے۔ امام مسلم نے حصولِ علم حدیث کے لیے عراق، حجاز، مصر، شام وغیرہ بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا۔ یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، قتیبہ بن سعید، اسحاق بن راہویہ۔ امام ذہلی محمد بن مہران، امام احمد بن حنبل عبداللہ بن مسلمۃ، امام بخاری اور عبداللہ بن مسلمۃ العبنی، سعید بن منصور، ابومصعب سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان ائمہ حدیث کے علاوہ دوسرے بہت سے علماء و محدثین سے بھی حدیث کی سماعت کی۔ بغداد میں حدیث کا درس دینا شروع کیا جن لوگوں نے امام مسلم سے حدیث کی سماعت کی ان میں چند کے نام یہ ہیں: ابراہیم بن محمد، امام ابوعیسیٰ ترمذی، ابن خزیمہ، ابوحاتم رازی، ابوبکر بن خزیمہ، یحییٰ بن ساعدہ، ابوعوانہ وغیرہ۔

امام مسلم کے تمام ہم عصر اہل علم ان کے فضل و شرف کی شہادت دیتے ہیں۔ حدیث کی صحت و سقم پہچاننے میں انہیں خاص امتیاز حاصل تھا۔ امام مسلم کی تصنیفات بہت زیادہ ہیں۔ مثلاً مسند کبیر، جامع کبیر، کتاب العلل، کتاب الافراد، کتاب الاقران، کتاب موالات احمد بن حنبل، کتاب الانتفاع باہاب السباع۔ کتاب مشائخ شعبہ، کتاب اولاد الصحابہؓ، کتاب الطبقات، کتاب افراد الشامیین کتاب الملل، کتاب اوہام محدثین، کتاب تمیز، کتاب من لیس لہٗ الا راو واحد، کتاب طبقات مخضرمین، کتاب الاسماء الکنی، کتاب الوحدان، کتاب حدیث عمرو بن شعیب، کتاب مشائخ مالک، کتاب مشائخ ثوری، کتاب رواۃ الاعتبار وغیرہ امام مسلم کا عظیم کارنامہ جامع صحیح مسلم ہے۔ اس کتاب کے بارے میں حافظ ابوعلی نیشاپوری یہاں تک کہتے ہیں کہ:

ما تحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم فی علم حدیث

"علم حدیث میں آسمان کے نیچے "مسلم" سے بڑھ کر کوئی صحیح کتاب نہیں۔"

مغاربہ کی ایک جماعت بھی صحیح مسلم کو تمام کتابوں سے فائق قرار دیتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں

کہ جامع مسلم، امام مسلم کی شاہکار تالیف ہے جو فن حدیث کے عجائبات پر مشتمل ہے۔ روایات کی ترتیب تلخیص طرق، ضبطِ انتشار اور سرد اسانید کے اعتبار سے صحیح مسلم کا درجہ صحیح بخاری سے بھی بڑھا ہوا ہے

امام مسلم کا بیان ہے کہ میں نے اپنی صحیح کو تین لاکھ حدیثوں سے انتخاب کرکے مرتب کیا ہے امام مسلم نے اپنی کتاب میں صرف ان حدیثوں کو جگہ دی ہے جس کے راوی امام مسلم سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر دور اور ہر طبقہ میں کم از کم دو اشخاص رہے ہوں یعنی حدیث کو کم از کم دو صحابہؓ نے اور ان سے دو تابعی نے اور پھر ان سے دو تبع تابعین نے یہاں تک کہ امام مسلم سے دو راویوں نے روایت کی ہو۔ امام مسلم کے نزدیک راوی کے لیے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ وہ عادل ہے بلکہ ضروری ہے کہ وہ شہادت کی تمام شرطوں پر پُورا اُترتا ہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جو حدیثیں صحیح مسلم میں درج نہیں ہوئیں وہ سب کی سب ضعیف ہیں خود امام مسلم کا قول ہے: میں نے اپنی کتاب میں جو روایتیں جمع کی ہیں ان کو صحاح کہتا ہوں مگر میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ جو روایت میں نے نہیں لی ہے وہ ضعیف ہے۔ (توجیہ النظر صـ۹۱)

صحیح مسلم کی تعداد روایات مکررات کو حذف کرنے کے بعد ۴۰۰۰ ہے۔ یہ تعداد علامہ طاہر جزائری اور شیخ ابن صلاح کے بیان کے مطابق ہے (مقدمہ فتح الملہم صـ۱۹) مسلم نے جن صحابہؓ کی روایات اپنی کتاب میں شامل کی ہیں ان کی مجموعی تعداد ۲۱۸ ہے۔ بخاری میں یہ تعداد ۲۰۸ ہے ان میں سے ۱۴۹ رواۃ ایسے ہیں جو دونوں میں مشترک ہیں۔ راویوں میں ۵۵ ایسے ہیں جن کی مرویات ۱۰۰ یا ۱۰۰ سے زیادہ لی گئی ہیں (تلقیح عبدالرحمٰن بن الجوزی ص ۱۹۷ - ۲۰۵)

امام مسلم نے متونِ حدیث کو اس طرح مرتب کیا ہے کہ تعقید پیدا ہونے کا امکان باقی نہیں رہتا بلکہ اس طرح احادیث کے معانی واضح سے واضح تر ہوتے چلے جاتے ہیں جب کہ امام بخاری کے یہاں متون کی تقدیم و تاخیر یا اختصار و حذف وغیرہ کے سبب بعض مرتبہ تعقید پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بخاری ہی کے دوسرے طرق کے ذریعہ وہ دُور بھی ہوجاتی ہے۔ امام مسلم نے ہر ایک حدیث کے لیے ایک مناسب مقام تجویز کیا اور پھر وہیں اس حدیث کے تمام طریقوں اور اس کے مختلف الفاظ کو جمع کردیا۔ دیکھنے والے کو تمام طریقوں سے واقف ہوکر استفادہ کا موقع مل جاتا ہے۔ صحیح بخاری میں یہ بات نہیں ہے۔

امام مسلم حتیٰ الامکان الفاظ کی رعایت کرتے ہیں، روایت بالمعنیٰ نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ اگر ایک راوی نے دوسرے راوی سے ایک لفظ میں اختلاف کیا ہے گو دونوں لفظوں کے معنیٰ ایک ہی ہوں تب بھی وہ ہر ایک راوی کے لفظ کو بیان کرتے ہیں۔ ایک راوی نے "حَدَّثَنَا" کہا اور دوسرے نے "اَخْبَرَنَا"، کہا تو اس کو بھی وہ واضح کر دیتے ہیں اس لیے کہ ان دونوں میں ان کے نزدیک فرق ہے۔

امام مسلم نے تعلیقات (بے سند روایتوں کو بہت کم بیان کیا ہے لیکن بخاری میں تعلیقات کثرت سے ہیں۔

امام مسلم حدیث کے ساتھ صحابہ اور تابعین وغیرہ کے اقوال نہیں نقل کرتے۔ وہ نہیں چاہتے کہ حدیث دوسروں کے اقوال کے ساتھ مخلوط ہو۔ اس کے برخلاف امام بخاری حدیث کے ساتھ صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی لاتے ہیں۔

اس کے علاوہ ابن عقدہ کا بیان ہے کہ امام بخاری کی اکثر روایات اہل شام کی کتابوں سے لی گئی ہیں۔ اصل مؤلفوں سے سنی نہیں گئی ہیں جس کی وجہ سے کبھی امام بخاری کو راویوں کے سلسلے میں غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ ایک ہی راوی ہے۔ کہیں اس کی کنیت درج ہوتی ہے کہیں نام آتا ہے، امام بخاری اسے دو شخص سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن اس طرح کا مغالطہ امام مسلم کو پیش نہیں آتا۔

امام مسلم کے مسلک کی تعیین مشکل ہے صحیح مسلم کے ابواب امام مسلم نے خود قائم نہیں کیے ہیں اس لیے ان کے مذاہب کے بارے میں کچھ کہنا دشوار ہے۔ ان کے مسلک کے بارے میں مختلف رائیں ہیں۔ ایک رائے کے مطابق وہ کسی امام کے مقلد محض نہ تھے۔ ان کے اندر مجتہدانہ صلاحیت تھی۔ البتہ امام شافعیؒ وغیرہ اہل حجاز کی طرف مائل تھے (توجیہ النظر ص ۱۸۵)

صحیح مسلم پر بہت سی شرحیں و حواشی اور مستخرجات کی تصنیف ہوئی۔

امام ترمذی

ولادت ۲۰۹ھ وفات ۲۷۹ھ

امام ترمذی کی کنیت ابوعیسیٰ اور اسم گرامی محمدؐ بن عیسیٰ ہے۔ ترمذ میں پیدا ہوئے اسی لیے ترمذی کے نام سے مشہور ومعروف ہیں۔ ترمذ نہر جیحون کے کنارے ایک قدیم شہر ہے۔ امام ترمذی کا شمار امام بخاری کے مشہور شاگردوں میں ہوتا ہے۔ امام ترمذی نے امام مسلم اور ابوداؤد سے بھی حدیث کی سماعت کی ہے۔ خود امام بخاری نے بھی صحیح بخاری کے علاوہ اپنی دوسری کتابوں میں ترمذی سے روایت کی ہے۔ حدیث کی طلب میں امام ترمذی کوفہ، بصرہ، رے، خراسان اور حجاز میں سالوں سفر کرتے رہے ہیں، امام ترمذی جن محدثین سے حدیث روایت کرتے ہیں ان میں قیتبہ بن سعید، محمود بن غیلان، محمد بن بشار، احمد بن منیع اور محمد بن تنی، سفیان بن وکیع خاص ہیں۔ امام ترمذی نے مسلم، ابوداؤد اور ان کے اساتذہ سے بھی حدیث روایت کی ہے۔

امام ترمذی کے شاگردوں کی تعداد کافی ہے۔ ان میں محمد بن احمد اور ہثیم بن کلیب خاص طور سے مشہور ہیں۔ ان کے تلامذہ میں ابوالعباس احمد، محمد بن محبوب المروزی، ابوحامد احمد بن عبد مزوری وغیرہ بھی شامل ہیں۔ امام ترمذی کی قوتِ حافظہ کے بارے میں بہت سے واقعات مشہور ہیں، جو حدیث سُنتے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوجاتی تھی۔ جامع ترمذی ان کی معروف و مقبول تالیف ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ ایک اہم کتاب ہے، اور اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے اسے تمام کتابوں پر فوقیت حاصل ہے۔ امام ترمذی نے اس کتاب کی تالیف میں چند باتوں کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے۔

۱ ــــ حدیثیں نقل کرتے ہیں تو صحابہؓ کے ناموں کا ذکر لازماً کرتے ہیں تاکہ احادیث کی جو حیثیت بھی ہو مشہور متواتر یا آحاد وہ واضح ہوجائے۔

۲ ــــ روایت حدیث کے ساتھ اس سے ماخوذ مسائل، فقہاء کے مذاہب، ان کے اختلافات

اور ہر ایک مذہب کے استدلال بھی نقل کرتے ہیں۔ صحابہؓ اور تابعین کے مذاہب کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ان مذاہب کو بھی بیان کرتے ہیں جو متروک ہو چکے ہیں جیسے امام اوزاعی، سفیان ثوری، اسحاق بن ابراہیم مروزی وغیرہ کے مذاہب سے ہماری واقفیت ترمذی کے واسطے سے ہوتی ہے۔

۳۔۔۔ ہر موقع پر یہ بات ظاہر کر دیتے ہیں کہ راوی کس درجہ کا ہے، ضعیف ہے یا قوی۔ اسی طرح حدیث کے بارے میں بھی بتاتے چلتے ہیں کہ وہ صحیح ہے یا حسن ہے، غریب، منکر، ضعیف و معلل تو نہیں ہے۔

۴۔۔۔ رواۃ کے اسماء اور القاب و کنیت اور دیگر باتیں بھی ظاہر کرتے ہیں۔

۵۔۔۔ حسنِ ترتیب اور عدم تکرار کا خیال رکھا ہے۔

امام ترمذی نے اہل عراق اور اہل حجاز دونوں ہی کے مسائل پر الگ الگ باب قائم کر کے حدیثیں پیش کی ہیں۔ ہر باب کے تحت جتنے صحابہؓ کی حدیثیں ان کے پیش نظر تھیں ان سب کی طرف صحابہؓ کے نام لے کر اشارے کر دیتے ہیں۔ امام ترمذی کا بیان ہے کہ انہوں نے جامع ترمذی میں دو حدیثوں کے علاوہ کوئی حدیث ایسی نہیں لی جس پر کسی نہ کسی کا عمل نہ ہو۔ لیکن ان دونوں حدیثوں پر بھی بعض اہل علم کا عمل ہے۔ آخر میں کتاب العلل عمدہ فوائد پر مشتمل ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ابو عیسیٰ ترمذی نے شیخین کے طریقے کو جو ابہام و تبیین کا راستہ تھا اور ابو داؤد کے طریقے کو جو فقہاء کے مستدلات کا بیان تھا حسن و خوبی کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ مزید برآں صحابہؓ و تابعین اور فقہاء کے مذاہب کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔ حدیث کے طرق کو بھی نہایت لطیف انداز میں مختصر کیا ہے۔ وہ ایک حدیث کا ذکر کر کے اس باب کی پوری روایات کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ اور حدیث کی حیثیت بیان کر دیتے ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص ۱۲۱)

حدیث کے سلسلے میں امام ترمذی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک درمیان میں کم سے کم واسطے تین ہیں اور زیادہ سے زیادہ دس واسطے ہیں۔ ایسی حدیث کو جو صرف تین واسطوں سے پہنچی ہو ثلاثی کہتے ہیں۔ جامع ترمذی میں ایک ایسی حدیث ہے جس میں تین ہی واسطے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ جامع ترمذی بعض پہلوؤں سے بہترین کتاب ہے۔ خود امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب عراق، حجاز اور خراسان کے علماء کے سامنے پیش کی، انہوں نے پسند کیا اور کہا:

من کان فی بیتہ ھذا الکتاب فکأنما فی بیتہ نبیؐ یتکلم

"جس کسی کے گھر میں یہ کتاب ہو گویا اس کے گھر میں رسول ہے جو گفتگو کرتا ہے۔"

امام ترمذی کی ایک کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حلیہ پر بھی ہے۔

امام ترمذی کے مذہب کے بارے میں مختلف رائیں ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ ان پر مجتہدانہ رنگ غالب تھا۔ موافقت کی کثرت کی بنا پر بآسانی انہیں کسی ایک مذہب کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۲۲) اس لحاظ سے شافعی کی طرف ان کا انتساب کیا جاسکتا ہے۔

امام موصوف نقد روایات میں تساہل واقع ہوئے۔ ان کے فیصلہ پر تحقیق کے بعد ہی عمل کیا جانا چاہیے۔ جامع ترمذی کی متعدد شرحیں اور حواشی و مستخرجات ملتے ہیں، چند کے نام یہ ہیں عارضۃ الاحوذی لابن العربی مالکی، قوت المغتذی، تحفۃ الاحوذی وغیرہ۔

امام ترمذی نہایت خدا ترس انسان تھے۔ خدا کا خوف اور خشیت ان پر اتنی غالب رہتی تھی کہ وہ گریہ وزاری کرتے رہتے بالآخر ان کی بینائی جاتی رہی۔ لوگوں کی رائے ہے کہ امام بخاری نے علم وحفظ اور زہد وتقویٰ میں امام ترمذی جیسا کوئی شاگرد نہیں چھوڑا۔

ابو داؤد

ولادت ۲۰۲ھ ـــ وفات ۲۷۵ھ

ابو داؤد سلیمان بن الاشعث سجستان کے رہنے والے تھے۔ یہ قندھار اور چشت کے قریب ایک مقام ہے۔ ابو داؤد نے زندگی کا بڑا حصہ بغداد میں گزارا۔ انہوں نے اپنی سنن

کی تالیف بغداد میں کی۔ طلب علم اور حصول حدیث کے لیے عراق، خراسان، مصر، شام، حجاز، الجزائر وغیرہ بلاد اسلامیہ کا سفر کیا۔ علماء و محدثین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے روایتِ حدیث کی اجازت حاصل کی۔ ابو داؤد نے مسلم بن ابراہیم، سلیمان بن حرب، یحییٰ بن معین عبداللہ بن مسلمہ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان کے اساتذہ میں امام بخاری اور امام کے اساتذہ مثلاً امام احمد بن حنبل، قعنبی ابو الولید طیالسی، مسلم بن ابراہیم، یحییٰ بن معین، عثمان بن ابی شیبہ اور قتیبہ بن سعید وغیرہ شامل ہیں۔ ابن حجر کے اندازے کے مطابق ان کے شیوخ کی تعداد ۳۰۰ سے زائد ہے۔ جن میں امام بخاری کے بہت سے شیوخ شریک ہیں۔ خود آپ سے روایت کرنے والوں میں ابو عبدالرحمٰن نسائی اور احمد بن محمد خاص طور سے معروف ہیں۔ ترمذی اور نسائی جیسے ائمہ حدیث کا شمار آپ کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ امام احمد بن حنبل، ابو داؤد کے استاد ہیں۔ لیکن امام احمد کے بعض اساتذہ نے ابو داؤد سے روایت کی ہے۔ امام ابو داؤد نے بصرہ میں سکونت اختیار کی تھی۔ یہاں کے لوگوں نے آپ سے حدیثوں کی سماعت کی اور آپ کی کتاب کو نقل کیا۔

امام ابو داؤد کی مشہور تالیف سُنن ابو داؤد ہے۔ ابو داؤد نے اپنی کتاب میں صحیح یا حسن سے کم درجہ کی حدیث نہیں لی ہے۔ سنن ابو داؤد میں ایک ثلاثی بھی ہے، امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے جب یہ کتاب پیش کی گئی تو انھوں نے اس کو بہت پسند کیا۔ ابن عربی کہتے ہیں کہ ابو داؤد کی کتاب وہ جامعیت رکھتی ہے کہ اگر کسی کے پاس قرآن اور یہ کتاب ہو تو پھر اسے ضروریاتِ دین کے جاننے میں کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔ امام ابو داؤد کا اپنا قول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ۵ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ ان میں سے احادیث منتخب کر کے یہ کتاب (سُنن ابو داؤد) مرتب کی ہے۔ اس میں ۴ ہزار ۸ سو حدیثیں جمع کی ہیں۔ صحیح اور مشابہ اور صحیح مقارن صحیح کو لکھا ہے۔ انسان کو دین کے سمجھنے اور اس پر چلنے کے لیے ان میں سے ۴ حدیثیں کافی ہیں:

اوّل: انما الاعمالُ بالنیات۔

"اعمال نیتوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔"

دوم: مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَا یَعْنِیْہِ

"یہ آدمی کے اسلام کی خوبی و حُسن میں ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے۔"

سوم: لا یکون المؤمن حتی یرضی لاخیہ ما یرضاہ لنفسہ

"مومن اس وقت تک مومن نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"

چہارم: الحلال بَیّنٌ وَالحرام بَیِّنٌ و بین ذٰلک امور مشتبہات فمن اتّقی الشبہات استبرأ لدینہٖ

"حلال اور حرام دونوں واضح ہیں اور جو کچھ اس کے درمیان ہے مشتبہات ہیں پس جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنے دین کو بے داغ رکھا۔"

سُنن ابی داؤد میں ۶۰۰ مراسیل بھی ہیں۔ امام شافعیؒ کے علاوہ جمہور اُمت کے نزدیک مرسل حدیث کو دین میں حجت کا درجہ حاصل ہے۔

ابو داؤد کا فقہی مسلک کیا تھا؟ اس میں اختلاف ہے۔ شیخ ابو اسحٰق شیرازی انہیں حنبلیوں میں شمار کرتے ہیں۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ ابو داؤد اپنے عام طور طریق میں امام احمد بن حنبلؒ کے قدم بقدم تھے۔ ان کی سنن سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان کی کتاب کے مطالعے سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ امام ابو داؤد نے فقہا کے مستدلات کو اپنی کتاب میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ امام ابو داؤد کا اپنا بیان ہے کہ میری اس کتاب میں مالکؒ، ثوریؒ، شافعی وغیرہ کے مذاہب کی بنیادیں موجود ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ان کا مقصد ایسی احادیث کو یکجا کرنا تھا جن سے فقہا۔ استدلال کرتے ہیں، جو ان میں مروج ہیں اور جن کو علماء بلاد نے احکام کی بنا قرار دی ہے۔ امام ابو داؤد نے اپنی سنن کی تالیف اسی غرض کے پیش نظر کی (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول صہ ۲۵) اسی لیے یہ بات کہی گئی ہے کہ ایک مجتہد کے لیے یہ کافی ہے، احکام کے استیعاب کے سلسلہ میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے۔
(تدریب الراوی صہ ۵۵)

علامہ ابن قیمؒ کے نزدیک امام موصوف نے ایسی کتاب لکھی ہے جو مسلمانوں کے درمیان

حَکَم اور اختلافی مسائل میں فیصلہ کُن ثابت ہوئی۔

امام ابوداؤد بھی طویل حدیث کو مختصر بیان کرتے ہیں تاکہ اس کی فقاہت سننے والوں کی گرفت میں آسکے۔ جب وہ ایک باب میں دو یا تین حدیثیں لاتے ہیں تو بالعموم ان کا مقصد کسی خاص نقطہ نظر کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ کبھی ترجمۃ الباب اس طرح قائم کرتے ہیں جس سے مقصود ترجمہ کے الفاظ کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔

سنن کے علاوہ امام ابوداؤد کی دوسری تالیفات و تصنیفات بھی ہیں۔ مراسیل، الرد علی القدریۃ الناسخ والمنسوخ، ما تفرد بہ اہل الامصار، فضائل الانصار، مسند مالک بن انسؓ، المسائل فی معرفۃ الاقات والاخوۃ، کتاب بدء الوحی، ان کی کتابیں ہیں۔ (تدریب ص۲۲ و تہذیب التہذیب ج ا ص۴۹)

سنن ابی داؤد کی متعدد شرحیں اور حواشی و مستخرجات لکھے گئے ہیں۔ چند مشہور و متداول شروح و حواشی یہ ہیں معالم السنن للخطابی، مرقات السعود للسیوطی، المجتبیٰ للمنذری، تہذیب السنن لابن قیم، فتح الودود للسندی، التعلیق المحمود اور بذل المجہود۔

ابو بکر خلال کہتے ہیں کہ ابوداؤد اپنے زمانہ میں حدیث کے امام ہیں۔ کوئی ان کے علمی مرتبہ اور بصیرت کو نہیں پہنچ سکا۔ احمد بن محمد بردی کا بیان ہے کہ ابوداؤد حافظ حدیث اور پرہیزگار تھے اور حدیث کے اسناد اور نقائص کو اچھی طرح جانتے تھے۔ محمد بن اسحاق الساغانی کہتے ہیں:

أُلین لِاَبی داؤد الحدیث کما الین لداؤد الحدید

"علم حدیث ابوداؤد کے لیے اس طرح نرم کر دیا گیا ہے جس طرح حضرت داؤدؑ کے لیے لوہا نرم کر دیا گیا تھا۔"

اس طرح کا قول ان کے بارے میں ابراہیم بن حربی سے بھی منقول ہے۔ حافظ موسیٰ بن ہارون کہتے ہیں:

خلق ابوداؤد فی الدنیا للحدیث وفی الآخرۃ للجنۃ ما رأیت افضل منہ۔

"ابوداؤد دُنیا میں حدیث کے لیے اور آخرت میں جنّت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں

میں نے ان سے افضل کسی شخص کو نہیں دیکھا۔"
ابوداؤد کی زندگی کے آخری چار سال بصرہ میں گزرے بصرہ میں ہی جمعہ ۲۷۵ھ کو وفات پائی۔

ابن ماجہؒ

ولادت ۲۰۹ھ ــــ وفات ۲۷۳ھ

اسم گرامی محمد بن یزید بن ماجہ اور کنیت ابو عبداللہ ہے۔ قزوین کے رہنے والے تھے یہ عراق اور عجم کے درمیان ایک شہر ہے۔ امام مالک کے شاگردوں سے آپ نے علم حدیث حاصل کیا ہے تحصیلِ علم حدیث کے لیے کوفہ، بصرہ، بغداد، مکّہ، شام، رے، مصر کا سفر کیا۔ جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان میں جبارہ بن المغلس، ابراہیم بن المنذر، ہشام بن حماد، ابن نمیر وغیرہ خاص ہیں۔ ابوبکر بن ابی شیبہ ان کے خصوصی استاذ تھے۔ اس کے علاوہ ان کے شیوخ میں امام مالک اور لیث کے تلامذہ بھی ہیں جن کی فہرست طویل ہے۔

حدیث میں سُنن ابن ماجہ ان کی معروف تالیف ہے۔ یہ کتاب چار ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں ثلاثی احادیث بھی کافی تعداد میں ملتی ہیں۔ اس کتاب کو اکثر علماء و محدّثین صحاحِ ستّہ میں شمار کرتے ہیں۔ ابن ماجہ میں ایک حدیث منکر بلکہ موضوع نقل ہو گئی ہے جس کی وجہ سے بعض لوگ اسے صحاحِ ستّہ میں شمار نہیں کرتے[1] علامہ ابن خلکان نے ابن ماجہ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہیں فنِّ حدیث میں امامت کا درجہ حاصل ہے۔ علومِ حدیث اور متعلقاتِ حدیث میں وہ عالمیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ محدث ابویعلی خلیلیؒ، علامہ ذہبیؒ، حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے بھی امام موصوف کو خراجِ تحسین پیش کیا

---

[1] یہ وہ حدیث ہے جو ابن ماجہ کے وطن قزوین میں منقول ہوئی ہے۔ علماء کے نزدیک یہ حدیث منکر بلکہ موضوع ہے۔ اس کے علاوہ کچھ دوسری روایتوں کی صحت میں بھی ناقدینِ حدیث کو کلام ہے۔

ہے اور ان کے تبحر علمی کا اعتراف کیا ہے۔

ابن ماجہ کا بیان ہے کہ میں نے یہ کتاب حافظ ابو زرعہ کے سامنے پیش کی تو انہوں نے کہا کہ اس میں تیس سے زیادہ ضعیف حدیثیں نہیں ہیں۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ اگر اس میں چند کمزور قسم کی حدیثیں نہ ہوتیں تو یہ کتاب بہت ہی عمدہ ہوتی۔

ابن ماجہ کو حسنِ ترتیب اور احادیث کی عدمِ تکرار کے لحاظ سے دوسری کتابوں کے مقابلہ میں امتیاز حاصل ہے۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہ کتاب بہترین، جامع اور بکثرت ابواب و نوادر پر مشتمل ہے۔

سنن ابن ماجہ کی ترتیب و تبویب مسائل فقہ کے لحاظ سے ہے۔ اس میں بہت سی ایسی نادر حدیثیں پائی جاتی ہیں جو صحاحِ خمسہ میں نہیں ملتیں۔ ابن ماجہ مختلف شہروں کی مخصوص روایات کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ احادیث کے ذیل میں بعض ایسے واقعات کی طرف بھی اشارہ کر جاتے ہیں جن سے اس عہد کے مسلمانوں کے اس تعلق کا پتہ چلتا ہے جو انہیں حدیثِ نبوی سے تھا۔ ابن ماجہ میں پانچ ثلاثی روایات ہیں۔ حافظ ابو زرعہؒ سنن ابن ماجہؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی تو فنِ حدیث کی اکثر جوامع اور تالیفات معطل ہو کر رہ جائیں گی۔ (بستان ص۱۲۳)

اس سنن میں ۳۲ کتابیں ہیں۔ ابواب کی تعداد ۱۵۰۰ ہے۔ کُل احادیث ۴۰۰۰ ہیں (بستان المحدثین) اس میں بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جو مؤطا میں نہیں ہیں۔

جن علماء نے اس کتاب پر مختلف طریقوں سے کام کیا ہے۔ ان میں علامہ شمس الدین ذہبی، حافظ ابن رجب حنبلی، حافظ ابن عمر بن علی الملقن الشافعی، الشیخ الدمیری، حافظ ابن العجمی، حافظ جلال الدین سیوطی۔ حافظ ابوصیری وغیرہم ہیں۔ شیخ سراج الدین عمر بن علی الملقن نے صرف زوائد یعنی ان روایات کی شرح کی ہے جو کتب خمسہ میں موجود نہیں ہیں۔

ابن ماجہ کے خصوصی تلامذہ میں ابوالحسن قطان اور عیسیٰ الاہبری کے نام آتے ہیں۔ ابوالحسن قطان سنن کے راوی ہیں۔

ابن ماجہ کی اس سنن کے علاوہ دو کتابیں اور بھی ہیں۔ ایک تاریخ پر دوسری کتاب

کا موضوع تفسیر ہے۔ تاریخ میں صحابہ کے زمانہ سے اپنے زمانہ تک کے حالات جمع کیے ہیں۔

ابن ماجہ کے مسلک کے بارے میں متعین طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نزدیک ان کا میلان امام احمدؒ کی طرف تھا۔ علامہ طاہر جزائری فرماتے ہیں کہ ابن ماجہؒ علماء وائمۂ مجتہدین میں سے کسی کے مقلد نہ تھے بلکہ ائمۂ حدیث امام شافعیؒ احمد، اسحاق اور ابو عبیدہ کے قول کی طرف ان کا میلان تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اہلِ عراق کے مذہب کے مقابلہ میں ان کا میلان اہل حجاز کے مذہب کی طرف تھا۔ (توجیہ النظر صـ۱۸۵)

ابن ماجہ کے حالات زندگی کُتبِ تاریخ میں تفصیل سے نہیں ملتے لیکن انہوں نے جو علمی ورثہ چھوڑا ہے وہ انہیں زندۂ جاوید رکھنے کے لیے کافی ہے۔ ۶۴ سال کی عمر میں شہر قزوین میں انتقال فرمایا۔

امام نسائیؒ

ولادت ۲۱۵ھ ــــ وفات ۳۰۳ھ

ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب النسائیؒ خراسان کے شہر نسا کے رہنے والے تھے۔

امام نسائیؒ بڑے شکیل و وجیہ تھے۔ بڑھاپے میں بھی حسن و تر و تازگی باقی تھی۔ وقت کے مشہور علماء اور محدثین کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حدیث حاصل کیا۔ اس سلسلہ میں خراسان، حجاز، عراق، شام، مصر، جزیرہ وغیرہ کا سفر اختیار کیا۔ سب سے پہلے قتیبہ بن سعید کے پاس حاضر ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۱۵ سال تھی۔ وہ ان کی خدمت میں ایک سال دو مہینے تک رہے۔ جن سے انہوں نے حدیث کی سماعت کی، ان میں قتیبہ بن سعید کے علاوہ ہناد بن سَری، محمد بن بشار، یونس بن عبد الاعلیٰ، اسحاق بن راہویہ محمد بن نصر، محمد بن غیلان، ابو داؤد سلیمان بن اشعث، علی بن حجر وغیرہ شامل ہیں۔ حافظ ابن حجر نے امام بخاری کو بھی نسائی کے اساتذہ میں شمار کیا ہے۔ ابو زرعہ رازی، ابو حاتم رازی

سے بھی نسائی کا روایت کرنا ثابت ہوتا ہے۔ امام نسائی کے تلامذہ میں عبدالکریم، ابوعلی حسن بن خضر سیوطی، ابوبکر احمد بن اسحاق، حافظ ابوالقاسم طبرانی، ابوجعفر طحاوی، احمد بن محمد مہندس وغیرہ شامل ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد کثیر ہے۔

امام نسائیؒ نے فنِ حدیث اور علل پر کئی کتابیں لکھیں۔ امام نسائیؒ نے پہلے سُنن کبریٰ تالیف کی۔ امیرِ وقت نے ان سے پوچھا کہ اس کتاب میں جتنی حدیثیں ہیں کیا وہ سب صحیح ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں، بعض صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں۔ امیر نے کہا کہ میرے لیے ایک ایسا مجموعہ مرتّب کر دیں جس میں صرف صحیح احادیث ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے سنن صغریٰ تالیف کی اس کو سنن مجتبیٰ بھی کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسند علی، مسند مالک الکنی، مسند منصور بن زاذان اسماء رواۃ والتمیز بینہم وغیرہ ان کی کتابیں ہیں۔ سنن کے بارے میں حافظ محدث ابوالحسن معافری المتوفی ۴۰۳ھ جو امام دارقطنی اور حاکم کے معاصرین میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ تمام محدّثین کی جمع کردہ احادیث پر نظر ڈالو گے تو جس حدیث کی نسائیؒ نے تخریج کی ہوگی وہ دوسروں کی روایت کردہ حدیث کے مقابلہ میں صحت سے زیادہ قریب ہوگی۔ اس لیے بعض مغاربہ صحیح بخاری پر اس کی ترجیح کے قائل ہیں[۱]

امام موصوف نے تراجم امام بخاری کے طرز پر قائم کیے ہیں جو مہتم بالشان ہیں۔

صحاحِ ستّہ کے مؤلّفین نے اپنے ذوق و رجحان کے مطابق اپنی کتابوں کو مرتب کیا ہے امام بخاریؒ کے پیشِ نظر طرقِ استنباط و استخراج مسائل ہے۔ امام مسلم نے صحیح احادیث کو مختلف اسانید سے یکجا کر دیا ہے۔ ابوداؤد نے ائمہ کے مستدلات کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ ترمذیؒ کے پیشِ نظر بیان مذاہب ہے۔ نسائی علل حدیث پر تنبیہ کرتے ہیں۔ ابن ماجہ نے غیر معروف روایات کو بیان کرنا اپنے پیشِ نظر رکھا۔

سنن نسائیؒ کی شروح و تعلیقات کی طرف علماء نے بہت کم توجہ کی ہے۔ ان کی توجہ احادیث کے دوسرے مجموعوں کی طرف صرف ہوئی ہے۔ ۶ صدی گزر جانے کے بعد علامہ جلال الدین

---

[۱] مقدمہ زہرالربی۔

سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ نے اس پر تعلیق لکھی۔ علامہ نے اس تعلیق کا نام زہر الربی رکھا۔ دوسری تعلیق یا حاشیہ محمد بن عبد الہادی سندی المتوفی ۱۱۳۸ھ کا ہے۔ یہ سوطی کی تعلیق سے زیادہ مفصّل ہے تیسری شرح، شرح الملقن ہے جس کے مصنف عمر بن علی بن محمد المتوفی ۸۰۴ھ ہیں۔ ان کی کنیت ابوحفص اور لقب سراج ہے۔ انھوں نے زوائد النسائی علی الاربعہ ایک جلد میں مرتب کی تھی۔ اس میں نسائی کی ان احادیث کی شرح کی تھی جو بخاری، مسلم، ترمذی اور ابوداوٗد میں مروی نہیں ہوئی ہیں۔ (کشف الظنون جلد ۲ ص ۳۶) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے بھی اس پر تعلیق لکھی ہے۔ جس میں مولانا خلیل احمدؒ، مولانا محمد یحییٰ وغیرہ کے افادات بھی آگئے ہیں ــــ

امام نسائی کی کتاب مناسک الحج سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شافعی المذہب تھے۔ لیکن ان کی سنن کے مطالعہ سے ایسے شواہد بھی سامنے آتے ہیں جن سے انہیں حنبلی بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔

ابن الحداد شافعی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے اور خدا کے درمیان نسائی کو واسطہ بنایا ہے ابن ظاہر کہتے ہیں کہ امام ابوالقاسم سعد بن علی زنجانی کا بیان ہے کہ راویوں کے بارے میں نسائی کی شرائط بخاری و مسلم سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

دیگر علماء و محدثین نے بھی امام موصوف کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ نسائی اپنے زمانے کے تمام محدثین سے بلند مرتبہ تھے۔[1] حافظ ابوعلی نیشاپوری کا قول ہے کہ انہیں بغیر کسی تقابل کے حدیث میں امانت کا درجہ حاصل ہے۔[2] حافظ شمس الدین ذہبی "سیر اعلام النبلاء" میں لکھتے ہیں کہ وہ مسلم، ترمذی اور ابوداوٗد سے حدیث، علل حدیث اور علم الرجال میں بھی زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔ اور بخاری و ابوزرعہ کے ہمسر ہیں۔

امام موصوف کچھ دنوں تک حمص میں قضاء کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔[3]

امام نسائی ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ چار عورتیں ان کے

---

[1] تہذیب۔ [2] تہذیب التہذیب [3] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۲۳

نکاح میں تھیں۔

امام نسائیؒ کی وفات بہت ہی مظلومانہ حالت میں ہوئی۔ انہوں نے ایک کتاب تالیف کی جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے مناقب اور حالات بیان کیے۔ انہوں نے چاہا کہ دمشق کی جامع مسجد میں اُسے لوگوں کو سُنائیں تاکہ بنو اُمیّہ کی حکومت کے اثر سے حضرت علیؓ کے بارے میں جو غلط خیالات لوگوں میں پیدا ہوگئے ہیں وہ دُور ہوں۔ چنانچہ ایک دن مسجد میں کتاب پڑھنی شروع کی۔ ابھی وہ تھوڑا ہی حصّہ پڑھ سکے تھے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ امیر معاویہؓ کے مناقب بھی آپ نے لکھے ہیں یا نہیں؟ نسائیؒ نے کہا: امیر معاویہؓ کی شخصیت اور ان کی نجات سے انکار نہیں لیکن ان کے مناقب حضرت علیؓ کے مقابلہ میں اتنی اہمیت نہیں رکھتے کہ ان کو لکھوں۔" پھر کیا تھا لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور اتنا مارا کہ اُٹھنے کی بھی سکت نہ رہی۔

ابھی جان باقی تھی، لوگ رملہ (بیت المقدس سے ۱۸ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمان کا دارالسلطنت تھا) لے گئے۔ وہیں ان کا انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ کچھ مؤرخین کہتے ہیں کہ خدّام انہیں مکّہ لے گئے تھے اور وہ صفا و مروہ کے درمیان سپرد خاک کیے گئے، لیکن دارقطنی نے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد رملہ میں دفن ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ منذری کے قول سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ابن ابی الدنیا

ولادت ۲۰۸ھ ــــ وفات ۲۸۱ھ

ان کا نام عبداللہ بن عبید بن سفیان بن قیس ہے۔ کنیت ابوبکر ہے۔ ابن ابی الدنیا کے نام سے مشہور و معروف ہوئے۔ ان کے والد بنی اُمیّہ کے موالی میں سے تھے، اس لیے

انہیں قرشی اور اموی بھی کہتے ہیں۔ ان کا مولد و مسکن بغداد تھا۔ ۲۰۸ھ میں پیدا ہوئے انہوں نے علی بن الجعد، خلف بن ہشام، سعید بن سلیمان اور دوسرے علمائے حدیث سے علم حاصل کیا۔ خود ان سے علم حدیث کا استفادہ کرنے والوں میں ابوبکر شافعی صاحب غیلانیات اور حارث بن اسامہ صاحب مسند شامل ہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ ان سے مقدم ہیں۔ ان کے علاوہ ابوبکر نجار، حمد بن خزیمہ اور دوسرے علماء نے ان سے علم حدیث کا استفادہ کیا۔

ابن ابی الدنیا خلیفہ المعتضد عباسی کے اتالیق تھے۔ خلیفہ المعتضد سے پہلے بھی چند خلفاء کے اتالیق رہ چکے ہیں۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں: کتبت عنہ مع ابی وکان صادقا "میں نے اور میرے والد نے ان سے حدیثیں لکھی ہیں۔ وہ بڑے ہی سچے آدمی تھے۔"

ابن ابی الدنیا کو یہ کمال حاصل تھا کہ اگر چاہتے تو ایک کلمہ میں ہنسا دیتے اور چاہتے تو رُلا دیتے۔ ابن ابی الدنیا کا شمار اخبار و سیر کے ثقہ مصنفین میں ہوتا ہے۔ ان کی کتابیں سنو سے زیادہ ہیں، کتاب الدُعا۔ ان کی ایک عمدہ کتاب سمجھی جاتی ہے، اس سلسلہ کی اُن کی دوسری کتاب 'مجاب الدعوۃ' ہے۔

جمادی الاول ۲۸۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ایک بیان کے مطابق ان کی وفات ۲۸۲ھ میں ہوئی۔

امام طحاوی

ولادت ۲۳۷ھ ـــــ وفات ۳۲۱ھ

احمد بن محمد ابوجعفر الطحاویؒ کا تعلق یمن کے مشہور قبیلہ اُزد کی شاخ حجر سے تھا۔ امام کے آباء و اجداد فتح اسلام کے بعد مصر میں آباد ہو گئے تھے۔ طحا مصر میں ایک قریہ ہے جس کی طرف منسوب ہو کر طحاوی کہلاتے۔

آپ خاص طحا کے رہنے والے نہ تھے بلکہ اس کے قریب ایک مختصر سی آبادی طحطوط

کے باشندہ تھے[1]

مصر کو حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں فتح کیا تھا یہاں ۳۰۰ صحابۂ کرامؓ کے مبارک قدم آئے تابعین کے زمانہ میں بھی یہاں علم کا بول بالا رہا ہے۔ عمرو بن الحارث، یحییٰ بن ایوب، حیوۃ بن شریح، لیث بن سعد اور ابن لہیعہ کے زمانہ میں علم میں بھی اور ترقی ہوئی۔ اور یہ سلسلہ ابن وہب، امام شافعیؒ اور ابن القاسم اور ان کے تلامذہ تک قائم رہا۔ امام شافعی کے مذہب کی تدوینِ جدید ہوئی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت نافعؒ کو جو تیس سال تک عبد اللہ بن عمرؓ کی خدمت میں رہ چکے ہیں معلم بنا کر مصر بھیجا تھا۔ لیث بن سعد کے بارے میں امام شافعیؒ نے فرمایا ہے: ”لیث امام مالک سے کہیں زیادہ فقیہ تھے لیکن ان کے شاگردوں نے انہیں ضائع کر دیا“، ان کا مطلب یہ ہے کہ ان کے شاگردوں نے ان کی فقہ کو مدون کرنے کی طرف توجہ نہ کی۔

علم کی تحصیل کے لیے امام موصوف اپنے ماموں ابراہیم مزنی کی خدمت میں حاضر ہوتے ابراہیم مزنی امام شافعیؒ کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام موصوف ابتداءً شافعی مسلک کے حامل تھے مگر اس کے بعد جب احمد بن ابی عمران حنفی مصر کے قاضی ہوتے تو ان کی صحبت میں بیٹھے اور ان سے استفادہ کیا اور فقہِ حنفی کے متبع ہو گئے۔ امام طحاوی نے خود بیان فرمایا ہے کہ ماموں ہمیشہ حنفی مسلک کی کتابیں مطالعہ میں رکھتے تھے اس لیے میں بھی اس کی طرف منتقل ہوا۔ مختصرِ مزنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مزنی بہت سے مسائل میں امام شافعیؒ سے اختلاف کرتے ہیں[2]

امام طحاوی نے مزنی کے علاوہ مصر کے دوسرے محدثین سے بھی فقہ و حدیث کی تحصیل کی ان محدثین میں چند کے نام یہ ہیں: یونس بن اعلیٰ، ہارون بن سعید ایلی، محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکیم، بحر بن نصر، عیسیٰ بن شرود۔ امام نے ابن عیینہ اور ابن وہب کے تلامذہ سے بھی استفادہ کیا۔ ۲۶۸ھ میں شام کا سفر کیا۔ وہاں پہنچ کر ابو حازم قاضیٔ دمشق سے فقہ کی تحصیل کی اور ۲۶۹ھ

---

[1] معجم البلدان ج ۶ ص ۳ - [2] الحاوی ص ۱۶

میں مصر واپس آگئے۔ مصر آنے والے ہر محدّث و عالم سے استفادہ کرتے تھے۔ اس طرح جو علوم مختلف اشخاص کے پاس موجود تھے وہ سب امام موصوف کے پاس جمع ہو گئے۔ امام موصوف کے شیوخ کی تعداد کا شمار مشکل ہے۔ انہوں نے ہر خرمنِ حدیث سے استفادہ کیا۔ انہوں نے امام بخاریؒ و امام مسلمؒ کے شیوخ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ امام بخاری کی وفات کے وقت امام طحاویؒ کی عمر ۲۷ سال کی تھی۔ امام مسلمؒ کی وفات کے وقت وہ ۳۲ سال کے تھے۔

امام طحاوی کے تلامذہ کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے۔ ان کے شاگردوں میں احمد بن قاسم الخشاب، ابوالحسن محمد بن احمد الجیمی، یوسف میانجی، ابوبکر بن المقریٔ، طبرانی، احمد بن عبدالوارث زجاج، عبدالعزیز بن محمد جوہری، قاضی سعید محمد بن بکر بن مطروح وغیرہ[1]۔

امام طحاویؒ کو حفظِ حدیث کے علاوہ فقہ و اجتہاد میں بھی بلند مقام حاصل تھا۔ ملا علی قاری کے نزدیک وہ مجتہدین طبقۂ ثلاثہ میں سے ہیں یعنی ان کا شمار ایسے مجتہدین میں سے ہے جو ایسے مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جن کے بارے میں صاحب مذہب سے کوئی روایت منقول نہ ہو خصاب، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی، فخر الدین قاضی خاں ایسے مجتہد ہیں جو صاحبِ مذہب سے اصول و فروع میں تو مخالفت نہیں کرتے لیکن اصول فقہ کو سامنے رکھتے ہوتے ان مسائل میں احکام مستنبط کرتے ہیں جن کے بارے میں صاحبِ مذہب سے کچھ منقول نہ ہو۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی رائے میں امام طحاویؒ مجتہد منتسب تھے، وہ محض امام ابوحنیفہؒ کے مقلد نہ تھے کیونکہ مختصر طحاوی میں انہوں نے کتنے ہی مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کے مذہب سے اختلاف کیا ہے۔ مولانا عبدالحیؒ امام طحاویؒ کو امام ابو یوسف و امام محمدؒ کے طبقہ میں شمار کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ان کا مرتبہ ان دونوں حضرات سے کم نہیں تھا[2]۔

امام طحاویؒ کے فضل و کمال کا اعتراف ہر دور کے علماء و محدثین نے کیا ہے۔ طبرانی، ابوبکر خطیب، حُمیدی، ابن عساکر، ابی الحجاج مزی، حافظ ذہبی، علامہ کثیر، علامہ ابن عبدالبر مالکی، ابن حماد حنبلی، ابن تعزی وغیرہ سبھی امام موصوف کے علم و فضل کے معترف ہیں۔ علامہ ابن عبدالبر

---

[1] لسان المیزان ج ۲ ص ۲۷۵، بستان المحدثین۔ [2] التعلیقات السنیہ ص ۳۸۔

مالکی کے نزدیک امام طحاویؒ کوفیین کے سیَر و اخبار و فقہ کے بہت بڑے عالم تو تھے اس کے ساتھ ہی وہ دیگر مذاہب کا بھی علم رکھتے تھے۔ امام طحاویؒ کو اعلم الناس بمذہب الامام ابی حنیفہؒ کہا گیا ہے۔[۱]

امام طحاویؒ کثیر التصانیف ہیں۔ ان کی تصانیف مختلف فنون پر ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

معانی الآثار، اختلاف العلماء، کتاب احکام القرآن (۲۰ جلدوں میں) کتاب الشروط الکبیر (۴۰ جلدیں) کتاب الشروط الاوسط، کتاب الشروط الصغیر، مختصر الطحاوی، نقض کتاب المدلسین (۵ جلدیں) الرد علیٰ ابی عبید، التاریخ الکبیر، کتاب فی النحل و احکامہا، عقیدۃ الطحاوی، سنن الشافعی، شرح المغنی، النوادر الفقہیہ (۱۰ جلدیں) النوادر والحکایات (تقریباً ۲۰ جلدیں) جزء فی حکم ارض مکۃ، جزء فی قسم الفیئ والغنائم، کتاب الاشربہ، الرّد علیٰ عیسیٰ بن ابان، جزء فی الرزیۃ، شرح الجامع الصغیر للامام محمدؒ، شرح الجامع الکبیر لہ، کتاب المحاضر والسجلات، کتاب الوصایا، کتاب الفرائض، اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ، کتاب التسویہ بین حدّثنا و اخبرنا، کتاب صحیح الآثار، اختلاف الروایات علیٰ مذہب الکوفیین، کتاب العزل، مناقب ابی حنیفہؒ۔

شرح معانی الآثار کو معانی الآثار بھی کہتے ہیں۔ یہ امام طحاویؒ کی اہم اور مشہور تصنیف ہے۔ علامہ عینیؒ اس کتاب کو دوسری بہت سی حدیث کی کتابوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسے سنن ابی داوٗد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ وغیرہ پر ترجیح حاصل ہے۔[۲] علامہ ابن حزم اسے سنن ابی داوٗد اور سنن نسائی کے درجہ پر رکھتے ہیں۔[۳] مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے شرح معانی الآثار کا درجہ سنن ابی داوٗد کے قریب مانا ہے۔ اس کے بعد ترمذی پھر ابن ماجہ کا درجہ تسلیم کرتے ہیں۔[۴]

معانی الآثار میں بکثرت ایسی احادیث پائی جاتی ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں ملتی ہیں۔ حدیث کی مختلف اسانید کو جمع کیا گیا ہے، جو غیر منسوب رواۃ کی نسبت اور مبہم راوی کے

---

[۱] عرف الشذی۔ [۲] الحاوی ص۱۲۔ [۳] مقدمۃ التعلیق المجد۔

[۴] فیض الباری ج ۱ ص۵۷، ص۵۸۔

نام بیان کیے گئے ہیں، اس کے علاوہ مشتبہ کی تمیز، اجمال کی تفسیر اور اضطراب اور راوی کے شک وغیرہ پر بھی پوری روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب فقہی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کی گئی ہے۔ ترجمۃ الباب کے تحت پیش کی گئی روایات سے کبھی ایسے لطیف و دقیق استنباط کرتے ہیں جن کی طرف عام ذہن منتقل نہیں ہوتا۔ احناف کے دلائل کے ساتھ دوسرے ائمہ کے دلائل بھی پیش کرتے ہیں اور پھر ایسا محاکمہ کرتے ہیں جس سے ان کی شان تفقہ ظاہر ہوتی ہے۔

صحابہؓ، تابعین اور فقہاء کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں اور ائمہ کی جرح وتعدیل بھی پیش کرتے ہیں۔

معانی الآثار پر محدثین نے مختلف انداز سے کام کیا ہے۔ اس سلسلہ میں چند مشہور کوششیں یہ ہیں: الحاوی فی تخریج معانی الآثار للطحاوی۔ یہ حافظ عبد القادر القرشی کی کتاب ہے۔ مبانی الاخبار للعینی ۶ جلدوں میں ہے۔ علامہ عینی کی ایک کتاب نخب الافکار فی شرح معانی الآثار ہے جس میں شرح حدیث کے ذیل میں رجال پر بھی مفصل گفتگو کی ہے۔ علامہ عینی کی ایک کتاب معانی الاخبار فی رجال معانی الآثار کے نام سے ہے کشف الاستار اسی کی تلخیص ہے۔

اس کے علاوہ ابن عبد البر، علامہ زیلعی، حافظ قاسم ابن قطلوبغا، حافظ ابن حجر عسقلانی، محمد باہلی وغیرہ نے بھی معانی الآثار پر کام کیا ہے۔

۳۲۱ھ میں ذی قعدہ کی چاندرات کو امام طحاویؒ کا انتقال ہوا۔ ۸۲ سال کی عمر پائی۔ جس سال ان کا انتقال ہوا اس سال علم حدیث کے بہت سے حاملین کی وفات ہوئی مصر میں ابوبکر بن احمد بن عبد الوارث کا انتقال اسی سال ہوا۔ یہ امام طحاوی کے استاد تھے۔ ہرات میں ابو علی احمد بن محمد کا، اصبہان میں ابو علی الحسن کا، بغداد میں ابو عثمان سعید بن محمد اور ابو ہاشم کا انتقال بھی اسی سال ہوا۔

ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بزّار

(المتوفی ۲۹۲ھ)

بزّار بصرہ کے رہنے والے تھے۔ بزّار بیج اور مسالہ بیچنے والے کو کہتے ہیں، انھوں نے تحصیلِ حدیث ہدبتہ بن خالد (جو بخاری و مسلم کے شیخ ہیں) عبدالاعلیٰ بن حماد، حسن بن علی بن راشد اور عبداللہ بن معاویہ جمی سے کی۔ بزّار کے شاگردوں میں ابوالشیخ طبرانی، عبدالباقی بن قانع وغیرہ محدثین شامل ہیں۔

بزّار نے عام رواج کے برعکس آخر عمر میں ان احادیث کی اشاعت کی غرض سے سفر اختیار کیا جنہیں وہ حاصل کرچکے تھے۔ اس کے علاوہ سفر سے ان کا مقصد مزید احادیث کی تحصیل بھی تھا ایک عرصہ تک اسی مقصد سے اصبہان اور شام میں مقیم رہے۔ کثیر تعداد میں لوگوں نے ان سے علم حدیث کا فیض حاصل کیا۔

مسند بزّار ان کی مشہور و معروف تالیف ہے۔ اسے مسند کبیر بھی کہتے ہیں مسند بزار معلل ہے یعنی اس میں ان اسباب کو بھی بیان کردیا گیا ہے جو صحتِ حدیث میں قادح قرار پاتے ہیں۔

دارقطنی نے بزار کی تعریف و توصیف کی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہیں اپنے حفظ پر اتنا زیادہ وثوق تھا کہ نسخہ دیکھے بغیر روایت کرتے تھے۔ ان سے روایت میں اکثر خطا ہونے کی وجہ یہی ہے۔

بزّار کی وفات شام کے شہر رملہ میں ۲۹۲ھ میں ہوئی۔

ابویعلیٰ موصلی

ولادت ۲۲۰ھ وفات ۳۰۷ھ

ابویعلیٰ کا نام احمد بن علی بن المثنیٰ بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال تمیمی موصلی ہے۔ ابویعلیٰ جزیرہ

کے رہنے والے تھے۔ سنہ ۲۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابھی ۱۸ سال کے ہی تھے کہ حدیث کی طلب اور شوق میں سفر اختیار کیا۔ علی بن الجعد، یحییٰ بن معین اور دیگر علمائے حدیث سے علمِ حدیث کی تحصیل کی۔ ابن حبّان، ابو حاتم اور ابوبکر اسمٰعیلی ان کے تلامذہ میں سے ہیں۔

ابویعلیٰ کی مشہور تالیف مسند ابویعلیٰ ہے۔ اس کو ابواب و اسماء صحابہؓ پر مرتب کیا ہے پوری مسند ۳۶ جزو پر مشتمل ہے۔ ابویعلیٰ کی ایک معجم بھی ہے۔ اس کی ترتیب انہوں نے اپنے شیوخ کے اسماء پر رکھی ہے۔ محدثین کا عام قاعدہ یہ ہے کہ مسمیٰ با محمد و محمد کو دوسرے ناموں پر مقدم رکھتے ہیں اس کے بعد اپنے شیوخ کے اسماء گرامی کو ردیف وار ترتیب دے کر روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ اس معجم میں بھی اس قاعدہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

ابویعلیٰ کے صدق و دیانت اور حلم و تقویٰ پر لوگوں کو بہت اعتماد تھا، انہوں نے حسبتہً للہ اپنے کو علم حدیث کی تحصیل و تالیف اور اس کی اشاعت میں مشغول رکھا۔ ابویعلیٰ کے یہاں ثلاثیات بھی پائی جاتی ہیں۔ ثلاثیات سے مراد وہ احادیث ہیں جو صرف تین واسطوں سے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم تک پہنچی ہوں۔

ابن حبان انہیں ثقات میں شمار کرتے ہیں۔ حافظ اسمٰعیل بن محمد بن الفضل تمیمی بیان کرتے ہیں کہ میں نے مسند عدنی، مسند ابن منیع اور دوسری بہت سی مسندات پڑھی ہیں۔ تمام مسندات ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے نہریں ہوں۔ ابویعلیٰ کی مسند دریائے بے پایاں کی طرح ہے۔

ابویعلیٰ کو خدا نے لمبی عمر عطا کی۔ سنہ ۳۰۷ھ میں رحلت فرمائی۔ انتقال کے دن موصل کے تمام بازار بند ہو گئے تھے۔ کثیر لوگوں نے گریاں و سوزاں ان کے جنازہ کا ساتھ دیا۔

ابوعوانہ یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری

(المتوفی ۳۱۶ھ)

ابوعوانہ اسفرائن کے رہنے والے تھے۔ بعد میں نیشاپور میں سکونت اختیار کی۔ انہوں

نے خراسان، عراق، مصر، شام، کوفہ، واسط، حجاز، جزیرہ، یمن، اصفہان، رَے، فارس، ثغور میں گشت کیا اور احادیث جمع کیں۔ ابوعوانہ حدیث میں مسلم بن الحجاج، یونس بن عبدالاعلیٰ اور محمد بن یحییٰ ذہلی کے شاگرد ہیں۔ فقہ میں انہوں نے مزنی اور ربیع کی شاگردی اختیار کی۔

حافظ ابوالقاسم ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں لکھا ہے کہ ابوعوانہ نے دمشق میں یزید بن محمد بن عبدالصمد، اسمٰعیل بن محمد بن قیراط، شعیب بن شعیب بن اسحاق وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی۔ اسی طرح انہوں نے مصر میں یونس بن عبدالاعلیٰ، ابن اخی وہب، مزنی، ربیع، محمد، سعد سے استفادہ کیا۔ عراق میں سعدان بن نصر، حسن زعفرانی، عمر بن شبعہ وغیرہ سے، خراسان میں محمد بن یحییٰ ذہلی، مسلم بن حجاج، محمد بن رجا، سندی وغیرہ سے اور جزیرہ میں علی بن حرب وغیرہ سے علم کی تحصیل کی۔ ابوعوانہ سے جن محدثین نے روایت کی ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: ابوبکر اسمٰعیلی، احمد بن علی رازی، ابوعلی، حسین بن علی، ابواحمد، علی، سلیمان طبرانی، محمد بن یعقوب بن اسمٰعیل، ابوالولید یتہ، ابومصعب، محمد بن ابوعوانہ۔

ابوعوانہ شافعی المذہب تھے۔ اسفرائن میں شافعی مذہب کی ابتدا انہیں کے ذریعہ سے ہوئی۔ صحیح ابوعوانہ ان کی تالیف ہے۔ یہ صحیح مسلم پر مستخرج ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں مستخرج سے مراد یہ ہے کہ حدیثوں کا اثبات کسی دوسری کتاب کی احادیث سے کیا جائے۔ متن، ترتیب اور طرقِ اسناد میں اُسی کتاب کو پیش نظر رکھا جائے لیکن سند کو ایسے طریق سے بیان کیا جائے کہ اس کتاب کا مؤلف درمیان میں نہ رہے جس پر یہ مستخرج ہو بلکہ اپنے واسطہ کو مؤلف کے شیخ یا شیخ الشیخ یا مزید اوپر تک بیان کردے۔ اس طرح دوسرے طریق سے روایت کے اثبات سے اس کتاب کے مؤلف کی روایات پر مزید وثوق و اعتماد پیدا ہو جاتا ہے۔

اس مستخرج کو صحیح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مسلم کے طرق و اسانید کے علاوہ اس میں دوسرے طرق و اسانید کا اضافہ بھی پایا جاتا ہے۔ قلیل متون میں بھی کچھ اضافے کیے ہیں جس کی وجہ سے یہ مستخرج ایک مستقل تالیف قرار پاتی ہے۔

ذہبیؒ نے اس کتاب سے ایک انتخاب بھی مرتب کیا ہے جو منتقی الذہبی کے نام سے معروف ہے۔ یہ انتخاب ۲۳۰ احادیث پر مشتمل ہے۔

ابوعوانہ کے بارے میں حاکم نے کہا ہے کہ ابوعوانہ علمائے حدیث میں سے ہیں۔ ابوعوانہ کی وفات ۳۱۶ھ میں ہوئی۔

ابن حبّان

(المتوفی ۳۵۴ھ)

ابن حبان کا نام محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد ہے۔ کنیت ابوحاتم ہے۔ ان کا نسب زید مناۃ بن تمیم تک پہنچتا ہے، اسی وجہ سے انہیں تمیمی کہا جاتا ہے سیستان کے شہر بُست کے رہنے والے تھے اسی لیے بُستی بھی کہلاتے ہیں۔

ابن حبّان نسائیؒ کے شاگرد ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ابویعلیٰ موصلی، حسن بن سفیان اور ابوبکر بن خزیمہ سے شرف تلمذ حاصل کیا ہے۔ ابن حبّان نے خراسان سے مصر تک سفر کر کے علم حاصل کیا۔ وہ اپنی کتاب الانواع میں لکھتے ہیں: لَعَلَّنَا كَتَبْنَا عَنْ اَلْفَی شَيْخٍ۔ ”خیال ہے کہ ہم نے دو ہزار شیوخ سے احادیث لکھی ہیں“ ابن حبّان کو حدیث کے علاوہ فقہ، طب، لغت اور نجوم میں بھی ماہرانہ دخل حاصل تھا۔ کثیر حدیثوں کے متن اور سند کا انہیں علم تھا ایک مدت تک وہ سمرقند میں قضا کے عہدہ پر بھی مامور رہے ہیں۔

دوسرے اہل علم کے علاوہ حاکم نے بھی ان کی شاگردی اختیار کی اور ان سے علم حدیث حاصل کیا۔

ابن حبّان عقلائے زمانہ میں سے تھے۔ ان کی تصنیفات وتالیفات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کی کچھ کتابیں یہ ہیں:

کتاب الصحابۃ، کتاب التابعین، کتاب اتباع التابعین، کتاب تبع الاتباع، کتاب علل، مناقب ابی حنیفہ ومثالبہ، کتاب علل ما استند الیہ ابوحنیفہ، کتاب مناقب الشافعی، کتاب الہدایۃ الی علم السنن، کتاب الجرح والتعدیل، کتاب شعب الایمان، علل حدیث الزہری، علل حدیث مالک۔

ماانفرد بہ اہل المدینۃ من الشامیین، ماانفرد بہ المکیون، ماانفرد بہ اہل العراق، ماانفرد بہ اہل الخراسان، غرائب الاخبار، اسامی من یعرف بالکنی، کتاب التقاسیم والانواع وغیرہ،

کتاب التقاسیم والانواع اُن کی مشہور و عظیم کتاب ہے اور صحیح ابن حبّان کے نام سے معروف ہے۔ اس کی ترتیب بالکل نئے انداز سے کی ہے۔ یہ کتاب نہ مسانید صحابہ و معاجم شیوخ کے طرز پر ہے اور نہ اس میں عام انداز میں ابواب کی تقسیم کی ہے۔ ابن حبّان کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ پہلے اقسام بیان کرتے ہیں پھر ان اقسام میں انواع کا ذکر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں: اَلنَّوْعُ السَّادِسُ وَالْاَرْبَعُوْنَ مِنَ الْقِسْمِ الثَّانِیْ فِی النَّوَاهِیْ (دوسری قسم کی چھیالیسویں نوع نواہی کے بیان میں ہے)

ان کی متداول کتب میں کتاب تاریخ الثقات اور کتاب الضعفاء بھی ہے۔ ایک معجم بھی ہے جو شہروں کی ترتیب پر مرتب ہے۔ مناقب امام مالک میں بھی ان کی ایک کتاب ہے۔ ایک کتاب انواع العلوم واوصافہا کے نام سے موسوم ہے۔ ان کی بعض کتابیں کئی اجزاء پر مشتمل ہیں۔

ابن حبّان نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے: اَلنُّبُوَّةُ الْعِلْمُ وَالْعَمَلُ "نبوت علم و عمل کا نام ہے" اس کی وجہ سے انہیں سخت آزمائش سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کی بنا پر انہیں زندیق کہا گیا۔ ان سے ملاقات اور روایت حدیث ترک کردی گئی۔ خلیفہ تک شکایت پہنچائی گئی۔ خلیفہ نے تحقیق کرکے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ بعض ثقاہت محدثین بھی کہنے لگے کہ ذٰلِكَ نَفْسٌ فَلْسَفِیٌّ "یہ فلسفی" ہے حالانکہ ان کی مراد یہ ہرگز نہ تھی کہ نبوت ایک کسبی چیز ہے۔ اور علم و عمل کی ریاضت سے اس کا حصول ممکن ہے۔ بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ نبوت ایسے نفس ناطقہ کو عطا ہوتی ہے جو قوت علمیہ و عملیہ میں سب سے بڑھ کر ہو اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (آیۃ) "اللہ جسے رسالت سے نوازتا ہے اس سے خوب واقف ہوتا ہے"۔ ابن حبّان کے قول کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ انبیاء کو نبوت ملنے کے بعد علم و عمل دونوں اعتبار سے تفوق حاصل ہوتا ہے اور وہ گناہ و نافرمانی سے مامون و محفوظ رہتے ہیں۔

ابن حبّان کا انتقال ۲۲ شوال ۳۵۴ھ کو جمعہ کے دن سمرقند میں ہوا۔

امام طبرانیؒ

ولادت ۲۶۰ھ ـــ وفات ۳۶۰ھ

الامام الحافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی کی ولادت ملک شام کے شہر عکہ میں ہوئی۔ طبریہ شام کے ایک قریہ کا نام ہے۔ تیرہ سال کی عمر میں طلبِ علم میں مصروف ہوئے۔ والد کو حدیث سے بڑا شغف تھا۔ وہ انہیں بڑے بڑے اساتذہ کے پاس لے جایا کرتے تھے۔ امام طبرانی نے حصولِ علم کے لیے حجاز، یمن، مصر، بغداد کوفہ، بصرہ، اصفہان وغیرہ علمی مراکز کا سفر کیا۔ ایک ہزار سے زیادہ حدیث کے علماء سے استفادہ کیا، جن علمائے حدیث نے طبرانی سے حدیث کی سماعت حاصل کی ان میں علی بن عبدالعزیز، بغوی، بشر بن موسیٰ ادریس عطا، ابوذرعہ دمشقی وغیرہ کے نام خاص ہیں۔ استاد ابن العمید جو مشہور و معروف وزیر اور عربیت و ادب میں اپنے زمانے کے امام تھے۔ اور صاحب بن عبّاد جو دولت دیالمہ کے وزیروں میں سے ہیں طبرانی کے شاگرد ہیں۔ علم حدیث کی طلب میں بڑی مشقتیں برداشت کیں۔ تیس سال مسلسل چٹائی پر سوتے رہے۔

امام طبرانی نے تین مسندیں تالیف کیں۔ ان کا نام ُالمعجم الکبیر، والصغیر والاوسط ُ ہے۔ انہوں نے مسندوں کی ترتیب مرویاتِ صحابہ کی بنیاد پر رکھی۔ معجم میں بیس ہزار پانچ سو احادیث ہیں۔

حافظ ابن منذر نے طبرانی کی تمام تصنیفات کا ذکر کیا ہے۔ ان کی اکثر تصنیفات نایاب ہیں۔ انہوں نے تفسیر بھی لکھی ہے۔ ان کی مشہور کتابوں میں کتاب الدُّعاء بھی ہے اس سے صاحبِ حصن حصین نے بھی روایات نقل کی ہیں۔ یہ کتاب بہت ضخیم ہے۔ کتاب المسالک، کتاب عشرۃ النساء اور کتاب دلائل النبوۃ، طبرانی کی مشہور تصنیفات ہیں۔

ابوالعباس احمد بن منصور شیرازی کا بیان ہے کہ طبرانی سے میں نے تین لاکھ احادیث لکھی ہیں۔ ایک مرتبہ ابوبکر جعابی نے طبرانی سے کہا: میرے پاس ایک حدیث ایسی ہے جو اس وقت دُنیا میں کسی کے پاس نہیں ہے پھر یہ سند بیان کی:

حدثنا ابوخلیفۃ ثنا سلیمان بن ایوب ابوالقاسم۔ طبرانی نے کہا:

آپ جانتے ہیں، سلیمان بن ایوب کون ہیں ؟ وہ میں ہی ہوں اور ابوخلیفہ میرے شاگرد ہوتے ہیں آپ اس روایت کو براہ راست مجھ سے ہی روایت کیجئے تاکہ ایک واسطہ کم ہو جاتے اور آپ کی سند عالی ہو جائے۔

طبرانی نے اصفہان میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔

دارمیؒ

ولادت ۱۸۱ھ ــــ وفات ۲۵۵ھ

ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن فضل دارمی سمرقند کی طرف کے تھے۔ دارمی ان کی نسبت اپنے قبیلے کی طرف ہے۔ دارمی جلیل القدر محدّث اور عالم تھے۔ احادیث جمع کرنے کی غرض سے دُور دراز بلادِ اسلامیہ کے اور علمی مراکز، مکّہ معظمہ، مدینہ منورہ، خراسان، شام، عراق اور مصر کا سفر کیا۔

دارمی کے اساتذہ میں ابن ماجہ، حبان بن ہلال، نضر بن شمیل، یزید بن ہارون اور حیوۃ بن شریح جیسے اہل علم ہیں۔ شاگردوں میں امام مسلم، امام ترمذی، ابوداوٗد جیسے ائمہ حدیث شامل ہیں۔ امام احمد کے فرزند بھی آپ کے شاگردوں میں ہیں۔ امام نسائی نے بھی سنن کبریٰ کے علاوہ ان سے روایت کی ہے۔ امام مسلم نے دارمی سے ۷۳ حدیثیں لی ہیں۔ امام بخاری نے بھی صحیح بخاری کے علاوہ دارمی سے روایت کی ہے[1]۔

امام احمد بن حنبل کہتے تھے کہ خراسان میں حدیث کے چار حافظ ہیں: ابوزرعہ رازی، محمد بن اسمٰعیل بخاری، عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی اور حسن بن شجاع بلخی۔ ابوحاتم کا بیان ہے کہ دارمی اپنے وقت کے امام تھے۔ ذہبی نے دارمی کے بارے میں خطیب بغدادی کا بیان نقل کیا ہے:

کان احد الحفاظ والرّحّالین موصوفًا بالثقة والورع والزھد...

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۹۶، ۲۹۵۔

...... وکان علی عنایۃ العقل وفی نہایۃ الفضل۔ ابوحاتم بن حبان کہتے ہیں: کان من الحفاظ المتقین واھل الورع والدین۔

اور کہتے ہیں کہ دارمی حدیث کے یاد کرنے والے، جمع کرنے اور سمجھنے والے اور تالیف کرنے والے محدث تھے۔ انہوں نے اپنے وطن میں حدیث کی اشاعت کی، اس کی حفاظت وحمایت کی اور مخالفین کی مخالفت کو ختم کیا۔

علم ودیانت، زہد وقناعت اور اجتہاد وعبادت میں دارمی کو خاص مقام حاصل تھا سمرقند کے قاضی مقرر ہوئے، صرف ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا اور مستعفی ہو گئے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ ان کے سامنے دنیا پیش کی گئی مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔

دارمی نے جہمیہ کی تردید میں متعدد کتابیں لکھیں۔ مسند دارمی ان کی مشہور تالیف ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں اسے مسند نہیں کہا جا سکتا۔ اس کتاب میں ثلاثیات سب کتابوں سے زیادہ ہیں بعض اہل علم کی رائے ہے کہ سنن دارمی صحاح ستہ میں چھٹی کتاب کی جگہ پانے کی مستحق ہے۔ اس میں ضعیف رجال بہت کم ہیں منکر اور شاذ روایتیں بھی اس میں شاذ ونادر ہی پائی جاتی ہیں۔ اس کی اسناد بھی اعلیٰ درجہ کی ہیں، اس میں بخاری سے بھی زیادہ ثلاثیات ہیں، ابوحاتم نے دارمی کی ثلاثیات کی تعداد ۱۵ بیان کی ہے[1]

سنن دارمی ۱۴۰۸ ابواب پر مشتمل ہے۔ احادیث کی تعداد ۳۵۵۷ ہے۔

سنن دارمی ۱۳۴۹ھ میں دمشق میں شائع ہوئی ہے۔ اس سے پہلے ۱۲۹۳ھ میں ہندوستان میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ سنن دارمی کے تراجم بھی چھپ چکے ہیں۔ مولانا محمد عبدالرشید بن محمد شاہ کشمیری اور مفتی انتظام اللہ شہابی نے اس پر مقدمہ بھی لکھا ہے[2]

دارمی کی رحلت کی خبر جب امام بخاری کو ملی تو انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ پڑھا۔ ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ بے ساختہ زبان سے یہ شعر نکل گیا حالانکہ حدیث میں مروی

---

[1] مقدمہ سنن دارمی ص۶

[2] قاموس الکتب ص۱۳۴

اشعار کے علاوہ وہ کبھی شعر نہیں پڑھتے تھے۔ ؎

اِنْ تَبْقَ تَفْجَعْ بِالْاَحِبَّةِ کُلِّهَا وَفَنَاءُ نَفْسِكَ لَا اَبَالَكَ اَفْجَعُ

کھو گئے گر رہے درد فراقِ دوستاں تم ہی مگر سب سے الم انگیز خود رحلت تمہاری ہے

امام اسماعیلیؒ

ولادت ۲۷۷ھ — وفات ۳۷۱ھ

نام احمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن العباس الاسماعیلی اور کنیت ابوبکر ہے۔ امام بخاریؒ کی وفات کے ۲۱ سال بعد ۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ علم حدیث کی طلب شروع سے ہی تھی مگر ان کے اعزّہ مختلف حیلہ و بہانے سے ارادۂ سفر سے روکتے رہے۔ یہاں تک کہ جب محمد بن ایوب رازی کا جو وقت کے مشہور محدث تھے انتقال ہوگیا تو اس کا ان پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے گھر میں آکر تمام کپڑے پھاڑ ڈالے اور آہ و بکا کرنے لگے۔ لوگوں نے جب اس کا سبب پوچھا تو بولے کہ کیسے زبردست عالم کا انتقال ہوگیا اور تم نے مجھے ان کی خدمت میں پہنچنے سے باز رکھا۔ میں ان سے استفادہ نہ کرسکا۔ اور ان کے علم سے محروم رہا۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر اعزّہ نے انہیں تسلی دی کہ اب بھی بہت عالم باحیات ہیں جس طرف چاہو سفر کرو۔ تمہارے ماموں تمہارے ساتھ ہیں چنانچہ سب سے پہلے اسماعیلی شہر نسا۔ (نسی) میں حسن بن سفیان کی خدمت میں پہنچے۔ وہاں سے بغداد، کوفہ، اہواز، بصرہ، انبار، موصل، جزیرہ اور دوسرے بلاد کا سفر کیا۔ انہوں نے ابویعلیٰ، عبدان، ابوخلیفہ جُمَحِی، محمد بن عثمان مقابری، ابراہیم بن زہیر حلوانی، فریابی اور دوسرے محدثین سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ اور فقہ و حدیث دونوں ہی کی جامع شخصیت کے مالک ہوتے۔

اسماعیلی کو خدا کی طرف سے ذہنِ سلیم ملا تھا، انہیں بہت ساری کتابیں بھی یاد تھیں اور وہ درجۂ اجتہاد پر تھے۔ اسی لیے بعض محدثین کی رائے ہے کہ انہیں سنن میں کوئی مستقل کتاب

ترتیب دینی چاہیے تھی۔

اسماعیلی کی مشہور تالیف 'صحیح اسماعیلی' ہے۔ یہ مستخرج بر صحیح بخاری ہے۔ ابن حجر نے تعلیقات بخاری کو جسے اسماعیلی نے شامل کر دیا تھا منتخب کر کے الگ جمع کیا ہے، اسے منتقی ابن حجر کہتے ہیں۔ اس مستخرج کے علاوہ بھی اسماعیلی کی تالیفات ہیں مسند کبیر ان کی نہایت ضخیم تالیف ہے۔ ان کی ایک معجم بھی ہے۔ ان کی مسند کو شہرت حاصل نہ ہو سکی۔

صفر ۳۷۱ھ کے آغاز میں ان کا انتقال ہوا۔

دار قطنیؒ

ولادت ۳۰۶ھ ــــ وفات ۳۸۵ھ

ابوالحسن علی بن عمر دار قطنی۔ دار قطن کے رہنے والے تھے۔ یہ بغداد کا ایک محلہ تھا۔ عربی میں قطن رُوئی کو کہتے ہیں۔ یہ محلہ رُوئی کی منڈی تھی۔ دار قطنی نے طلب حدیث میں دُور دراز مقامات کا سفر کیا۔ کوفہ، بصرہ، شام، واسط، مصر اور دوسرے مقامات پر گئے اور وہاں کے علماء سے احادیث حاصل کیں۔ مصر میں ابوالفضل کے پاس ایک مدت تک قیام کیا۔ ابوالفضل نے ان کا بڑا اکرام کیا۔ دار قطنی نے ابوالقاسم بغوی، ابوبکر بن ابی داؤد ابن صاعد، حسین بن محاملی وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی۔ جوانی کے زمانہ میں اسماعیل صفار کی مجلس میں نشست رہتی۔ ایک دن صفار نے کہا کہ تمہارا سماع صحیح نہیں ہے کیونکہ تم لکھنے میں اس طرح مشغول رہتے ہو کہ حدیث کو اچھی طرح سمجھتے نہیں۔ دار قطنی نے جواب میں عرض کیا کہ جناب کو یاد ہے کہ اس وقت کتنی احادیث آپ نے لکھوائی ہیں۔ صفار نے کہا کہ مجھے تو یاد نہیں ہے۔ دار قطنی نے کہا کہ اس وقت تک ۱۸ حدیثیں لکھوائی ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے تمام حدیثوں کو سندوں کے ساتھ زبانی سُنا دیا۔ تمام اہل مجلس ان کے حافظہ پر حیرت زدہ رہ گئے۔

معرفتِ علل، اسماء رجال، معرفتِ رواۃ میں دار قطنی کو بلند مقام حاصل تھا۔ دوسرے

علوم خاص طور سے قرآن اور فقہاء کے مذہب اور ان کے اختلافات سے انہیں اچھی واقفیت حاصل تھی۔ شعر و ادب پر عبور رکھتے تھے۔ عرب کے بہت سے دواوین انہیں حفظ تھے فقہ شافعی انہوں نے ابوسعید اصطخری سے حاصل کی تھی۔ ان سے انہوں نے حدیث میں بھی استفادہ کیا تھا۔ ابوطیب حدیث میں دار قطنی کو امیر المومنین کہتے تھے۔

حافظ ابونعیم اصفہانی صاحبِ حلیۃ الاولیاء، ابوبکر برقانی، جوہری، قاضی ابوالطیب طبری حاکم عبدالغنی منذری صاحبِ ترغیب و ترہیب' تمام رازی صاحب فوائد مشہورہ۔ حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری جیسے اہل علم دار قطنی کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

دار قطنی کی مشہور تالیف "سنن دار قطنی" ہے۔ دار قطنی کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک ایک حدیث کو کئی کئی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ وہ حدیث کی علت اور راویوں کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے۔ دار قطنی مذہباً شافعی تھے۔

سنن کے علاوہ بھی ان کی کتابیں ہیں جن میں ایک مشہور تصنیف "المختلف والموتلف" ہے

دار قطنی کی علمی ظرافتوں میں سے ایک مشہور واقعہ ہے کہ ابوالحسن بیضاوی ایک شخص کو لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یہ دُور دراز سے حدیث کی طلب میں آئے ہیں۔ انہیں کچھ حدیثیں املا کرا دیجئے۔ دار قطنی نے پہلے تو عذر کیا۔ جب انہوں نے زیادہ اصرار کیا تو بیس سند کے ساتھ ایک حدیث روایت کی :

نِعْمَ الشَّیْئُ الْھَدِیَّۃُ اَمَامَ الْحَاجَۃِ

"اپنی حاجت ظاہر کرنے سے پہلے کچھ ہدیہ پیش کرنا اچھا ہے۔"

دوسرے دن وہ شخص کچھ مناسب ہدیہ لے کر خدمت میں حاضر ہوا تو اسے اپنے پاس بٹھایا اور سترہ سندوں کے ساتھ اس حدیث کا املا کرایا :

اِذَا اَتَاکُمْ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْہُ

"جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز شخص آئے تو اس کا اکرام کرو۔"

اس کے علاوہ دار قطنی سے متعلق اور بھی دوسرے لطائف و ظرائف مشہور ہیں۔ ایک دن دار قطنی سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے اپنے جیسا کسی دوسرے کو بھی دیکھا ہے ؟ دار قطنی خاموش

رہے۔ جواب میں صرف یہ آیت پڑھی : فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ

ایک مرتبہ دارقطنی نوافل ادا کر رہے تھے۔ ان کے قریب ہی ایک شخص حدیث کا کوئی نسخہ پڑھ رہا تھا۔ راویوں کے ناموں میں ایک نام نُسَیر آیا۔ اس نے نُسَیر کو بشیر پڑھا۔ دارقطنی نے اسے غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے نماز میں سُبحان اللہ کہا۔ پڑھنے والے نے دوسری مرتبہ یسیر پڑھا۔ دارقطنی نے پھر سُبحان اللہ کہا۔ مگر وہ سمجھ نہ سکا۔ تو انہوں نے یہ آیت پڑھی : نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ تاکہ وہ سمجھ جائے کہ راوی کا نام نون کے ساتھ ہے۔ نماز میں اس طرح تلقین کرنا شوافع کے نزدیک جائز ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ نفل ادا کر رہے تھے۔ ایک شخص نے عمرو بن شعیب کو عمرو بن سعید پڑھا تو دارقطنی نے سُبحان اللہ کہا۔ اس نے سند کا اعادہ کیا اور اس نام پر رُک گیا۔ دارقطنی نے یہ آیت تلاوت کی :

یَا شُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ وہ سمجھ گیا۔

دارقطنیؒ بغداد ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں ان کا انتقال ۸ ذی قعدہ ۳۸۵ھ کو ہوا۔ مقبرہ باب حرب میں معروف کرخیؒ کے پاس مدفون ہوئے۔

ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم

ولادت ۳۲۱ھ ——— وفات ۴۰۵ھ

حاکم نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ عہدۂ قضا پر مامور ہونے کی وجہ سے ان کا لقب حاکم پڑ گیا۔ اجداد میں سے کسی کا نام طہمان تھا، اسی لیے انہیں طہمانی بھی کہا جاتا ہے۔ حاکم اپنے زمانہ میں ابن البیّع (تاجر کے بیٹے) کی کنیت سے مشہور ہوئے۔ حاکم ربیع الثانی ۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی انہیں علم حدیث کا شوق دامن گیر ہوا۔ ان کے والد اور ماموں کو حدیث سے شغف تھا۔ ان کے والد ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے امام مسلم کو دیکھا تھا۔

حاکم نے حدیث کی تلاش و جستجو میں خراسان، ماوراء النہر وغیرہ بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا اور دو ہزار شیوخ سے حدیث حاصل کی۔ ان میں سے ایک ہزار شیوخ وہ تھے جو نیشاپور کے ہی رہنے والے تھے۔ حاکم نے اپنے والد سے بھی روایت کی ہے۔ اس کے علاوہ ابوالعباس محمد بن یعقوب اصم، ابو عبداللہ بن یعقوب بن الاخرم، ابوالعباس بن محبوب، ابو عمر عثمان بن سماک اور ابوعلی حافظ نیشاپوری (جو اپنے زمانہ کے حافظِ حدیث تھے) سے حدیث حاصل کی۔ اس کے علاوہ اس فن کے دوسرے بڑے علماء سے بھی استفادہ کیا۔ دارقطنی وابوذر ہروی (جو بخاری کے راویوں میں سے ہیں) ابویعلی خلیلی، ابوالقاسم قشیری، بیہقی اور دوسرے اساتذۂ فن، حاکم سے روایت کرتے ہیں۔ ابو حازم کا بیان ہے کہ حاکم نے آبِ زمزم پی کر خدا سے یہ دُعا کی تھی کہ انہیں حسن تصنیف عطا ہو۔ ان کے زمانہ میں چار اشخاص کا چوٹی کے محدثین میں شمار ہوتا تھا جن میں سے دارقطنی بغداد کے رہنے والے تھے جو عللِ حدیث کی معرفت میں ممتاز تھے۔ ابو عبداللہ بن مندہ اصفہان کے تھے جو کثرتِ حدیث کی معرفت میں یگانہ تھے۔ عبدالغنی مندری کا تعلق مصر سے تھا، انہیں انساب کے علم میں تبحّر حاصل تھا۔ حاکم نیشاپوری کو فن تصنیف و ترتیب میں امتیاز حاصل ہوا۔

حاکم کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ابن خلکان نے ان کی تعداد ڈیڑھ ہزار لکھی ہے۔ ان کی ایک عمدہ اور مفید تصنیف معرفت علوم الحدیث ہے۔ اس کے علاوہ ان کی کتاب 'کتاب الاکلیل' ہے۔ ہر مفسّر کے دیکھنے کی چیز ہے مستدرک حاکم ان کی مشہور و معروف تصنیف ہے۔ حاکم کا بیان ہے کہ اس کی تمام احادیث صحیحین کی شرط پر پُوری اُترتی ہیں لیکن علماء علم حدیث نے ان کے اس دعویٰ کو ماننے سے انکار کیا ہے۔ ذہبی نے تلخیص المستدرک لکھی اور اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ حاکم کی تصحیح پر اعتماد کرنا درست نہیں ہے جب تک کہ میرے تعقیبات کا مطالعہ نہ کرے۔ ذہبی کے نزدیک مستدرک کی نصف احادیث صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کی شرط پر پوری اُترتی ہیں۔ احادیث کا ایک چوتھائی حصّہ ایسا ہے جو صحیح ہے اگرچہ وہ شیخین کی شرط پر پُورا نہ اُترتا ہو۔ کتاب کا بقیہ چوتھائی حصّہ کمزور اور منکر احادیث پر مشتمل ہے بلکہ اس میں موضوع حدیثیں بھی شامل ہوگئی ہیں۔

حاکم کی تصانیف میں تاریخ نیشاپور، کتاب مزکی الاخبار اور کتاب المدخل الی علم الصحیح بھی شامل

ہے۔ حاکم کو علمِ حدیث کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی دسترس حاصل تھی مگر علم حدیث میں زیادہ شغف رکھنے کے باعث وہ اسی فن میں مشہور ہوئے۔

طبقات الشافعیہ میں ایک دلچسپ واقعہ نقل ہوا ہے کہ ایک بار ابو الفضل ہمدانی جو بدیع الزمان کے لقب سے مشہور ہے۔ نیشاپور آیا۔ اس کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ سو سو اشعار ایک مجلس میں سنتا اور ایک ہی بار سُن کر اُسے تمام کے تمام اشعار ترتیب سے ازبر ہو جاتے۔ اسے اپنے حافظہ پر ناز تھا جب اس کے سامنے حفّاظِ حدیث کا ذکر آیا تو اس نے اپنے حفظ کے مقابلہ میں ان کے حفظ کو کوئی اہمیت نہ دی۔ حاکم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے حدیث کا ایک جزء اس کے پاس بھیج دیا۔ اور کہلا بھیجا کہ ایک ہفتہ کی مہلت ہے اسے یاد کر کے سُنا دو۔ ایک ہفتہ کے بعد اس نے اسے واپس کر دیا۔ اور کہا کہ ان مختلف الفاظ و مضامین اور رواۃ کے غیر مرتبط ذخیرہ کو بھلا کون حفظ کر سکتا ہے۔ حاکم نے کہا کہ اپنی حیثیت کو پہچانو اور آئندہ ڈینگیں نہ مارو۔

حاکم کی وفات اچانک ہوئی۔ ایک دن غسل کے ارادے سے حمام میں تشریف لے گئے۔ غسل سے فارغ ہونے کے بعد تہمد باندھی۔ ایک آہ کھینچی اور فانی دُنیا سے کوچ کر گئے۔ یہ واقعہ صفر ۴۰۵ھ میں پیش آیا۔

حافظ ابو نعیمؒ

ولادت ۳۳۶ھ ــــ وفات ۴۳۰ھ

ان کا نام و نسب یہ ہے: احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحٰق بن موسیٰ بن (دائل بن) مہران اصبہانی۔ رجب ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے۔ حافظ ابو نعیم کے اجداد میں سب سے پہلے مہران کو شرفِ اسلام حاصل ہوا۔ وہ عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب کے غلام تھے۔ اصفہان و اصبہان دراصل سپاہان کا معرب ہے۔ یہ عراق کے مشہور شہروں میں سے ہے۔ حافظ کی ۶ ہی سال کی عمر تھی کہ مشائخ نے انہیں بطریق تبریک حدیث کی اجازت

دی۔ یہ خصوصیت ابونعیم ہی کو حاصل ہے۔ حدیث کی اجازت دینے والوں میں ابوالعباس اصم، خثیمہ بن سلیمان طرابلسی، جعفر خلدی اور شیخ عبداللہ بن عمر بن شوذب خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ بڑے ہونے پر علمائے حدیث سے حدیث کی سماعت حاصل کی۔ طبرانی، ابوالشیخ جعابی، ابوعلی بن صواف، ابوبکر اجری، ابن خلاد نصیبی اور فاروق بن عبدالکریم خطابی سے استفادہ کیا۔ فضیلتِ علم اور اسانید بلند ہونے کی وجہ سے عرصہ تک لوگ ان کی طرف راغب ہوتے رہے خطیب بغدادی ان کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ ابوسعید مالینی، ابوصالح موذن، ابوعلی حسن بن احمد حداد، ابوسعید محمد بن محمد بن المطراز، ابومنصور محمد بن عبداللہ شروطی اور بہت سے دوسرے محدثین ان کے شاگردوں میں شامل ہیں۔

انہوں نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ حلیۃ الاولیا ان کی نادر کتاب سمجھی جاتی ہے۔ ان کی زندگی میں ہی اس کتاب کو شہرت حاصل ہو چکی تھی۔ نیشاپور میں اس کا ایک نسخہ چارسو دینار میں خریدا گیا تھا۔ حلیۃ الاولیاء کے علاوہ معرفۃ الصحابہ، دلائل النبوۃ، کتاب المستخرج علی البخاری کتاب المستخرج علی المسلم، تاریخ اصفہان، کتاب صفۃ الجنۃ، کتاب الطب، فضائل الصحابہ اور کتاب المعتقد ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے بہت سے مختصر رسائل بھی لکھے ہیں۔

حافظ ابونعیم کے یہاں صبح سے ظہر تک حدیث کا درس ہوتا تھا۔ جب وہ مجلس سے اُٹھ کر مکان تشریف لے جاتے تو راستہ میں بھی ایک جزو کے بقدر لوگ ان سے پڑھ لیا کرتے تھے وہ اس سے تنگ دل نہیں ہوتے تھے۔ حدیث میں ان کی مصروفیت کا یہ عالم تھا کہ احادیث کی تعلیم اور کتابوں کی تالیف و تصنیف گویا ان کی غذا بن چکی تھی۔ ابوبکر خطیب نے پوری صحیح بخاری تین مجلسوں میں ان کے سامنے پڑھی۔

۹۲ سال کی عمر میں۔ ۲۰ محرم ۴۳۰ھ کو اصبہان میں وفات پائی۔

ابو محمد علی بن احمد بن الاندلسی

ولادت ۳۸۴ھ ـــ وفات ۴۵۷ھ

ابو محمد کا پورا نام ابو محمد، علی بن احمد سعید، بن حزم، بن غالب بن صالح بن خلف ہے۔ ابن حزم فارسی النسل تھے۔ اندلس کے شہر قرطبہ میں رمضان کے مہینے میں بعد طلوع فجر پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ابو عمر احمد دولتِ عامریہ کے وزیر تھے۔ ان کا شمار علم وادب اور بلاغت کے علماء میں ہوتا تھا۔ ابن حزمؒ کے والد کا انتقال ۴۰۲ھ میں ہوا۔

ابن حزم کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ خدا نے ذہانت بھی بخشی تھی۔ علوم حدیث وفقہ کے علاوہ منطق وفلسفہ اور علم اللسان وبلاغت اور شعر وسیر میں بھی انہیں دخل حاصل تھا۔ پہلے شافعی المذہب تھے۔ پھر داؤد ظاہری کا مسلک اختیار کر لیا۔ اس نئے مسلک کے حق میں کتابیں لکھیں۔ اور آخر تک اسی مسلک پر قائم رہے۔ قیاس کے قائل نہ تھے۔ علومِ حدیث اور سندات ومصنفات کی کتنی ہی کتابیں فراہم کیں اور علمِ حدیث کی تحصیل کی۔ فقہِ حدیث پر 'الایصال الی فہم الخصال' کی تالیف کی۔ جو جملہ شرائع واجب، حلال، حرام، سُنّت واجماع پر مشتمل ہے۔ یہ ایک بڑی کتاب ہے جس میں صحابہؓ، تابعین اور ائمۃ المسلمین کے اقوال بھی پیش کیے گئے ہیں۔ ابن حزم کی ایک اہم تصنیف 'کتاب الاحکام لاصول الاحکام' ہے۔ اس کے علاوہ المحلی والمجلی اور الفصل فی الملل والنحل بھی ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اسماء اللہ تعالیٰ سے متعلق ان کی ایک کتاب ملی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں بلا کا حافظہ حاصل تھا اور ان کا ذہن نہایت تیز تھا۔ حافظ ابو عبداللہ محمد بن فتوح الحمیدی کہتے ہیں کہ میں نے ان کے مثل کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس میں ذکاوت، سُرعتِ حفظ، کریم النفسی اور دین داری جمع ہوں۔ ابن حزم کے فرزند ابو رافع الفضل بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس اسّی ہزار اوراق پر مشتمل میرے والد کی تالیفات موجود ہیں۔ یہ سب انہیں کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ہیں۔

سلیم الخوری کا بیان ہے کہ ابن حزم احکام سے بخوبی واقف تھے۔ امورِ سیاست میں انہیں پوری بصیرت حاصل تھی۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلام کہتے ہیں کہ محلی ابن حزم اور مغنی بن قدامہ میں جتنا علم مجھے نظر آیا اتنا کسی دوسری کتاب میں مجھے نظر نہیں آیا۔ ذہبی نے بھی ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔

ابن حزم میں ایک کمزوری بھی تھی، ان کے اندر شدت انتہا درجہ کی تھی۔ اپنے مخالف کے لیے سخت قسم کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ حجاج کی تلوار اور ان کی زبان مشہور تھی۔ اسی وجہ سے انہیں جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ ابن حزم نے خود مدارۃ النفوس میں لکھا ہے "میری تلی بڑھ گئی تھی جس کے سبب سے میرے مزاج میں ایسا تغیر پیدا ہو گیا تھا جس پر خود مجھے بھی حیرت ہے۔"

حافظ ابن کثیرؒ نے مقدمہ ابن الصلاح کی تلخیص میں اور حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے ترمذی کے تذکرہ میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ابن حزم کو وسعت علم کے باوجود ترمذی اور ان کی تصنیفات کی اطلاع نہ تھی[۱]۔

کہا جاتا ہے کہ ابن حزمؒ کا انتقال منت لیشم میں ہوا جو اندلس کا ایک قریہ تھا۔

احمد بن حسین بیہقیؒ

ولادت ۳۸۴ھ وفات ۴۵۸ھ

ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعیہ کے بہت بڑے محدث ہیں۔ بیہق چند قریٰ کا نام ہے، یہ باہم متصل ہیں اور نیشاپور سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ بیہقی شعبان ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔ حاکم، ابوطاہر، ابن فورک متکلم، ابوعلی رودباری صوفی، ابوعبدالرحمٰن سلمی صوفی،

---

[۱] تذکرہ ج ۳ ص ۳۲۱، ابن خلکان و تہذیب التہذیب ،

زاہر الشحامی، محمد الفراوی، عبدالمنعم قشیری وغیرہ سے علوم کی تحصیل کی، فقہ ابوالفتح ناصر بن محمد العمری المزوری سے حاصل کیا۔ حصول حدیث کے لیے کوفہ، بغداد، خراسان، حجاز اور دیگر بلاد و امصار اسلامیہ کا سفر کیا۔

بیہقی کثیر التصانیف محدّث تھے۔ ان کی تصنیفات کی تعداد ایک ہزار تک پہنچتی ہے۔ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے نصوص شافعی جمع کی ہیں۔ سبکی کہتے ہیں کہ انہیں پہلا شخص کہنے کے بجائے آخری شخص کہا جاتے تو صحیح ہوگا۔ بیہقی کے تبحر علم اور فضل و کمال کا اندازہ ان کی تصنیفات سے ہوتا ہے۔ دین و شریعت کے مختلف موضوعات پر انہوں نے رسائل لکھے۔ خدا نے ان کے علم میں بڑی برکت دی تھی۔ انہوں نے ایسی کتابیں لکھی ہیں جن کی نظیر سابقین میں بہت کم ملتی ہے۔ ان کی مشہور کتابوں میں خاص یہ ہیں:

السنن الکبیر، السنن الصغیر، دلائل النبوۃ، السنن والآثار، دعوات الکبیر، شعب الایمان، کتاب الزھد، اربعین کبریٰ وصغریٰ، کتاب الاسرار، مناقب الشافعی المطلبی، مناقب احمد بن حنبل، کتاب الاسماء والصفات، کتاب المبسوط، کتاب معرفۃ علوم حدیث، کتاب آداب، کتاب البعث والنشور، ترغیب وترھیب، فضائل صحابہ، فضائل اوقات، کتاب الخلافیات وغیرہ۔

کتاب الاسماء والصفات کے بارے میں سبکی کا قول ہے کہ وہ اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ دلائل النبوۃ دو جلدوں میں ہے۔ مناقب شافعی اور دعوات الکبیر کی ایک ایک جلد ہے۔ سبکی کہتے ہیں کہ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ دنیا میں یہ پانچوں کتابیں بے مثل ہیں۔ ان کی نظیر عالم میں موجود نہیں ہے۔ بیہقی کی ایک کتاب "کتاب الاعتقاد والھدایۃ الیٰ سبیل الرشاد" بھی ہے جس کے آغاز میں ان دلائل کا ذکر ہے جن سے عالم کا حادث ہونا ثابت کیا گیا ہے جن سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عالم کائنات کا موجد اور مدبر خدا کی ذات واحد ہے۔

امام الحرمین ابوالمعالی کہتے ہیں:

ما من شافعی المذھب الا وللشافعی علیہ منۃ الا احمد بیھقی فان لہ علی "الشافعی" منۃ۔

”ہر شافعی المذہب پر امام شافعی کا احسان ہے، لیکن ایک بیہقی ہیں جن کا احسان خود امام شافعی پر ہے۔“

اس لیے کہ انہوں نے اپنی تصانیف سے ان کی فقہ کو مضبوط و مدلل طور پر مدون اور اسے رائج کیا۔ امام شافعی کی فقہ اور فنِّ حدیث اور علل حدیث میں انہیں پوری مہارت حاصل تھی بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن والآثار کے بارے میں علماء کہتے ہیں کہ اس کے معنیٰ ہیں معرفۃ الشافعی بالسنن والآثار۔ اس کتاب کی ۴ جلدیں ہیں۔ سنن کبریٰ دس جلدوں میں ہے۔ ان تمام فضل و کمالات کے باوجود حیرت ہے کہ جامع ترمذی، نسائیؔ اور سنن ابن ماجہ ان کے پاس نہ تھی۔ لوگوں نے اشاعت علم کی غرض سے نیشاپور طلب کیا۔ انہوں نے درخواست قبول کر لی اور نیشاپور منتقل ہو گئے۔

امام بیہقی کبھی کبھی شعر بھی کہتے۔ یہ اشعار انہیں کے ہیں ؎

مَنِ اعْتَزَّ بِالْمَوْلٰی فَذَاكَ جَلِیْلٌ   وَمَنْ رَامَ عِزًّا عَنْ سِوَاهُ ذَلِیْلٌ

وَلَوْ اَنَّ نَفْسِیْ مُذْ بَرَاْهَا مَلِیْكُهَا   مَضٰی عُمْرُهَا فِیْ سَجْدَةٍ لَقَلِیْلٌ

اُحِبُّ مُنَاجَاةَ الْحَبِیْبِ بِاَوْجُهٍ   وَلٰكِنْ لِسَانُ الْمُذْنِبِیْنَ كَلِیْلٌ

”وہی ہے صاحب عزّت جسے خدا نے عزّت دی   جو ہو عزّت کا خواہاں غیر سے ہے وہ ذلیل، ابتر

گزر جائے اگر سجدے میں جب سے رب نے جاں بخشی   ہے پھر بھی یہ بہت تھوڑا نہیں کچھ بھی ہے یہ کمتر

مناجاتیں کروں عمدہ طریقے سے ہے یہ خواہش   مگر گونگی گنہگاروں کی ہوتی ہے زباں یکسر“

دسویں جمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ کو نیشاپور میں بیہقی کی وفات ہوئی۔ جنازہ بیہق لایا گیا خسروجرد میں جو بیہق کا سب سے بڑا قریہ ہے سپرد خاک کیا گیا۔

دیلمیؒ

ولادت ۴۴۵ھ ــ وفات ۵۰۹ھ

دیلمی کا نام حافظ شیرویہ اور کنیت ابو شجاع ہے۔ شہردار بن شیرویہ کے بیٹے تھے۔ ہمدان کے رہنے والے تھے۔ اس خاندان کا نسب فیروز دیلمی سے جا کر ملتا ہے۔ جو صحابی تھے اور انہوں نے ہی اسود عنسی کذاب کو قتل کیا تھا۔ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: فاز فیروز "فیروز کامیاب ہو گئے"۔ ہمدان کے علاوہ انہوں نے اصفہان، بغداد، قزوین اور دوسرے شہروں کی سیاحت کی۔ حدیث کا علم انہوں نے یوسف بن محمد بن یوسف مستملی سفین بن الحسن بن فنجویہ، عبدالحمید بن الحسن القفاعی، عبدالوہاب بن مندہ، احمد بن عیسیٰ دینوری، ابوالقاسم بن البسری وغیرہ بے شمار علماء سے حاصل کیا۔ ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے شہردار دیلمی، حافظ ابو موسیٰ بن المدینی اور حافظ ابوالعلاء حسین بن احمد عطار ہیں۔

حافظ یحییٰ بن مندہ کا بیان ہے کہ یہ نہایت شکیل، خلیق اور سُنّت کے پابند تھے۔ اعتزال سے دُور رہے۔ کم گو اور دلیر تھے مگر علم اور اتقان و معرفت حدیث میں کچھ قصور تھا جس کی وجہ سے سقیم اور صحیح احادیث میں امتیاز کرنے میں غلطی کر جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب فردوس میں موضوع روایات تک پائی جاتی ہیں۔

ان کی کتاب فردوس، جامع صغیر، تنبیہات اور مشارق کے طرز پر ہے۔ اس میں احادیث کو حروف تہجی کی ترتیب پر جمع کیا گیا ہے۔ ان کی ایک دوسری کتاب تاریخ ہمدان ہے۔

دیلمی کی وفات ۹ رجب ۵۰۹ھ میں ہوئی۔

کتاب فردوس کی ترتیب اس وضع پر دیلمی کے بیٹے ابو منصور شہردار نے کی۔ انہوں نے اسناد کو بڑی جانفشانی سے فراہم کیا۔ کتاب کے منقح اور مہذب ہونے کے بعد ان کے بیٹے ابو مسلم احمد بن شہردار دیلمی اور ان کے بہت سے شاگردوں نے ان سے اس کی روایت کی

ابومنصور شہر دار حدیث کی معرفت میں اپنے والد سے بڑھے ہوئے تھے حصولِ علم میں اپنے والد کے شریک رہے۔ سنہ ۵۰۵ھ میں اصفہان کے صفر میں اپنے والد کے ساتھ تھے سنہ ۵۲۳ھ میں تنہا بغداد کا سفر کیا۔ والد کے انتقال کے بعد مکیؔ بن منصور الکرخی، ابو محمد نودی اور ابوبکر احمد بن محمد بن الحوبہ وغیرہ بہت سے اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ سمعانی نے ان کی فہم اور معرفت حدیث کی شہادت دی ہے۔ علم وادب میں بھی انہیں دخل حاصل تھا۔ نہایت عابد اور پاکباز شخص تھے۔ زیادہ وقت اپنی مسجد میں گزارتے۔ ان کا زیادہ وقت اسماع حدیث اور اس کے لکھنے میں صرف ہوتا تھا۔

ابو محمد حسین البغوی

المتوفی سنہ ۵۱۶ھ

بغوی کا نام حسین بن مسعود بن محمد اور کنیت ابو محمد ہے۔ انہیں فرّا و ابن الفراء بھی کہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے آباء واجداد میں سے کوئی صاحب فرو یعنی پوستین فروخت کرتے تھے۔ بغور ان کا وطن ہے۔ بغو اصل بغشور ہے جو درحقیقت باغ کور کا مرکب ہے بغشور ایک شہر ہے جو ہرات اور مرو کے درمیان میں واقع ہے۔ بغشور میں سے شور کو حذف کرکے بغ کی طرف نسبت کرنے سے انہیں بغوی کہا گیا۔

بغوی فقہ میں قاضی حسین بن محمد کے شاگرد ہیں۔ قاضی حسین کا اجلّ شوافع میں شمار ہوتا ہے۔ حدیث میں بغوی نے ابوالحسن داؤدی کی شاگردی اختیار کی۔ ابوالحسن داؤدی کا نام عبدالرحمٰن بن محمد ہے۔ یہ محدثین کے زمرہ میں داخل ہیں۔ ان کے علاوہ بغوی نے یعقوب بن احمد صیرفی، علی بن یوسف جوینی اور دوسرے محدثین سے استفادہ کیا۔ شافعی المذہب تھے۔

بغوی کو تین چیزوں میں مہارت اور کمال حاصل تھا۔ وہ محدّث بھی تھے اور اس کے

ساتھ ہی فقیہ اور مفسرؒ بھی۔ تمام عمر تصنیف و تالیف اور قرآن و حدیث اور فقہ کے درس میں مشغول رہے۔ درس ہمیشہ باوضو دیتے تھے۔ زہد و قناعت کی زندگی تھی۔ قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ افطار کے وقت خشک روٹی کو کافی سمجھتے۔ جب لوگوں نے بہت اصرار کیا اور کہا کہ خشک روٹی کھانے سے دماغ میں خشکی آجائے گی تو سالن کے طور پر زیتون کا تیل استعمال کرنے لگے۔

بغوی نے بہت سی مفید کتابیں لکھی ہیں۔ 'معالم التنزیل' ان کی مشہور تفسیر کی کتاب ہے فقہ کے موضوع پر انہوں نے 'التہذیب' لکھی ہے۔ حدیث پر ان کی معروف کتاب "شرح السنۃ" ہے اس کے علاوہ کتاب المصابیح (مشکوٰۃ المصابیح) اور الجمع بین الصحیحین وغیرہ ان کی مفید کارآمد کتابیں ہیں۔

کتاب المصابیح کی کل احادیث کی تعداد ۴۴۸۴ ہے۔ جن میں سے بخاری اور مسلم کی ۲۴۳۴ احادیث ہیں' باقی ۲۰۵۰ حدیثیں سنن ابی داوٗد، ترمذی کی وغیرہ کی ہیں۔

سنہ ۵۱۶ھ میں مرورود میں انتقال ہوا، اپنے استاد قاضی حسین کے قریب مقبرہ الطالقانی میں سپرد خاک کئے گئے۔ ایک روایت کے مطابق ان کی وفات شوال سنہ ۵۱۰ھ میں ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

ابوالحسن رزین معاویہ العبدری السرقسطی

وفات سنہ ۵۲۰ھ

رزینؒ قبیلہ عبدالدار سے تعلق رکھتے تھے۔ ابوالحسن ان کی کنیت ہے۔ عبدالدار قریش کے قبائل میں سے ایک مشہور قبیلہ ہے۔ رزین کی مشہور و معروف تالیف، تجرید فی الجمع بین الصحاح ہے۔

حدیث کی کتابوں کو اختصار کے ساتھ جن شخصیتوں نے جمع کیا وہ ابوبکر احمد بن محمد البرقانی

اور ابومسعود ابراہیم بن محمد بن عبید الدمشقی ہیں۔ ان کی پیروی ابوعبداللہ محمد بن ابی نصر الحمیدی نے بھی کی۔ ان حضرات نے بخاری و مسلم کو مسانید کے طرز پر جمع کیا۔ اس کے بعد ابوالحسن رزین نے صحاح ستہ (بخاری، مسلم، الموطا مالک، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی) کو جمع کیا اور اس کی تبویب کی۔ شاہ ولی اللہؒ نے رزین کی تالیف کو کتبِ احادیث کے طبقہ دوم میں شمار کیا ہے قرآن کریم کے بعد طبقہ اول و دوم کی احادیث پر ہی شریعت اور اسلامی عقائد کی اصل بنیاد ہے۔

ابن اثیر نے اس سلسلہ میں مزید کام کیا اور اپنی مشہور تالیف جامع الاصول فی احادیث الرسولؐ مرتب کی۔ انہوں نے رزینؒ کی جمع کردہ احادیث کو صحاح کی اصل کتابوں میں تلاش کیا صحاح میں انہیں ایسی احادیث بھی ملیں جو رزین کی تجرید میں شامل نہیں تھیں۔ ان حدیثوں کو بھی انہوں نے اپنی کتاب میں شامل کیا۔ اس کے علاوہ رزین کی کتاب میں ابن اثیر کو ایسی احادیث بھی ملیں جو انہیں صحاح کی کتابوں میں نہ مل سکیں۔ ان احادیث کو بھی انہوں نے رزین کے حوالہ سے اپنی کتاب میں نقل کر دیا۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ صحاح میں ان احادیث کے نہ ملنے کی اصل وجہ نسخ و طرق کا اختلاف ہے[1] مطلب یہ ہے کہ ابن اثیرؒ کے سامنے صحاح کے جو نسخے رہے ہیں ان میں ان احادیث کے نہ ملنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ احادیث سرے سے صحاح کی نہیں ہیں بلکہ رزین کے پاس صحاح کے جو نسخے تھے یا انہوں نے انہیں جن طرق سے حاصل کیا تھا ان سے انہیں یہ احادیث حاصل ہوئی ہیں۔ الموطا مالک کے سولہ نسخوں کا تذکرہ شاہ عبدالعزیزؒ نے کیا ہے۔ ان میں بیشتر ایسے نسخے ہیں جن میں ایسی احادیث موجود ہیں جو ان کی منفردات ہیں وہ موطا کے ہر نسخے میں نہیں ملتیں۔

رزینؒ کی وفات ۵۲۰ھ میں ہوئی۔

---

[1] المقدمۃ جامع الاصول فی احادیث الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) الفصل الثانی۔

نورالدین ابوالحسن علی بن ابی بکر الہیثمی

ولادت ۷۳۵ھ — وفات ۸۰۷ھ

حافظ نورالدین رجب ۷۳۵ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ اور قاہرہ ہی میں پرورش ہوئی۔ بچپن سے لے کر آخر تک سفر و حضر میں شیخ زین الدین عراقی کے ساتھ رہے۔ حرمین، بیت المقدس، بعلبک، حمص، حلب اور طرابلس وغیرہ کا سفر عراقی کے ساتھ کیا۔ ایسی حدیثیں تعداد میں بہت کم ہیں جو انہوں نے تنہا کسی شیخ سے حاصل کی ہیں۔ عراقی اپنے معاملات میں ان پر بڑا اعتماد رکھتے تھے، اپنی لڑکی کی شادی بھی ان سے کر دی تھی۔ عراقی کے انتقال کے بعد حافظ نورالدین ہی ان کے جانشین قرار دیئے گئے۔

علماء مصر میں ابوالفتح میدومی، ابن ملوک اور ابن قطروانی سے اور علماء شام میں ابن الخبار، ابن الحموی، ابن القیم ضیائیہ وغیرہ سے استفادہ کیا۔

حافظ نورالدین کی مشہور تصنیف مجمع الزوائد ہے۔ یہ کتاب دس ضخیم جلدوں میں مصر سے شائع ہوئی ہے۔ مجمع الزوائد میں تینوں معجم، مسند امام احمد، بزار اور ابویعلیٰ کے زوائد جمع کیے گئے ہیں۔ رواۃ پر بحث کی ہے اور روایات کی صحت و ضعف کے بارے میں تفصیلی کلام کیا ہے۔

حافظ نورالدین نے ابن حبان اور عجلی کی کتاب الثقات کو جمع کر کے حروف معجم پر مرتب کیا اور کتاب الحلیہ کی تبویب کی ہے۔ حافظ نورالدین نہایت سلیم الطبع اور نرم مزاج تھے۔ وہ مذہباً شافعی تھے —

مجمع الزوائد کا تقریباً نصف حصہ حافظ ابن حجرؒ نے ان کے سامنے پڑھا ہے۔ مجمع الزوائد کے علاوہ بعض دوسری کتابیں انہیں سُنائی ہیں۔ ابن حجرؒ ان کی محدثانہ شان کے معترف تھے۔ ابن حجرؒ کا ارادہ تھا کہ مجمع الزوائد میں معمولی اوہام پیش آگئے ہیں انہیں تلاش کر کے جمع کر دیں لیکن انہوں نے حافظ نورالدینؒ کی ناگواری کے پیش نظر اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔

حافظ نورالدین رحمۃ اللہ علیہ زہد و تقویٰ میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ حدیث اور اصحابِ حدیث سے انہیں انتہائی محبت تھی۔ علماء کی ایک کثیر تعداد نے ان سے استفادہ کیا۔ ۸۰۷ھ میں قاہرہ میں وفات پائی۔ باب البرقوقیہ کے باہر تدفین عمل میں آئی۔

تحریری سرمایہ

جس کا تعلق نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہے

۱۔۔۔ صُلح حدیبیہ کے موقع پر آپؐ نے ایک صلح نامہ لکھایا۔ یہ صلح نامہ بخاری میں موجود ہے۔

۲۔۔۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم مدینہ تشریف لے گئے تو آپؐ نے وہاں کے تمام باشندوں مہاجرینؓ انصار، یہود وغیرہ سے مشورہ کیا اور ایک دستور مملکت ترتیب دے کر نافذ فرمایا۔ یہ تحریری دستور جس میں حاکم و محکوم کے حقوق و واجبات کی تفصیلات دی گئی تھیں[۱]۔ ۵۲ دفعات پر مشتمل تھا۔

۳۔۔۔ ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں آپؐ نے مسلمانوں کی مَردُم شماری کا حکم دیا اور فرمایا کہ ان لوگوں کا نام لکھا جائے جو اسلام کا اقرار کرتے ہیں چنانچہ ۱۵۰۰ آدمیوں کے نام لکھے گئے[۲]۔

۴۔۔۔ وائل بن حجر جو حضرموت کے شاہزادوں میں سے تھے، مدینہ میں آکر مسلمان ہوتے۔ کچھ دنوں تک وہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں رہے۔ جب وہ گھر واپس جانے لگے تو آپؐ نے ایک صحیفہ لکھا کر انہیں عطا فرمایا۔ اس میں نماز، روزہ، شراب، سود وغیرہ کے متعلق احکام تھے[۳]۔

---

[۱] الوثائق السیاسیہ بحوالہ ابن ہشام، ابوعبید و ابن سید الناس وغیرہ۔

[۲] بخاری کتاب الجہاد والسیر۔

[۳] طبرانی صغیر ص ۲۴۱۔ ۲۴۲۔

۵۔ حضرت معاذؓ کے صاحبزادے کا انتقال مدینہ میں ہوا۔ حضرت اس وقت یمن میں تھے انہیں بڑا غم ہوا۔ اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو تعزیت نامہ لکھا۔ یہ تعزیت نامہ کتب احادیث میں نقل ہوا ہے [۱]

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسلم بن حارث تمیمی کو کچھ وصیتیں لکھا کر عطا فرمائیں اور اس وصیت نامہ پر اپنی مہر بھی ثبت فرمائی [۲]

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک غلام حضرت عدّ بن خالدؓ کے ہاتھ فروخت کیا۔ آپؐ نے انہیں ایک بیع نامہ بھی لکھا کر عطا فرمایا۔ یہ تحریر ان کے پاس محفوظ رہی۔ وہ یہ تحریر حضرات تابعین کو دکھاتے اور پڑھ کر سُناتے [۳]

۸۔ آپؐ نے عمرو بن حزمؓ کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا تو انہیں ایک تحریری ہدایت نامہ عطا کیا جس میں انتظامی اُمور کے علاوہ تعلیم کی اشاعت سے متعلق احکام بھی درج تھے [۴] اس کی جامعیت کو دیکھتے ہوتے اسے حدیث کی پہلی کتاب کہا جا سکتا ہے [۵]

۹۔ آپؐ نے اہل یمن کو ایک دوسرا صحیفہ بھی لکھوا کر بھیجا تھا جس میں مختلف احکام درج تھے دارمی کے الفاظ یہ ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی اهل الیمن ان لا یمس القرآن الا طاهر ولا طلاق قبل ملاك ولا عتاق یبتاع۔

۱۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ایک تحریر لکھوا کر دی تھی جس میں مدینہ کے حرم ہونے، ذبح لغیر اللہ وغیرہ سے متعلق احکام درج تھے (مسلم) حضرت علیؓ اس کے بارے میں فرماتے تھے: ما کتبنا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا القرآن

---

[۱] طبرانی، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۷۳، تاریخ خطیب ج ۲ ص ۸۹۔ [۲] ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۱

[۳] بخاری ج ۱ ص ۲۷۹، ترمذی ص ۱۹۶۔ [۴] الوثائق السیاسیہ ص ۱۰۵، بحوالہ ابن ہشام، طبری وغیرہ

[۵] اس ہدایت نامہ کا تذکرہ دارقطنی، دارمی، بیہقی، مسند احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان، مؤطا امام مالک اور سنن نسائی میں ملتا ہے۔

وما فی ھٰذہ الصحیفۃ (بخاری)

"ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف قرآن اور (حدیث کا) یہ صحیفہ لکھا۔"

۱۱ــ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اواخر عمر میں اپنے عاملوں کے پاس بھیجنے کے لیے کتاب الصدقہ لکھوائی تھی۔ اس کتاب میں پیداوار، ریوڑوں، معدنیات وغیرہ پر زکوٰۃ کی شرحیں درج کرائیں۔ کتاب الصدقہ ابھی روانہ بھی نہیں کی جاسکی تھی کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر نے اس پر عمل کیا۔ یہ کتاب حضرت عمرؓ کے خاندان میں محفوظ رہی۔ حضرت عمرؓ کے پوتے حضرت سالم نے یہ کتاب امام ازہریؒ کو برائے مطالعہ دی تھی۔ امام زہریؒ نے اسے یاد کرلیا۔ اس کی نقل حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کرائی تھی۔[1]

۱۲ــ انتظامی ضروریات کے تحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مختلف جگہ کے اپنے گورنروں، قاضیوں محصلوں وغیرہ کو وقتاً فوقتاً ہدایات بھیجتے رہتے تھے۔ ان کے کچھ پوچھنے یا استصواب کرنے پر جوابات لکھواتے تھے۔

۱۳ــ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے ہی لوگوں کو پروانے، دستاویزات اور وثیقے لکھوا کر دیئے ہیں۔ اس کا آغاز ہجرت سے پہلے ہوچکا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب 'الوثائق السیاسیۃ' میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے وثائق جمع کیے ہیں۔ اس کتاب میں عہدِ نبوی کی ۲۴۰ سے زائد دستاویزات جمع ہیں۔

۱۴ــ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر و کسریٰ، مقوقس، نجاشی وغیرہ کتنے ہی حکمرانوں کو دعوتی خطوط بھیجے ہیں۔ ان میں سے مقوقس، نجاشی اور المنذر بن ساویٰ کے نام لکھے گئے خطوط کی اصل کاپیاں (Original Copies) موجود ہیں۔ اُن کے فوٹو لیے جاچکے ہیں۔ کسریٰ کے نام مکتوب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل کاپی کی دریافت بھی ابھی حال ہی میں ہوئی ہے۔ ۲۲ مئی ۱۹۶۳ء کو بیروت کے روزنامہ 'الحیاۃ' میں اس مکتوب گرامی کا فوٹو شائع ہوا تھا۔ منذر بن ساویٰ کے نام جو مکتوب

---

[1] ابوداؤد، بیہقی، مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۹۲، ترمذی کتاب الزکوٰۃ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کیا تھا اس کی اصل کاپی کا عکس مجموعۃ الوثائق السیاسیہ میں چھپ چکا ہے۔

جن کا تعلق صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ہے

۱۔ الصحیفۃ الصادقہ۔ تالیف: عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (متوفی ۶۳ھ یا ۶۵ھ) یہ مجموعہ تقریباً ایک ہزار حدیثوں پر مشتمل تھا[۱] عرصہ تک ان کے خاندان میں محفوظ رہا۔ مجاہدؒ (متوفی ۱۰۳ھ) نے جو ایک جلیل القدر تابعی ہیں اس صحیفہ کو عبداللہ بن عمرو کے پاس دیکھا تھا[۲] اب یہ مسند امام احمد میں تمام وکمال شامل ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے اپنے صحیفہ کا نام صحیفۂ صادقہ رکھا تاکہ اہل کتاب سے انہوں نے جو روایات لی تھیں اور ان کے مجموعہ کا نام صحیفۂ یرموکیہ رکھا تھا۔ تاکہ اس سے یہ صحیفۂ نبوی ممتاز رہے۔ (فتح المغیث ص۵۱) عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں:

مایرغبنی فی الحیاۃ الا الصادقۃ وھی صحیفۃ کتبتھا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (مسند دارمی ص۶۸، جامع بیان العلم ص۷۲)

۲۔ الصحیفۃ الصحیحہ۔ یہ ابوہریرہؓ (متوفی ۵۸ھ) کی روایات کا ایک حصہ ہے جسے انہوں نے اپنے ایک شاگرد ہمام بن منبہ (۱۰۱ھ) کے لیے مرتب کیا تھا۔ پہلی صدی ہجری کے تقریباً وسط کی یہ تالیف خوش قسمتی سے من وعن محفوظ ہے۔ اس کے قدیم نسخے برلن اور دمشق کے کتب خانوں میں موجود ہیں اسے ڈاکٹر حمید اللہ نے ایڈٹ کر کے شائع کر دیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اس صحیفہ کو بجنسہٖ اپنی مسند میں شامل کیا ہے۔ صحیفہ ہمام بن منبہ سے امام مسلم اپنی کتاب صحیح مسلم میں ہٰذا ماحدّثنا ابوہریرہ کے الفاظ کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

۳۔ ابوہریرہؓ کے ایک دوسرے شاگرد بشیر بن نہیک نے بھی ایک مجموعہ مرتب کیا تھا اور رخصت

---

[۱] اسد الغابہ لابن الاثیر ج ۳ ص۲۳۳۔ [۲] تہذیب التہذیب ج ۸ ص۵۶، المحدث الفاصل ج ۴ ص ۲، طبقات ابن سعد ۲/۲ ص ۱۲۵۔

ہوتے وقت اسے ابو ہریرہؓ کو سُنا کر تصدیق بھی حاصل کر لی تھی[1]۔

۴ــــ **مسند ابو ہریرہؓ** ـــــ اس کے نسخے عہد صحابہؓ ہی میں لکھے گئے تھے۔ اس کی ایک نقل عمر بن عبد العزیز کے والد عبد العزیز بن مروان گورنر مصر (متوفی ۸۶ھ) کے پاس بھی موجود تھی[2] ابو ہریرہؓ نے اپنی مرویات کو قلمبند کر لیا تھا جو ان کے پاس موجود تھیں[2]۔ مسند ابو ہریرہؓ کا ایک نسخہ ابن تیمیہؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا جرمن کے کتب خانہ میں پایا جاتا ہے[3]۔

۵ ــــ **صحیفہ جابر بن عبد اللہؓ** ـ (متوفی ۷۸ھ) حضرت جابرؓ نے حج پر ایک رسالہ تالیف کیا تھا[4]۔ وہب بن منبہ (متوفی ۱۱۰ھ) کو انہوں نے احادیث املا کرائیں۔ مشہور تابعی قتادہ کہا کرتے تھے کہ مجھے سورۃ البقرہ کے مقابلہ میں صحیفہ جابرؓ زیادہ حفظ ہے[5]۔

سلیمان بن قیس الیشکری نے بھی حضرت جابرؓ کی روایات لکھی تھیں[6]۔ اس کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی ان کی مرویات کی روایت کی ہے[7]۔

۶ــــ **روایات عائشہؓ** ـــــ حضرت عائشہؓ کی مرویات ان کے شاگرد عروہ بن زبیر نے قلمبند کی تھیں[8]۔ عروہ بن زبیر حضرت عائشہ کے بھانجے ہوتے تھے۔

۷ ــــ **صحیفہ علیؓ** ـــــ امام بخاری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث کا یہ مجموعہ اچھا خاصا تھا[9]۔ اس میں زکوٰۃ، حرمت مدینہ، خطبہ حجۃ الوداع اور اسلامی دستور کے نکات شامل تھے۔

۸ ــــ عبد اللہ بن ابی اوفیٰؓ احادیث لکھا کرتے تھے۔ خط و کتابت کے ذریعہ سے احادیث کی اشاعت بھی کرتے تھے۔ یہ بات بخاری کے متعدد ابواب سے معلوم ہوتی ہے۔ امام بخاری کی جامع میں ایک حدیث ان ہی کی کتاب سے ماخوذ ہے۔

۹ ــــ احادیث عبد اللہ بن عباسؓ ـ (متوفی ۶۹ھ)، ابن عباس کی روایات کے متعدد مجموعے تھے۔

---

[1] دارمی باب ۴۳، تقیید الخطیب ص۱۰۱ [2] فتح الباری لابن حجر ج ۱ ص۱۸۴، جامع العلم لابن البرج ۱ ج۴۔

[3] مقدمہ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ص۱۶۵ [4] صحیح مسلم بحوالہ تدوین حدیث و مصنّف عبد الرزاق باب الذنوب

[5] تاریخ الکبیر امام بخاری ج ۴ ص۱۸۳ بحوالہ تدوین حدیث [6] تہذیب التہذیب ج ۴ ص۲۱۵۔

[7] تہذیب التہذیب ج ۴ ص۲۱۵، [8] ایضاً ج ۷، ص۱۸۳، [9] صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

ان کی وفات ہوئی تو انہوں نے اتنی کتابیں چھوڑیں کہ ایک اونٹ پر لادی جاسکتی تھیں۔ ابن عباسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سیرت سے متعلق بہت سا مواد تختیوں پر تحریر کیا تھا۔ جب کسی مجلس میں جاتے تو یہ تختیاں اپنے ساتھ لے جاتے تھے[۱]۔ ابن عباسؓ نے اہل طائف کے کچھ لوگوں کو پڑھ کر احادیث کا املا کرایا تھا[۲]۔ ان کے ایک شاگرد سعید بن جُبیر (متوفی ۹۵ھ) نے بھی ان سے روایات لکھی تھیں[۳]۔ ابن عباس خط و کتابت کے ذریعہ سے بھی احادیث کی اشاعت کرتے تھے[۴]۔ انتقال کے بعد ان کے بیٹے علی بن عبد اللہ ان کی کتابوں کے وارث ہوئے۔

۱۰۔ صحف انس بن مالکؓ۔ انس بن مالکؓ روایات کی قلمی یادداشتیں رکھتے تھے۔ انہوں نے لکھنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنا کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق بھی حاصل کرلی تھی[۵]۔

۱۱۔ تالیف عَمرو بن حزمؓ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عَمرو بن حزمؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو آپ نے انہیں ایک تحریری ہدایت نامہ بھی عطا فرمایا تھا۔ عَمرو بن حزمؓ نے اس ہدایت نامہ کو محفوظ ہی نہیں رکھا بلکہ اس میں اکیس دوسرے فرامینِ نبوی بھی شامل کیے اور اس طرح ایک کتاب تالیف کرلی[۶]۔ مستدرک حاکم میں اس کتاب کی ۶۳ احادیث منقول ہیں۔

۱۲۔ رسالہ سمرۃ بن جندبؓ۔ یہ رسالہ ان کے بیٹے سلیمان بن سمرہ کو ورثہ میں ملا۔ یہ ایک بڑا نسخہ تھا[۷]۔ ابن سیرین کا بیان ہے کہ سمرہ نے اپنے بیٹوں کے لیے یہ رسالہ لکھا۔ اس میں علم کثیر پایا جاتا ہے[۸]۔ اس مجموعہ کی چھ احادیث ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کی ہیں۔ ابوداؤد میں جہاں کہیں اس مجموعہ کی حدیث آتی ہے اس کی ابتدا میں یہ الفاظ ہوتے ہیں: امابعد

---

[۱] طبقات ابن سعد ۲ / ۱ ص ۱۲۳۔ [۲] دارمی باب ۴۳۔

[۳] تدوین حدیث مناظر احسن گیلانی۔ [۴] سنن ابی داؤد کتاب الاقضیہ۔

[۵] المستدرک للحاکم، کتاب تقیید العلم لخطیب البغدادی ص ۹۵، ص ۹۶، بحوالہ دیباچہ صحیفۂ ہمام۔

[۶] الوثائق السیاسیہ ص ۱۰۵ بحوالہ طبری ص ۱۰۴، مسند احمد بن حنبل، ابوداؤد و نسائی کے باب الدیات۔

[۷] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۹۸۔ [۸] ایضاً ص ۲۳۶۔

فانّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم یا امابعد قال وغیرہ - اس مجموعہ کی تقریباً سو احادیث مسند بزّار میں نقل ہوئی ہیں۔

۱۳۔۔۔ صحیفۂ سعد بن عبادہ - (متوفی ۱۵ھ) سعد بن عبادہ نے ایک صحیفہ میں احادیث جمع کی تھیں۔ اس صحیفہ کی روایت ان کے بیٹے نے کی ہے[1]

۱۴۔۔۔ مکتوباتِ نافع - سلیمان بن موسیٰ نے روایت کی ہے کہ عبداللہؓ عمرؓ نے اپنے شاگرد نافع کو روایات املا کرائی تھیں[2]

۱۵۔۔۔ تالیف عبداللہ بن مسعودؓ - عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعودؓ نے کتاب نکال کر حلفیہ کہا تھا کہ یہ میرے والد عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے[3]

۱۶۔۔۔ مغیرہ بن شعبہؓ نے حضرت معاویہؓ کو بعض احادیث اپنے کاتب کو املا کرا کر روانہ کی تھیں[4]

اگر مزید تحقیق کی جائے تو ان کے علاوہ بھی بعض صحابہؓ کی تحریری یادداشتوں کا سُراغ لگ سکتا ہے۔

۱۷۔۔۔ عبادہ بن سعیدؓ کے پاس بھی احادیث کا ایک مجموعہ تھا۔ (ترمذی باب الیمین مع الشاہد)

۱۸۔۔۔ عتبان بن مالکؓ کے پاس بھی بہت سی لکھی ہوئی حدیثیں تھیں۔ (بخاری باب العلم)

۱۹۔۔۔ ابو رافعؓ نے بھی حدیثیں جمع کر کے ایک جگہ قلمبند کر لی تھیں (تہذیب التہذیب ج ۲ ص۴۴)

۲۰۔۔۔ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ نے بھی ۵۰۰ احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔ (طبقات الحفاظ)

جامع ترمذی میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس جتنا بھی احادیث کا ذخیرہ تھا آپ نے اُسے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے پیش کر کے اس کی تصدیق حاصل کر لی تھی۔

۲۱۔۔۔ حضرت واثلہؓ بھی لوگوں کو اپنی احادیث لکھاتے تھے[5]

۲۲۔۔۔ صحیفۂ عمرؓ - خطیب بغدادی نے الکفایہ میں حضرت عمرؓ کے ایک صحیفہ کا ذکر کیا ہے جو حضرت

---

[1] ترمذی کتاب الاحکام۔
[2] طبقات ابن سعد۔
[3] مختصر جامع العلم ص۳۷۔
[4] بخاری باب الذکر بعد الصلوٰۃ۔
[5] فتح المغیث ص۳۱۴۔

عبداللہ بن عمرؓ سے دستیاب ہوا تھا اور جس میں احادیث درج تھیں[۱]۔ حافظ سخاوی کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عمر انه وجد فی قائم سیف ابیه عمر صحیفة فیها کذا۔

مرویاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعداد جنہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یا سُنا ابوزرعہ الرازی کے تخمینہ کے مطابق ایک لاکھ ہوتی ہے[۲] ابن الجوزی نے صحابہؓ کی جو فہرست ان کی مرویات کے ساتھ دی ہے ان کی تعداد ۱۰۶۰ ہے[۳] ان میں ۵۰۰ ایسے ہیں جن میں سے ہر ایک نے ایک ایک حدیث روایت کی ہے۔ ۱۳۲ صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے ہیں جنہوں نے دو دو حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۸۰ اور ۶۰ کے درمیان میں وہ صحابہؓ آتے ہیں جن کی مرویات کی تعداد ۳ سے ۲۰ تک پہنچتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

تعدادِ صحابہؓ	تعداد مرویات
۸۰	۳ احادیث
۵۲	۴ "
۳۲	۵ "
۲۶	۶ "
۲۷	۷ "

---

[۱] فتح المغیث ص۲۳۳۔ [۲] الاصابہ فی تمیز الصحابہ۔ ابن حجر عسقلانی۔
[۳] تلقیح فہوم اہل الاثر۔

تعداد صحابہؓ	تعداد مرویات
۱۸	۸ احادیث
۱۱	۹ ؍؍
۶۰	۱۰ سے ۲۰ احادیث تک

ان میں سے کچھ کے نام ان کی مرویات کے ساتھ درج ذیل ہیں :

	نام صحابہ رضی اللہ عنہم	تعداد مرویات
۱	مالک بن یسارؓ	۱
۲	عبداللہ بن زمعہؓ	۱
۳	کلثوم بن علقمہؓ	۱
۴	ثابت بن ودیعہؓ	۲
۵	کعب بن عیاض اشعریؓ	۲
۶	کلثوم بن حصین غفاریؓ	۲
۷	دحیہ کلبیؓ	۲
۸	جدانہ بنت وہبؓ	۲
۹	مالک بن ہبیر کندیؓ	۴
۱۰	زید بن حارثہؓ	۴
۱۱	سلمہ بن نعیم اشجعیؓ	۵
۱۲	مالک بن صعصعہؓ	۵
۱۳	محجن بن ادرعہؓ	۵
۱۴	سائب بن فلاحؓ	۵
۱۵	خفاف غفاریؓ	۵
۱۶	ذو فجر حبشیؓ	۵
۱۷	قبیصہ بن مخارق عامریؓ	۶

	نام صحابہ رضی اللہ عنہم	تعداد مرویات
۱۸	عاصم بن عدی قضاعی رضؓ	۶
۱۹	سلمہ بن قیس رضؓ	۷
۲۰	قتادہ بن لقمان رضؓ	۷
۲۱	عروہ بن مفرس رضؓ	۱۰
۲۲	مجمع بن یزید رضؓ	۱۰
۲۳	بسرہ بنت صفوان	۱۱
۲۴	معاویہ بن حکیم سلمی رضؓ	۱۳
۲۵	عروہ بن ابی جعد الاسعدی رضؓ	۱۳
۲۶	ثابت بن ضحاک رضؓ	۱۴
۲۷	خولہ بنت حکیم رضؓ	۱۵
۲۸	اُسید بن حُضیر اشہلی رضؓ	۱۸
۲۹	خالد بن ولید رضؓ	۱۸
۳۰	عمرو بن حریث رضؓ	۱۸

وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی مرویات ۲۰ یا ۲۰ سے زائد ہیں، ان کی فہرست مع تعداد مرویات کے یہاں درج کی جاتی ہے :

۱	ابوشریح الکعبی رضؓ	۲۰
۲	عبداللہ بن جراد رضؓ	۲۰
۳	مسور بن مخرمہ رضؓ [۱]	۲۰
۴	عمرو بن امیہ الضمری	۲۰
۵	عمرو بن امیہ رضؓ (دیگر)	۲۰

---

[۱] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب جلد اوّل صفحہ ۱۱۰۹۔

	نام صحابہ رضی اللہ عنہم	تعداد مرویات
۶	صفوان بن عسّال رض	۲۰
۷	سعد بن عبادہ رض	۲۱
۸	الربیع رض	۲۱
۹	سائب رض	۲۲
۱۰	قرۃ رض	۲۲
۱۱	عمیر بن ربیعہ رض	۲۲
۱۲	ام قیس رض	۲۴
۱۳	لقیط بن عامر رض	۲۴
۱۴	الشرید رض [1]	۲۴
۱۵	رفاعہ بن رافع رض	۲۴
۱۶	عبداللہ بن انیس رض	۲۴
۱۷	اوس بن اوس رض	۲۴
۱۸	فضل بن عباس رض	۲۴
۱۹	ابوواقد اللیثی رض	۲۴
۲۰	ابوطلحہ الانصاری رض	۲۵
۲۱	عبداللہ بن سلام رض	۲۵
۲۲	سہل بن ابی خثیمہ رض [2]	۲۵
۲۳	ابوالملیح الحذیبی رض [3]	۲۵
۲۴	عبداللہ بن جعفر رض	۲۵

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۵۴۳۔ [2] تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۵۴۔

[3] ایضاً ج ۱۲ ص ۲۴۴۔

	نام صحابہ رضی اللہ عنہم	تعداد مرویات
۲۵	یعلیٰ بن مرۃؓ	۲۶
۲۶	ابو حمید السعیدؓ	۲۶
۲۷	ابو مالک الاشعریؓ[1]	۲۷
۲۸	عبداللہ بن بحینہؓ[2]	۲۷
۲۹	ابو اسید السعیدؓ[3]	۲۸
۳۰	عتبہ بن عبدؓ	۲۸
۳۱	یعلیٰ بن امیہ	۲۸
۳۲	عثمان بن ابی العاصؓ	۲۹
۳۳	ام الفضل بنت الحارثؓ	۳۰
۳۴	صہیبؓ	۳۰
۳۵	عیاض بن حمارؓ	۳۰
۳۶	معاذ بن انسؓ	۳۰
۳۷	عرباض بن ساریہؓ[4]	۳۱
۳۸	خباب بن الارتؓ[5]	۳۲
۳۹	عبداللہ بن زبیرؓ	۳۳
۴۰	فاطمہ بنت قیسؓ	۳۴
۴۱	معقل بن یسارؓ[6]	۳۴
۴۲	عباس بن عبدالمطلبؓ	۳۵

---

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۲۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۵ صـ ۶۵۳۔

[3] الاستیعاب جلد ۲ صـ ۲۸۰۶۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۷ صـ ۳۴۰۔

[5] تہذیب التہذیب ج ۳ صـ ۲۵۴۔ [6] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب جلد ۱ صـ ۱۰۹۵۔

	نام صحابہ رضی اللہ عنہم	تعداد مرویات
۴۳	عمرو بن عبسہؓ [1]	۳۸
۴۴	خزیمہ بن ثابتؓ [2]	۳۸
۴۵	طلحہ بن عبد اللہؓ	۳۸
۴۶	زبیر بن العوامؓ [3]	۳۸
۴۷	عمرو بن العاصؓ	۳۹
۴۸	ام عطیہ	۴۰
۴۹	ابو ثعلبہ الخشنیؓ [4]	۴۰
۵۰	حکیم بن حزامؓ [5]	۴۰
۵۱	سہل بن حنیفؓ [6]	۴۰
۵۲	معاویہؓ [7]	۴۲
۵۳	مقدادؓ	۴۲
۵۴	عبد اللہ بن مغفلؓ [8]	۴۳
۵۵	جندب بن عبد اللہؓ	۴۳
۵۶	بلالؓ (مؤذن)	۴۴
۵۷	ابو جحیفہؓ	۴۵
۵۸	امّ ہانیؓ	۴۶
۵۹	ابو برزہؓ [9]	۴۶

---

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۲ ص ۱۸۹۶۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۹۷۔ [3] ایضاً ص ۵۹۲۔

[4] 〃 〃 ج ۲ ص ۲۸۵۔ [5] 〃 ج ۲ ص ۴۴۵۔

[6] تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۴۸۔ [7] الاستیعاب ج ۱ ص ۱۰۸۔ [8] تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۴۲،

[9] الاستیعاب ج ۱ ص ۱۰۸۔

	نام صحابہ رضی اللہ عنہم	تعداد مرویات
۶۰	کعب بن عجرہؓ[1]	۴۷
۶۱	مقدامؓ	۴۷
۶۲	عبداللہ بن زیدؓ	۴۸
۶۳	سعید بن زید بن عمروؓ	۴۸
۶۴	عبداللہ بن بشرؓ	۵۰
۶۵	شداد بن اوسؓ	۵۰
۶۶	اسماء بنت ابی بکرؓ	۵۸
۶۷	اسماء بنت عمیسؓ	۶۰
۶۸	امّ المومنین حفصہؓ	۶۰
۶۹	جبیر بن مطعمؓ	۶۰
۷۰	سلمان الفارسیؓ	۶۰
۷۱	عمرو بن عوف	۶۲
۷۲	عمار بن یاسرؓ	۶۲
۷۳	عبدالرحمٰن بن عوفؓ	۶۵
۷۴	ام المومنین ام حبیبہؓ	۶۵
۷۵	عدی بن حاتمؓ	۶۶
۷۶	ابورافعؓ	۶۸
۷۷	زیاد بن ارقمؓ	۷۰
۷۸	وائل بن حجرؓ[2]	۷۱
۷۹	ام المومنین میمونہؓ	۷۶

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص۴۳۶۔ [2] الاستیعاب جلد ۲ ص ۴۴۸۔

	نام صحابہ رضی اللہ عنہم	تعداد مرویات
۸۰	سلم بن اکوع	۷۷
۸۱	رافع بن خدیج[۱]	۷۸
۸۲	زید بن خالدؓ	۸۱
۸۳	زید بن ثابتؓ	۹۲
۸۴	عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ	۹۵
۸۵	جابر بن عبداللہؓ[۲]	۱۰۰
۸۶	ابومسعود الانصاریؓ	۱۰۲
۸۷	نعمان بن بشیرؓ	۱۲۲
۸۸	سمرہ بن جندبؓ[۳]	۱۲۳
۸۹	ثوبانؓ	۱۲۸
۹۰	اسامہ بن زیدؓ	۱۲۸
۹۱	ابوبکرہ نفیع بن الحارثؓ	۱۳۲
۹۲	مغیرہ بن شعبہؓ	۱۳۶
۹۳	ابوبکر صدیقؓ[۴]	۱۴۲
۹۴	جابر بن سمرہؓ	۱۴۶
۹۵	عثمانؓ (خلیفہ راشد سوم)	۱۴۶
۹۶	ابوایوب الانصاریؓ	۱۵۵

---

[۱] تہذیب التہذیب جلد ۸۔ ص ۷۸۸۔ [۲] ایضاً جلد ۲ ص ۱۱۵۔

[۳] الاستیعاب جلد ۲ ص ۲۴۳۴۔

[۴] خلاصۃ التہذیب امام سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں ۱۰۴ حدیثوں کا ذکر کیا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخلفاء میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی تقریباً ۱۵۰ حدیثیں کتب احادیث میں موجود ہیں۔

	نام صحابہ رضی اللہ عنہم	تعداد مرویات
۹۷	معاذ بن جبلؓ	۱۵۷
۹۸	معاویہؓ (پہلے اموی خلیفہ)	۱۶۳
۹۹	اُبی بن کعبؓ	۱۶۴
۱۰۰	بریدہ بن الحصیب[۱] سلمیؓ	۱۶۷
۱۰۱	ابو قتادہ انصاریؓ	۱۷۰
۱۰۲	ابو الدرداءؓ	۱۷۹
۱۰۳	عمران بن حصینؓ[۲]	۱۸۰
۱۰۴	عبادہ بن الصامتؓ	۱۸۱
۱۰۵	سہل بن سعد انصاریؓ	۱۸۸
۱۰۶	معد بن یمانؓ	۲۲۵
۱۰۷	ابو امامہ الباہلیؓ[۳]	۲۵۰
۱۰۸	سعد بن ابی وقاصؓ	۲۷۱
۱۰۹	ابو ذر الغفاریؓ	۲۸۱
۱۱۰	براء بن عازبؓ	۳۰۵
۱۱۱	ابو موسیٰ الاشعریؓ	۳۶۰
۱۱۲	ام المومنین ام سلمہؓ	۳۷۸
۱۱۳	علیؓ (خلیفہ سوم)	۵۳۶
۱۱۴	عمر بن الخطابؓ[۴]	۵۳۷

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۹۷۔ [۲] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۱۹۔

[۳] الاستیعاب ج ۲ ص ۷۹۹-۲۔

[۴] تلقیح فہوم اہل الاثر لابن الجوزی ص ۱۴۵، خلاصۃ التہذیب کے مؤلف نے عمرؓ کی مرویات کی تعداد ۵۳۹ لکھی ہے

	نام صحابہ رضی اللہ عنہم	تعداد مرویات
۱۱۵	عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ	۷۰۰
۱۱۶	عبداللہ بن مسعودؓ[۱]	۸۴۸
۱۱۷	ابو سعید الخدریؓ	۱۱۷۰
۱۱۸	جابر بن عبداللہ الانصاریؓ[۲]	۱۵۴۰
۱۱۹	عبداللہ بن عباسؓ[۳]	۱۶۶۰
۱۲۰	ام المؤمنین عائشہؓ[۴]	۲۲۱۰
۱۲۱	انس بن مالکؓ[۵]	۲۲۸۶
۱۲۲	عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ[۶]	۲۶۳۰
۱۲۳	ابو ہریرہؓ[۷]	۵۳۷۴

ان راویوں میں سے بعض کی مرویات کی تعداد کے تخمینہ میں کچھ اختلاف بھی پایا جاتا ہے چند صحابہؓ جن کے اسمائے گرامی اس فہرست میں شامل نہیں ہو سکے ہیں ان کے نام مرویات کے ساتھ یہ ہیں :

---

[۱] بخاری میں ابن مسعودؓ کی ۸۵ حدیثیں موجود ہیں۔ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ ابن مسعودؓ کی ۸۴۸ حدیثیں صحیحین اور سنن میں موجود ہیں (تلقیح فہوم اہل الاثر ص ۱۴۸)۔

[۲] حضرت جابرؓ کی ۹۰ حدیثیں بخاری میں ملتی ہیں (مقدمہ فتح الباری ص ۵۵۹)

[۳] بخاری میں عبداللہ بن عباس کی ۲۷۰ حدیثیں ہیں (مقدمہ فتح الباری ص ۵۶۰)

[۴] بخاری میں حضرت عائشہؓ کی ۲۴۳ حدیثیں پائی جاتی ہیں (مقدمہ فتح الباری ص ۲۵۹، ۲۶۲)

[۵] سخاوی نے حضرت انسؓ کی مرویات کی تعداد ۲۲۸۶ بتائی ہے۔ (فتح المغیث ص ۳۷۹) ابن الجوزی نے ۲۶۸۶ شمار کیا ہے (تلقیح فہوم اہل الاثر ص ۱۸۴) بخاری میں انسؓ کی ۲۷۰ مرویات موجود ہیں۔ (مقدمہ فتح الباری ۵۵۹)

[۶] بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ کی ۲۷۰ حدیثیں موجود ہیں (مقدمہ فتح الباری ص ۲۵۹، ۲۶۲)

[۷] تلقیح فہوم اہل الاثر ص ۱۸۴۔ ص ۱۸۶۔ شرح مقدمہ مسلم للنووی ص ۹/۸، سخاوی نے ان کی مرویات کی تعداد ۵۳۶۴ لکھی ہے (فتح المغیث ص ۳۷۹)

	نام صحابہ رضی اللہ عنہم	تعداد مرویات
۱	کعب بن مالک اشجعیؓ	۶۷
۲	واثلہ بن اسقع کنانیؓ	۵۶
۳	عقبہ بن عامر جہنیؓ	۵۵
۴	فُضالہ بن عبید انصاریؓ	۵۰
۵	عَمرو بن عتبہؓ	۴۸
۶	کعب بن عَمرو انصاریؓ	۴۷
۷	فضالہ بن عبید اسلمیؓ	۴۶

بعض کتب سے بعض دوسرے صحابۂ کرامؓ یا صحابیاتؓ کی مرویات بھی معلوم ہوتی ہیں۔ وہ یہاں قاضی عبدالصمد صارمؔ کی کتاب تاریخ الحدیث ص ۲۳۲، ۲۳۳ سے نقل کی جاتی ہیں۔

	نام صحابہ رضی اللہ عنہم	تعداد مرویات
۱	عبداللہ بن یزید خطمی انصاریؓ	۲۷
۲	حضرت فاطمہ زہراؓ	۱۸
۳	عبدالرحمٰن بن شبلؓ	۱۴
۴	حضرت حسنؓ	۱۳ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست ۱۳ مرویات ان سے مروی ہیں، ان کی کُل روایات کا شمار نہ ہو سکا۔
۵	اُمّ المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ	۱۱
۶	اُمّ المومنین حضرت صفیہؓ	۱۰
۷	حضرت حسینؓ	۸ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست روایات ان سے مروی ہیں۔
۸	عبداللہ بن زید انصاریؓ	۸
۹	اُمّ المومنین حضرت جویریہؓ	۷

	نام	مرویات
۱۰	اُم المومنین حضرت سودہؓ	۵

ذخیرۂ احادیث کا غالب حصّہ جن صحابہؓ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے ان کی تعداد ۳۰۰ سے کم ہی ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد ایک لمبے عرصے تک صحابۂ کرامؓ کی جماعت موجود اور اشاعتِ دین کے کام میں مصروف رہی ہے۔ ہم یہاں ایک مختصر سی فہرست دے رہے ہیں یہ مختصر فہرست بھی یہ اندازہ کرنے کے لیے کافی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) ایک طویل زمانے تک دینِ حق کی نمائندگی کے لیے دُنیا میں موجود رہے ہیں:

نام	حضورؐ کے بعد زندہ رہنے کی مدت	جائے قیام و وفات
ابوالطفیل (عامر بن واثلہؓ)	۹۹ سال	مکّہ
سائب بن یزیدؓ	۸۴ سال	مدینہ
مرثد بن عبداللہؓ	۷۹ سال	〃
عبداللہ بن بسر المازنیؓ	۸۶ سال	حمص (شام)
سہل بن سعد الساعدیؓ	۸۱ سال	مدینہ
عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ	۷۷ سال	کوفہ
عتبہ بن عبد السلمیؓ	〃 〃	〃
مقدام بن معدیکربؓ	〃 〃	شام
عبداللہ بن الحارث بن جزءؓ	〃 〃	مصر
ابوامامۃ الباہلیؓ	۷۶ 〃	حمص (شام)
عبداللہ بن جعفرؓ	۸۰ 〃	مدینہ
عمرو بن حریثؓ	۷۵ 〃	کوفہ
ابوواقد اللیثیؓ	〃 〃	〃
عمرو بن سلمۃ الجرمیؓ	〃 〃	بصرہ (شام)

نام	حضورؐ کے بعد زندہ رہنے کی مدت	جائے قیام ووفات
واثلہ ابن الاسقعؓ	۷۵ سال	مصر
عتبہ بن المنذرؓ	۷۴ سال	قیام بصرہ
عبداللہ ابن حارثؓ	۷۸ سال	بادیہ العرب
زید بن الخالد الجہنیؓ	۶۸ سال	حمص (شام)
عرباض بن ساریہ	۶۵ سال	شام
ابوثعلبۃ الخشنیؓ	〃 〃	مدینہ
ابوسعید الخدریؓ	۶۴ سال	بادیہ
سلمۃ بن اکوعؓ	〃 〃	〃
رافع بن خدیجؓ	〃 〃	〃
محمد بن حاطبؓ	〃 〃	〃
ابوجحیفہؓ	〃 〃	〃
سعید بن خالد الجہنیؓ	۶۳ سال	〃
اسماء بنت ابی بکرؓ	〃 〃	〃
عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ	〃 〃	〃
عوف بن مالک الاشجعیؓ	〃 〃	〃
براء بن عازبؓ	۶۲ 〃	〃
جابر بن عبداللہ الانصاریؓ	۶۸ 〃	〃
ابن عباسؓ	۵۸ 〃	طائف
ابوہریرہؓ	۴۹ 〃	—
حضرت عائشہ صدیقہؓ	۴۸ 〃	مدینہ

یہ فہرست اور زیادہ طویل ہو سکتی ہے لیکن ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

خدمتِ حدیث اور صحابیاتؓ

صحابۂ کرامؓ کی طرح صحابیاتؓ نے بھی حدیث کی خدمت میں حصّہ لیا ہے۔ صحابہؓ کی طرح صحابیاتؓ سے بھی حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت عائشہؓ: صحابیات میں حضرت عائشہؓ سے سب سے زیادہ حدیثیں مروی ہیں۔ آپؓ کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ جو سنتیں وہ نقش ہوکر رہ جاتا۔ حدیث سے آپ کو گہرا تعلق تھا۔ کسی حدیث کے بارے میں اگر کوئی اشتباہ ہوتا تو اکثر آپ سے اس کے ازالہ کی درخواست کی جاتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ لوگ قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ نہ رکھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ نے سمجھا کہ یہ حکم دائمی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ حکم نہ واجب ہے اور نہ دائمی بلکہ مستحب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ قربانی کے گوشت کو جمع نہ کریں بلکہ دوسروں کو کھلائیں۔

امام سیوطی نے اپنے ایک رسالہ 'عین الاصابہ' میں اس قسم کی چالیس روایتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جن سے حضرت عائشہ کے تفقّہ، دقّتِ نظر، قوّتِ حافظہ اور حدیث سے دلچسپی کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت عائشہ کی ایک قابلِ ذکر خوبی یہ بھی ہے کہ جب آپ روایت کرتی ہیں تو ساتھ ہی علم و حکمت پر بھی روشنی ڈالتی ہیں۔ حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے غسلِ جمعہ کے سلسلہ میں صرف اس قدر مروی ہے کہ جمعہ کے دن غسل کر لینا چاہیے۔ لیکن اس حدیث کو حضرت عائشہؓ نے روایت کیا تو یہ بھی فرمایا کہ لوگ اپنے گھروں اور مدینہ کے باہر کی آبادیوں سے نمازِ جمعہ کے لیے آتے تھے۔ وہ گرد و غبار سے اٹے ہوتے اور پسینے سے تر ہوتے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب آئے تو آپؐ نے فرمایا کہ تم آج کے دن غسل کر لیتے تو کتنا اچھا ہوتا۔

حضرت عائشہؓ کی مرویات کی تعداد ۲۲۱۰ ہے جن میں سے تقریباً ۲۸۶ روایات بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔ ایسے راویوں میں آپ کا چھٹا نمبر ہے جن سے کثیر تعداد میں روایات

مروی ہیں۔ آپ سے تقریباً سو صحابہ اور تابعین نے روایت کی ہے۔ عروہ بن زبیر، سعید بن المسیب، عبداللہ بن عامر، مروق بن اجدع، عکرمہ اور علقمہ جیسے لوگ آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

حضرت ام سلمہؓ : حضرت عائشہؓ کی طرح آپ کو بھی حدیث سے گہری دلچسپی تھی۔ آپ کی مرویات کی تعداد ۳۷۸ ہے۔ آپ کا شمار محدثین کے تیسرے طبقہ میں ہوتا ہے۔ اسامہ بن زیدؓ، سلیمان بن یسارؓ، عبداللہ بن رافعؓ، سعید بن مسیبؓ، عروہ بن زبیر اور خود ان کی بیٹی زینب وغیرہ نے آپ سے حدیث روایت کی ہے۔

حضرت اُم سلمہؓ کو حدیث کا جو شوق تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ بال گندھوا رہی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کی آواز سُنائی دی۔ آپؐ فرما رہے تھے ایہا الناس (اے لوگو!) یہ سُنتے ہی فرمایا کہ بس بال باندھ دو۔ مشاطہ نے کہا کہ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ ابھی تو ایہا الناس ہی کہا ہے! آپ نے فرمایا۔ خوب! کیا ہم آدمیوں میں شمار نہیں ہوتے۔ یہ کہہ کر خود ہی بال باندھ کر کھڑی ہوگئیں اور خطبہ سُننے میں مشغول ہوگئیں۔

(طبقات ابن سعد)

حضرت اُمّ سلمہ فتویٰ بھی دیا کرتی تھیں۔ آپ کے متعدد فتاویٰ موجود ہیں۔ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اگر ان کے فتاویٰ جمع کئے جائیں تو ایک رسالہ تیار ہو جائے گا۔

حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ کے علاوہ دوسری ازواجِ مطہرات سے بھی حدیثیں مروی ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں ابوصالح السمان، زینب بنت اُمّ سلمہؓ وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت حفصہؓ سے ۶۰ روایات مروی ہیں۔ ان سے بڑے بڑے صحابہؓ نے روایت کی ہے۔

حضرت میمونہؓ سے ۴۶ حدیثیں مروی ہیں۔ مشاہیر صحابہؓ اور علماء نے حدیث ان کے راویوں میں شامل ہیں۔ جن میں عبداللہ بن عباسؓ، زید بن عاصم، عطاء بن یسار وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے بھی متعدد احادیث مروی ہیں۔ ان سے استفادہ کرنے والوں میں بڑے بڑے لوگ شامل ہیں۔

عام صحابیات سے بھی حدیثیں مروی ہیں۔ ایسی صحابیات بھی ملتی ہیں جن سے ایک ہی حدیث مروی ہے۔ جن صحابیات سے متعدد حدیثیں مروی ہیں ان میں ایک سو تیس صحابیات کا ذکر امام احمد بن حنبل نے کیا ہے۔ کچھ مصنفین نے ایسی ۵۰۰ صحابیات کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں چند صحابیات کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے:

حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے تقریباً ۶۰ احدیثیں مروی ہیں، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے ۵۶ روایات مروی ہیں۔ ان دونوں سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد اچھی خاصی ہے جن میں حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت فاطمہ بنت علیؓ، حضرت عبداللہ بن کیسانؓ، زینب بنت معاویہؓ اسماء بنت یزیدؓ، زینب بنت اُمّ سلمہؓ، فاطمہ بنت قیسؓ، شفا بنت عبداللہؓ اور صفیہ بنت شیبہ جیسے رواۃ شامل ہیں۔

حضرت اُمّ ہانیؓ سے ۴۶ حدیثیں روایت کی گئی ہیں، ان کے راویوں میں عبداللہ بن عباسؓ، امام شعبیؒ مجاہد اور عطاء بن یسار شامل ہیں۔

حضرت ام الفضلؓ سے ۳۰ حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت انس بن مالک ان کے رواۃ میں شامل ہیں۔

حضرت ربیع بنت مسعودؓ کی بھی متعدد روایات ہیں۔ آپ کا علم بڑے پایہ کا تھا یہاں تک کہ بڑے بڑے صحابہؓ آپ سے مسائل کی تحقیق فرماتے تھے۔ عائشہ بنت انسؓ، سلیمان بن یسارؒ، ابن ابی لیلیٰ، نافع مولیٰ ابن عمر وغیرہ ان کے رواۃ میں سے ہیں۔

حضرت اُمِّ رومانؓ، حضرت اُم سلیمؓ، حضرت اُمِّ عمارہؓ اور حضرت اُم عطیہؓ سے بھی متعدد روایات مروی ہیں۔ ان چاروں ذی مرتبت خواتین کے رواۃ کی تعداد کثیر ہے۔ ذی علم سیدات سے صحابہؓ نے بہت کچھ سیکھا اور اُسے عام کیا۔ حضرت اُم عطیہ سے صحابہؓ نے مردہ نہلانے کا طریقہ معلوم کیا۔ متعدد مرتبہ ایسا ہوا کہ صحابہؓ نے کسی اختلافی مسئلہ میں اُم سلیم کی طرف رجوع کیا اور ان کی بات کو تسلیم کیا۔

تابعین و تبع تابعین

۱۔ سعید بن جبیر (متوفی ۹۵ھ) سعید بن جبیر کا حال یہ تھا کہ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیثیں سنتے اور آخر میں ان کو کتاب میں درج کر لیتے تھے[۱]

۲۔ امام شعبی (متوفی ۱۰۴ھ) امام شعبی کہتے کہ جب مجھ سے کوئی بات سنو تو اسے لکھ لیا کرو۔ انہوں نے خود بھی تصنیف و تالیف کا اہتمام کیا۔ انتقال ہوا تو ترکہ میں ایک کتاب ملی جو انہوں نے فرائض و جراحات کے مسائل سے مرتب کی تھی[۲]

۳۔ مجاہد بن جبیر مکیؒ (متوفی ۱۰۳ھ) مجاہد لوگوں کو اپنے کمرے میں لے جا کر کتابیں دکھاتے لوگ ان سے حدیثیں نقل کیا کرتے تھے[۳]

۴۔ عطاء بن ابی رباح (متوفی ۱۱۴ھ) عطا خود بھی لکھتے اور دوسروں کو لکھنے کی اجازت دیتے تھے۔

۵۔ ابان تابعی کا بیان ہے کہ ہم انسؓ کے پاس بیٹھ کر حدیثیں لکھتے تھے (دارمی ص ۲۸) اس سے ظاہر ہے کہ ابان کے لکھے ہوئے نسخے میں وہ حدیثیں لازماً ہوں گی جن کو حضرت انسؓ نے لکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تھا۔

۶۔ عبدالرحمٰن بن حرملہ۔ انہوں نے جب حافظہ کی خرابی کی شکایت کی تو سعید بن المسیب (متوفی ۱۰۵ھ) نے انہیں حدیث لکھنے کی اجازت دی[۴]

۷۔ ابوبکر بن حزم نے عمر بن عبدالعزیزؒ (متوفی ۱۰۱ھ) کے حکم کی تعمیل میں احادیث مرتب کیں اور متعدد کتابیں تیار کر لیں۔ لیکن ان کے اپنے مساعی سے خلیفہ کو مطلع کرتے سے پہلے ہی

---

[۱] تقیید العلم ص ۱۰۳، جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۲۔ [۲] تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۳۲۔ [۳] الالماع قاضی عیاض ص ۴۷، سنن دارمی ج ۱ ص ۱۲۵۔ [۴] جامع البیان ج ۱ ص ۷۳، تقیید العلم ص ۹۹۔

خلیفہ کا انتقال ہوگیا[1] ابوبکر بن حزم کو خلیفہ نے تعین کے ساتھ عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ اور قاسم بن محمد کے ذخیرۂ احادیث کی طرف توجہ دلائی تھی[2] عمرہ نے حضرت عائشہ کی گود میں پرورش پائی تھی حضرت عائشہ کی احادیث کے باب میں ان کا درجہ عروہ کے برابر تسلیم کیا جاتا ہے۔ قاسم بن محمد حضرت عائشہؓ کے بھتیجے تھے۔ حضرت عائشہؓ کی حدیثوں کو ابوبکر بن حزم نے انہی دونوں کے ذریعہ جمع کیا تھا۔

۸ — محمد بن مسلم شہاب زہری مدنی (متوفی ۱۲۴ھ) شہاب زہری حجاز و شام کے مایۂ ناز عالم تھے انہوں نے عمر بن عبدالعزیز کے حکم کی سب سے پہلے تعمیل کی اور ان کے عزائم کو عملی جامہ پہنایا۔ انہوں نے حدیث کی ایک کتاب بھی مرتب کی[3] خلیفہ نے اس کتاب کی نقول اطراف و جوانب میں بھجوائیں[4] امام زہری اس تالیف پر بڑا فخر محسوس کرتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اس علم کو میری طرح مجھ سے پہلے کسی نے مدوّن نہیں کیا۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہم نے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے[5]

تاریخ میں ابوبکر بن حزم اور ابن شہاب زہری کے علاوہ دوسرے حضرات کے متعلق بھی یہ لکھا ملتا ہے کہ وہ اوّل مدوِّن ہیں۔ مثلاً امام مالکؒ، معمر، ابن جریج، ابن المبارک، ہیثم وغیرہ سیوطی نے ہزار اشعار کا الفیہ لکھا ہے جس میں ان حضرات کے نام بیان کئے ہیں جنہیں اوّل مدوِّن کہا گیا ہے۔ امام بخاری کو اوّل جامع کہا جاتا ہے اس لیے ان کا نام بھی اس میں آیا ہے۔

اوّل جامع الحدیث والاثر	ابن شہاب آمر لہ عمر
واوّل الجامع للأبواب	جماعۃ فی العصر ذو اقتراب
کابن جریج وہیثم مالک	ومعمر و لد المبارک
وال الجامع باقتصار	علی الصحیح فقط البخاری
ومسلم بعده والاول	علی الصحیح فی الصحیح افضل

---

[1] مفتاح السنۃ محمد بن عبدالعزیز الخولی ص۲۰ مقدمہ تنویر الحوالک۔
[2] تہذیب التہذیب ترجمہ ابوبکر بن حزم۔ [3] الرسالۃ المستطرفہ ص۴۔ [4] جامع البیان العلم ج۱ ص۷۶
[5] جامع بیان العلم باب ذکر الرخصۃ فی کتابۃ العلم۔

مختلف حضرات کو اوّلیّت کا شرف اپنے وطن وغیرہ بعض دوسرے پہلوؤں سے ہے اصل اوّل مدوِن ابن شہاب ہی کو مانا جاتا ہے۔ ابن حجر نے بھی اس کی تصدیق کی ہے[1] علامہ سیوطی کی رائے بھی یہی ہے[2] امام زہری کی تحریروں کا اتنا ذخیرہ تھا کہ ولید بن یزید کے قتل کے بعد زہری کے یہ دفتر جانوروں پر لاد کر لائے گئے تھے۔

قاضی ابوبکر بن حزم اور امام زہری کے علاوہ مختلف ائمہ تابعین تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ دوسری صدی میں ہی احادیث کے مختلف مجموعے وجود میں آگئے تھے جن میں سے مندرجہ ذیل حضرات کے مجموعے خاص طور سے مشہور ہیں:

عبدالملک بن جریج (مکہ) المتوفی سنہ ۱۵۰ھ

ابن اسحاق (مدینہ) المتوفی سنہ ۱۵۱ھ

سعید بن ابی عروبہ المتوفی سنہ ۱۵۶ھ

معمر بن راشد یمنی المتوفی سنہ ۱۵۳ھ

ربیع بن صبیح (بصرہ) المتوفی سنہ ۱۶۰ھ

ان کے علاوہ امام اوزاعی المتوفی سنہ ۱۵۷ھ نے شام میں

امام سفیان ثوری المتوفی سنہ ۱۶۱ھ نے کوفہ میں

امام حماد بن سلمہ المتوفی سنہ ۱۶۷ھ نے بصرہ میں

اور امام عبداللہ بن المبارک المتوفی سنہ ۱۸۱ھ نے خراسان میں احادیث کے جمع و تدوین کے کام میں سبقت کا شرف حاصل کیا۔ ان کے علاوہ واسط میں ہُشیم (۱۸۸ھ) یمن میں معمر (۱۵۳ھ) اور رَے میں جریر بن عبدالحمید (۱۸۸ھ) نے تدوین احادیث کی ابتدا کی۔ ائمہ اربعہ، امام ابوحنیفہ المتوفی سنہ ۱۵۰ھ، امام مالک المتوفی سنہ ۱۷۹ھ، امام شافعی المتوفی سنہ ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ھ قرآن و حدیث کے ذخیرہ پر عبور رکھتے تھے۔ تدوینِ حدیث میں ان ائمہ کا دخل بھی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ اس دور میں حدیث کے جو مجموعے تیار ہوئے ان میں امام مالک کو

---

[1] فتح الباری ج ۸ ص ۸۱۵۔ [2] تدریب۔

نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ مؤطا امام مالک کا زمانۂ تالیف سنہ ۱۳۰ھ و ۱۴۱ھ کے درمیان ہے۔
اس دور کی دوسری تالیفات یہ ہیں:
جامع اوزاعی المتوفی سنہ ۱۵۷ھ
جامع ابن جریج المتوفی سنہ ۱۵۰ھ
کتاب الخراج قاضی ابو یوسف المتوفی سنہ ۱۸۳ھ
کتاب الآثار امام احمد المتوفی سنہ ۱۸۹ھ
دوسری صدی کی مشہور کتابیں یہ ہیں:
مؤطا امام مالک (۱۷۹ھ) مصنّف شعبہ بن حجاج (سنہ ۱۶۰ھ) مصنّف لیث بن سعد مصری (۱۷۵ھ) مصنّف سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) مسند امام شافعی (۲۰۴ھ) مختلف الحدیث امام شافعی، مصنّف عبدالرزاق بن ہشام صنعانی (۲۱۱ھ) کتاب الآثار امام ابو یوسف (۱۸۳ھ)
ان کے علاوہ بھی بہت سی تالیفات اس دور میں مرتّب ہوئیں۔
تابعین کے زمانہ میں تدوین حدیث کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں صحابہ و تابعین کے فتاویٰ بھی شامل کیے جاتے تھے۔ اس کی زندہ شہادت امام مالک کی مؤطا ہے۔

اتباع تابعین کے بعد

اتباع تابعین کے زمانہ کے اختتام پر یعنی دوسری صدی ہجری کے خاتمہ پر علمائے حدیث نے ایسی مسانید تالیف کرنے کا عزم کیا جو صرف احادیثِ نبوی پر مشتمل ہوں۔ اس سلسلہ کی پہلی مسند ابو داؤد طیالسی المتوفی ۲۰۴ھ نے مرتب کی۔ امام احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ھ کی مسند سب سے زیادہ جامع اور ضخیم ہے۔
خالص احادیث نبوی کی تبویب کا کام اتباع تابعین کے بعد آنے والے علمائے حدیث نے کیا۔ یہ علماء امام بخاری کے معاصر ہیں۔ اس دور میں حدیث کی مشہور صحیح کتابیں جو صحاحِ ستّہ کے نام سے مشہور ہیں وجود میں آئیں۔
عہد روایت کے خاتمہ کے بعد حدیث پر جو کام کیا گیا وہ کتب حدیث کی تہذیب و ترتیب شروح و حواشی اور ان کے اختصار کا عظیم المرتبت کام تھا۔ مثال کے طور پر:

ابوعبداللہ الحمیدی (۴۴۸ھ) نے صحیحین کو مسانید کے طرز پر مرتب کیا۔
ابوالسعادات مبارک بن اثیر (۶۰۶ھ) نے صحاح ستہ کو ابواب کی ترتیب کے مطابق ترتیب دیا۔

نورالدین علی بن ابی بکر بن سلیمان الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے کتب صحاح کے علاوہ تمام کتب حدیث مسند امام احمد بن حنبل، مسند امام بزار، مسند ابی یعلیٰ اور معاجم ثلاثہ طبرانی کی مرویات کو جرح و تعدیل اور رواۃ اور صحت و سقمِ احادیث کے ساتھ مجمع الزوائد میں یکجا کیا (یہ کتاب ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوئی ہے) امام سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ نے صحاحِ ستہ، مسانید عشرہ اور اس کے علاوہ مزید پچاس کتب احادیث کی مرویات کو جمع الجوامع المسمیٰ بالجامع الکبیر میں جمع کر دیا۔ کتاب جمع الجوامع ضخیم اور کچھ اس طرز پر بھی تھی کہ اس سے استفادہ مشکل تھا اس لیے علاّمہ علاؤالدین علی الہندی المتوفی ۹۷۵ھ نے جو علی متقی جونپوری کے نام سے مشہور ہیں اس کتاب کو ازسرِ نو مرتب کیا اور اس کا نام کنز العمال فی سنن الاقوال والاعمال رکھا۔ اس کی تکمیل ۹۵۷ھ میں ہوئی۔

اس کے بعد بھی حدیث پر برابر کام ہوتا رہا۔ شروح و حواشی کے علاوہ دیگر زبانوں میں حدیث کے تراجم بھی لکھے گئے۔

علم حدیث

اصطلاحاتِ حدیث کا تعارف

حدیث :

حدیث کے معنیٰ یوں تو بات کے ہوتے ہیں لیکن اس لفظ کے اندر بڑی وسعت پائی جاتی ہے۔ کسی کے قول، مدعا، خبر، واقعہ سب کے لیے اس کا استعمال ہو سکتا ہے۔ اصطلاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل اور تقریر[1] کو حدیث کہتے ہیں۔

ائمہ نے حدیث کی ۶۵، انواع کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے صرف حدیث ضعیف کی ۴۹ اقسام کی صراحت ابو حاتم بن حبان نے کی ہے[2]

صحابی :

صحابی اس خوش نصیب شخص کو کہتے ہیں جسے ایمان کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی ہو اور ایمان ہی کی حالت میں اس کا انتقال ہوا ہو

تابعی :

وہ خوش نصیب شخص ہے جسے حالتِ ایمان میں کسی صحابی سے ملنے کا شرف حاصل ہوا ہو اور ایمان کی حالت میں وہ دُنیا سے رخصت ہوا ہو۔

---

[1] تقریر کے اصل معنیٰ ہیں کسی چیز کو برقرار رکھنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی کام کیا گیا، یا آپؐ نے کوئی طریقہ رائج پایا اور اسے آپؐ نے روکا نہیں: اصطلاحًا اسے تقریر کہتے ہیں۔

[2] فتح المغیث ص۳۹، اتحاف النبلاء ص۱۱۲۔

تبع تابعین :

وہ حضرات جنہوں نے بحالتِ ایمان کسی تابعی سے ملاقات کی ہو اور ایمان ہی کی حالت میں وہ دُنیا سے رخصت ہوئے ہوں۔

اثر :

عام طور پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قول وعمل کو اثر کہا جاتا ہے اس کی جمع آثار ہے

سند :

حدیث کو روایت کرنے والوں کے سلسلہ کو سند کہتے ہیں۔

متن :

حدیث کی اصل عبارت یا الفاظ کو متن کہتے ہیں۔

راوی :

جو اپنی سند کے ساتھ حدیث کی روایت کرتا ہے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت اسے راوی کہتے ہیں۔ راوی کی جمع رواۃ آتی ہے۔

مروی :

روایت کی ہوئی حدیث یا قول کو مروی کہتے ہیں۔ یہ عام ہے خواہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جانب منسوب ہو یا صحابہ و تابعین کی طرف منسوب ہو۔

حدیث کی بنیادی طور پر دو قسمیں کی جاتی ہیں : صریحی، و حکمی۔

۱۔ صریحی :

وہ حدیث جس میں صاف طور پر یہ ذکر ہو کہ وہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا قول وعمل یا تقریر ہے

۲۔ حکمی :

وہ حدیث جس میں قول وعمل یا تقریر کی نسبت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف نہ ہو لیکن اس میں جن امور کو صحابی نے نقل کیا ہو وہ ایسے ہوں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سوا کوئی انہیں بتا نہیں سکتا جیسے علاماتِ قیامت، قیامت کے واقعات، نبیوں کے حالات جن میں اس بات کی کوئی علامت نہ ہو کہ وہ بنی اسرائیل سے لیے گئے ہیں۔

حدیثِ قدسی :

جس حدیث کی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف منسوب کر کے فرمائیں اُسے حدیثِ قدسی کہتے ہیں۔

سند کے لحاظ سے حدیث کی حسب ذیل قسمیں کی جاتی ہیں :

۱۔ مرفوع :

وہ قول و عمل یا تقریر جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہو۔ خواہ آپ کی طرف اسے کسی صحابی نے منسوب کیا ہو یا کسی تابعی یا کسی دوسرے شخص نے اور خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ ہو۔ اگر حدیث متصل نہیں ہے تو ضعیف قرار پائے گی۔ اگر متصل ہے تو اس کے راویوں کے درجہ کے لحاظ سے وہ صحیح یا حسن کہی جائے گی۔

مرفوع کی تین قسمیں ہیں :

۱۔ مرفوع قولی :

اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مروی ہوتا ہے۔

۲۔ مرفوعِ فعلی

اس میں راوی یہ بیان کرتا ہے کہ میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یوں کرتے دیکھا یا کسی دوسرے نے مجھے بتایا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس طرح کام کر رہے تھے۔

۳۔ مرفوعِ تقریری :

اس میں راوی بیان کرتا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں فلاں کام کیا یا فلاں شخص نے اس طرح فلاں کام کیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس پر اعتراض نہیں فرمایا۔

۲۔ موقوف :

جس حدیث کی روایت کا سلسلہ صحابی پر پہنچ کر ختم ہو جاتا ہو۔

۳۔ مقطوع :

جس حدیث کی سند تابعی تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہو۔

بعض لوگ موقوف اور مقطوع کو اثر کہتے ہیں۔ یعنی وہ صحابہؓ اور تابعی کے قول و عمل کو

بالترتیب موقوف اور مقطوع کہتے ہیں۔

۴۔ مسند:

وہ مرفوع حدیث جس کی سند متصل ہو۔ یہی تعریف مشہور ہے۔

۵۔ ثلاثیات:

اُن احادیث کو کہتے ہیں جن میں راوی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے پائے جاتے ہوں۔

رواۃ کے لحاظ سے حدیث کی پانچ قسمیں کی جاتی ہیں۔

۱۔ متصل یا موصول:

وہ حدیث جس کے سلسلۂ سند میں شروع سے آخر تک کہیں کوئی راوی ساقط نہ ہو۔

۲۔ منقطع:

متصل کے برعکس یعنی وہ حدیث جس کے سلسلۂ سند میں کہیں ایک یا زیادہ راوی ساقط ہو گئے ہوں یا کوئی مبہم شخص درمیان میں آگیا ہو۔

۳۔ معضل:

وہ حدیث جس کے سلسلۂ سند میں مسلسل دو یا دو سے زیادہ راوی غائب ہوں۔

۴۔ معلّق

وہ حدیث جس کی سند کی ابتدا سے ایک یا متعدد راوی چھوڑ دیئے گئے ہوں یا پوری سند ہی حذف کر دی جائے، اس حذف کو اصطلاحًا تعلیق کہتے ہیں۔

۵۔ مرسل

وہ حدیث جس کے سلسلۂ سند میں تابعی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صحابی کا ذکر نہ ہو۔

جمہور علماء کے نزدیک مرسل حدیث کے بارے میں توقف کرنا چاہیے، کیونکہ معلوم نہیں کہ ساقط ہونے والا راوی ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ تابعی نے کسی صحابی سے ہی روایت کی ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ اس نے کسی تابعی سے روایت کی ہو۔ لیکن

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مرسل حدیث مطلقاً مقبول نہیں ہے کیونکہ ارسال کرنے والے نے کمال وثوق اور اعتماد کی بنا پر ہی ارسال کیا ہوگا۔ اگر اس کے نزدیک روایت غیر معتبر ہوتی تو وہ ارسال کیوں کرتا اور اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیوں منسوب کرتا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر اس کی تائید کسی دوسری روایت سے ہوتی ہو خواہ وہ دوسری روایت بھی مرسل ہی کیوں نہ ہو تو وہ مقبول ہے۔

اگر راوی کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ ثقات و غیر ثقات دونوں کو ساقط کر دیتا ہے تو سبھی کے نزدیک اس روایت کے بارے میں توقف کیا جائے گا۔

۶۔ سند عالی :

جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوں ان کی سند عالی سمجھی جاتی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں :

۱۔ سند عالی مطلق :

وہ سند عالی ہے جس کے راوی قلتِ تعداد کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوں اور اسی حدیث کی کسی دوسری سند میں راویوں کی تعداد زیادہ پائی جاتی ہو۔ ایسی سند عالی کو "اجلُّ الاسانید" تصور کیا جاتا ہے بشرطیکہ سند صحیح ہو۔

۲۔ سند عالی نسبی :

وہ سند عالی ہے جس کے راوی امام حدیث سے قریب تر ہوں۔ یا اس سند کے راوی معتبر کتب حدیث میں سے کسی کتاب سے قریب تر ہوں۔

ابن حجر نے سند عالی نسبی کی ۴ قسمیں کی ہیں :

۱۔ موافقت :

موافقت کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی کسی کتاب کے مؤلف کے شیخ تک کسی دوسری سند سے پہنچ جاتے ہوں۔ مثلاً امام بخاری اور ایک حدیث قتیبہ سے اور وہ مالک سے روایت کرتے ہیں اور کوئی دوسرا شخص کسی دیگر سند سے یہی روایت قتیبہ سے روایت کرے اور اس سند میں بخاری کی بہ نسبت رواۃ کی تعداد کم ہو۔

۲۔ بدل :

کوئی شخص مؤلف کی کتاب کے شیخ الشیخ تک کسی سند کے واسطے سے پہنچ جاتا ہو، اسے بدل کہیں گے۔ مثلاً سند مذکورہ کو کوئی شخص قعبنی عن مالک سے روایت کرے تو اس صورت میں قعبنی گویا قتیبہ کا بدل ہو گا۔

۳۔ مساواۃ :

مؤلف کتاب نے ایک حدیث کو ایک سند سے روایت کیا ہے دوسرا اسے کسی دوسری سند سے روایت کرے اور دونوں میں رواۃ کی تعداد یکساں ہو۔

۴۔ مُصافحہ

مؤلف کتاب کے تلمیذ کے ساتھ مساوات کو مصافحہ کہا جاتا ہے ۔ مثال کے طور پر تلمیذ مؤلف نے زید کے شیخ کی برابری کی تو گویا زید نے مؤلف کتاب سے مصافحہ کیا اور ان سے روایت کی ۔ اور اگر مساوات زید کے شیخ الشیخ کے ساتھ ہوئی تو مصافحہ کرنے والا زید کا شیخ ہوا۔ اور اگر اس سے آگے بڑھ کر مساوات زید کے شیخ کے شیخ الشیخ کے ساتھ پائی جاتی ہے تو مصافحہ کرنے والا زید کا شیخ الشیخ ہوا۔

علوِ نسبی کو تقدم، سماع کی بنا پر بھی حاصل ہوتا ہے۔ سند عالی کو سند نازل کے مقابلہ میں جو فضیلت حاصل ہے وہ علی الاطلاق نہیں ہے۔ اگر سند نازل کے راوی زیادہ ثقہ اور فقیہ تر اور حفظ میں آگے ہوں یا اس کے اخذ و روایت کی صورت اقرب الی السماع ہو تو وہ عالی سے فائق تصوّر کی جائے گی۔

درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے حدیث کی تین قسمیں کی جاتی ہیں۔

۱۔ صحیح :

وہ حدیث جس میں حسب ذیل باتیں موجود ہوں :

۱۔ سند متّصل ہو۔ ۲۔ راوی عادل اور سیرت و کردار کے لحاظ سے قابل اعتماد ہو۔ ۳۔ حافظہ درست ہو اور صاحب فراست ہو۔ ۴۔ روایت شاذ نہ ہو۔ ۵۔ معلّل بھی نہ ہوں۔

شاذ اور معلل سے مراد کیا ہے ؟ آگے اس کی وضاحت کی جا رہی ہے۔ اگر یہ تمام

شرائط پوری ہوتی ہوں تو روایت کو "صحیح لذاتہٖ" کہا جائے گا لیکن راوی میں اگر کوئی کمی یا قصور ہو اور وہ کمی کثرتِ طرق سے پوری ہو جاتی ہو تو اس کی روایت کی ہوئی حدیث کو "صحیح لغیرہٖ" کہیں گے۔

۲ــــ حَسَن :

وہ حدیث جس میں صحیح حدیث کی تمام شرطیں پوری اُترتی ہوں صرف حافظہ یا ضعفِ ضبط کے لحاظ سے ہلکا پن ہو۔ اگر اس طرح کی حَسَن روایت کو دوسری قسم کی روایات کی تائید حاصل ہو تو اسے صحیح لغیرہٖ کہیں گے۔

جس حدیث کے راوی حَسَن کے راوی سے کم درجے کے ہوں گے مگر وہ متعدد سندوں سے منقول ہو، اُسے حَسَن لغیرہ کہیں گے۔

۳ــــ ضعیف :

ایسی روایت جس میں صحیح احادیث کے تمام اوصاف و شرائط میں یا بعض اوصاف میں نمایاں کمی پائی جاتی ہو ـــــــــــ کئی ضعیف حدیثوں کے باہم ملنے سے ان کا شمار حَسَن لغیرہ کے درجہ میں ہوتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ ضعف نقصِ سیرت و کردار کے لحاظ سے نہ ہو۔

حدیث صحیح کے احکام میں حجّت ہونے پر ہر ایک کا اتفاق ہے حَسَن لِذاتہٖ کا حکم بھی اکثر علمائے اسلام کے نزدیک مثل حدیث صحیح کے ہے اگرچہ مرتبہ میں اس سے کم ہے ضعیف حدیث اگر تعددِ طرق کے سبب حَسَن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جائے تو احکام میں اس کے حجت ہونے پر بھی سب کو اتفاق ہے۔

تعدادِ رواۃ کے لحاظ سے حدیث کی حسبِ ذیل تین قسمیں قرار دی جاتی ہیں۔

۱ــــ متواتر :

وہ حدیث جس کے راوی ہر دور میں اتنی کثرت سے پائے جاتے ہوں کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہو جانا ممکن نہ ہو۔ تواتُر کی کئی قسمیں کی جاتی ہیں :

۱ــــ **تواتُرِ طبقہ یا تواتر لفظی** : ایک دَور سے دوسرے دَور تک پوری وسعت کے ساتھ روایت کا سلسلہ پایا جاتا ہو جیسے قرآن مجید لفظ بلفظ اسی انداز میں ہم تک منتقل ہوا ہے۔

۲ــــ **تواترِ عمل** : آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے سے لے کر اب تک اُمّت کا عظیم گروہ مسلسل کسی دینی امر پر عمل کرتا آرہا ہو جس کا جھوٹ پر متفق ہو جانا ناممکن ہو مثلاً

پانچ وقت کی نمازیں، اذان، نماز کی بنیادی ہیئت، زکوٰۃ، روزہ، حج، قربانی وغیرہ۔

۳۔ **تواترِ معنوی یا تواترِ قدرِ مشترک**: راویوں کے الفاظ گو مختلف ہوں مگر الفاظ میں معنیٰ و مفہوم مشترک ہو۔ اور یہ قدرِ مشترک درجۂ تواتر کو پہنچا ہوا ہو۔ مثلاً معجزاتِ نبوی، دعا میں ہاتھ اُٹھانا، غزوات و سیر، اسلام کے ضروری احکام، اوامر و نواہی وغیرہ کی روایات۔

۲۔ خبرِ واحد یا آحاد:

جس کے راوی تعداد کے لحاظ سے درجۂ تواتر کو نہ پہنچتے ہوں۔

محدّثین آحاد کی تین قسمیں کرتے ہیں:

۱۔ مشہور:

وہ حدیث ہے جس کے راوی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد کسی دور میں بھی تین سے کم نہ ہوں بلکہ ہر طبقہ میں راویوں کی تعداد تین یا تین سے زیادہ ہو۔ اگر ان راویوں کی تعداد روایت کے آغاز و انتہا میں یکساں رہتی ہے تو اُسے مُستفیض کہتے ہیں۔

۲۔ عزیز

وہ حدیث جس کے راوی ہر دور میں دو سے کم نہ ہوں۔

مشہور، مستفیض اور عزیز کا تعلق متواتر کی بہ نسبت غریب یا خبرِ واحد سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ان کے مباحث سند سے تعلق رکھتے ہیں۔

۳۔ غریب:

ایسی حدیث جس کے سلسلۂ سند میں کسی دور میں ایک ہی راوی ہو۔ غریب کو "فرد" بھی کہتے ہیں۔ فردِ مطلق و فردِ نسبی۔

۱۔ **فردِ مطلق**: صحابی سے روایت کرنے والا راوی صرف ایک ہو تو اس حدیث کو فردِ مطلق کہتے ہیں۔

۲۔ **فردِ نسبی**: صحابی سے روایت کرنے والے دو یا کئی ہیں لیکن ان کے بعد کے طبقہ میں راوی صرف ایک ہے تو اُسے فردِ نسبی کہیں گے۔

مُتابع :

فردِ حدیث کے راوی کے بارے میں گمان تھا کہ اس کی روایت صرف ایک ہی راوی نے کی ہے اس کا کوئی دوسرا موافق مل جاتے تو اس حدیث کو متابع کہتے ہیں۔

متابع کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ متابعِ تام :

جس میں ایک راوی دوسرے راوی کی تائید کر رہا ہو۔

۲۔ متابع قاصر :

متابع قاصر وہ ہے جو راوی کے شیخ یا شیخ الشیخ کی تائید کرتا ہو۔

متابع سے ملتی جلتی ایک اصطلاح شاہد کی ہے۔

شاہد :

ایک حدیث کسی صحابی نے روایت کی ہے، ایسی دوسری حدیث کسی دوسرے صحابی سے مل جائے جس سے پہلی حدیث کی تائید ہوتی ہو تو اس کو شاہد کہیں گے۔

متابع کی طرح شاہد کی بھی دو قسمیں ہیں :

۱۔ شاہد لفظی :

جس سے متن حدیث کی لفظاً تائید ہوتی ہو اسے شاہد لفظی کہتے ہیں۔

۲۔ شاہد معنوی :

جس سے کسی حدیث کے معنی و مفہوم کی تائید ہو رہی ہو۔

بعض محدثین متابع اور شاہد کو ہم معنیٰ سمجھتے ہیں اور ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کرتے ہیں اس لیے کہ ان دونوں ہی سے فردِ نسبی یعنی حدیث غریب کو تقویت و تائید حاصل ہوتی ہے۔ لیکن ان دونوں میں نازک فرق پایا جاتا ہے۔ شاہد میں متابع کی بہ نسبت زیادہ عموم پایا جاتا ہے۔ شاہد لفظ و معنی دونوں ہی کی تائید کرتا ہے۔ اس کے بخلاف متابع میں صرف الفاظ کی تائید مقصود ہوتی ہے۔ متابع وہ ہے جس کے راوی کی دوسرا راوی تائید کر رہا ہو اور تائید کرنے والا اس قابل ہو کہ اس کی روایت تسلیم کی جا سکے۔ تائید کرنے والا

پہلے راوی کے شیخ یا شیخ الشیخ سے ایسے الفاظ کے ساتھ روایت کرے جو پہلے راوی کے الفاظ سے ملتے جلتے ہوں۔ شاہد وہ ہے کہ دوسرا راوی اس کے راوی کی تائید تو کر رہا ہو لیکن وہ مختلف صحابی سے روایت کرتا ہو۔ اور اس کی یہ روایت لفظ و معنیٰ دونوں میں یا صرف معنیٰ میں پہلے راوی کی روایت سے ملتی جلتی ہو۔

جو احادیث اصل کی حیثیت رکھتی ہیں ان کی چھان بین میں محدّثین جتنا تشدّد سے کام لیتے ہیں شواہد و متابعات میں وہ اتنی سختی سے کام نہیں لیتے۔ شواہد و متابعات میں اگر کسی قدر ضعف بھی موجود ہو تو اسے گوارا کر لیتے ہیں۔

اعتبار:

اعتبار روایت کی اس جانچ پڑتال کو کہا جاتا ہے کہ کوئی دوسرا راوی روایت کرنے میں شریک ہے یا نہیں۔ گویا اعتبار متابعات و شواہد تک پہنچنے کے ایک ذریعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

مخالفت کے لحاظ سے حدیث کی چار قسمیں کی جاتی ہیں:

۱۔ شاذ:

وہ حدیث جس میں ثقہ راوی اپنے سے قوی تر کی مخالفت کرتا ہو۔

۲۔ محفوظ:

وہ حدیث جس کا راوی ثقہ ہو لیکن اس کی مخالفت ایک ایسا ثقہ راوی کرتا ہو جس سے وہ قوی تر ہے۔

۳۔ منکر:

وہ حدیث جس کا راوی ضعیف ہو اور وہ ثقہ یا قوی راوی کی مخالفت کرتا ہو۔

۴۔ معروف:

ایسی حدیث جس کا راوی قوی ہو۔ اس کی مخالفت ضعیف راوی نے کی ہو۔

حدیث کے سلسلہ کی بعض اور مخصوص اصطلاحات حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ مقبول:

وہ حدیث جسے روایت ودرایت کے لحاظ سے ائمۂ حدیث نے قابلِ حجت قرار دیا ہو۔

۲۔ مَردود:

ایسی حدیث جسے روایت ودرایت کے لحاظ سے ائمۂ حدیث نے ناقابلِ حجت ٹھہرایا ہو۔

۳۔ مُحکم:

ایسی مقبول حدیث جس کی معارض کوئی دوسری حدیث نہ ہو۔

۴۔ مختلف الحدیث:

کسی مقبول حدیث کے خلاف کوئی دوسری مقبول حدیث آجائے لیکن غور وفکر کے بعد دونوں میں تطابق ہو جائے تو اسے مختلف الحدیث کہیں گے۔

۵۔ ناسخ ومنسوخ:

مقبول حدیث کے مقابلہ میں کوئی دوسری مقبول حدیث آجائے اور دونوں میں مطابقت ممکن نہ ہو تو جو حدیث مقدّم ہوگی وہ منسوخ قرار پائے گی اور جو مؤخر ہوگی اُسے ناسخ قرار دیں گے۔ بشرطیکہ دونوں کے راوی قوت کے لحاظ سے ایک ہی درجے کے ہوں۔

۶۔ مُتوَقَّف فیہ:

جن دو حدیثوں میں تعارض ہو اور دونوں میں تطابق ناممکن ہو اور شانِ نزول کے لحاظ سے ان میں سے کسی کو ناسخ یا منسوخ قرار دینا بھی ممکن نہ ہو تو دونوں میں عمل کرنے میں توقف کیا جائے گا۔

۷۔ مُعَلَّل:

وہ حدیث جس میں کوئی ایسا مخفی نقص پایا جاتا ہو جسے ماہرینِ حدیث ہی بھانپ سکتے ہوں۔ مثلاً کسی وہم کی بنا پر مرفوع کو موقوف قرار دے لیا گیا ہو یا ایک حدیث دوسری میں داخل ہوگئی ہو جس سے گمان غالب ہوتا ہو کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے وغیرہ۔ علت زیادہ تر اس سند میں پائی جاتی ہے جو بظاہر شروط صحت کی جامع ہوتی ہے۔ اس حالت میں علت

کی پہچان راوی کے متفرد ہونے سے ہوتی ہے یا اس بات سے کہ دوسرا راوی اس کی مخالفت کر رہا ہے۔

۸۔۔ موضوع :

وہ حدیث جو من گھڑت ہو، جس کے سلسلۂ سند میں ایسا شخص موجود ہو جو حدیثیں گھڑ کر بیان کرتا ہو۔

۹۔۔ متروک :

جس حدیث کی کسی جھوٹے شخص نے روایت کی ہو۔

۱۰۔۔ مُدرَج :

اس کی دو قسمیں ہیں :

۱۔ مدرَج الاسناد : جس کی سند میں تغیر و تبدل کر دیا گیا ہو۔

۲۔ مدرج المتن : متن (حدیث کی اصل عبارت) میں صحابی یا تابعی کا قول ملا دیا گیا ہو خواہ لغت بیان کرنے کے لیے ملایا گیا ہو یا کسی معنیٰ کی توضیح کے لیے یا مطلق کی تقیید کی غرض سے درج کیا گیا ہو وہ حدیث مدرج ہوگی۔

۱۱۔۔ مَقلوب :

وہ حدیث جس میں راوی مقدم و مؤخر ہو گئے ہوں یا حدیث کے الفاظ مقدم و مؤخر ہو گئے ہوں یعنی اسناد یا متن میں اُلٹ پھیر ہوا ہو۔

۱۲۔۔ مُضطرِب :

حدیث کے سلسلۂ اسناد میں راویوں کا اختلاف پایا جاتا ہو۔ یہ اختلاف تقدیم و تاخیر کے سبب بھی ہو سکتا ہے مثلاً ایک راوی کی جگہ دوسرا راوی ہو یا سلسلۂ اسناد کے راویوں کے اسماء میں تصحیف، اختصار یا حذف ہو یا حدیث کے متن میں بھی تقدیم و تاخیر ہو۔ یعنی ایک متن کی جگہ دوسرا متن ہو۔ اسی طرح کی دوسری چیزیں بھی وجہِ اضطراب ہو سکتی ہیں اور ان کے درمیان توافق ممکن ہو تو حدیث مقبول ہے ورنہ اس کے بارے میں توقف اختیار کیا جائے گا۔

۱۳ــــ مُصَحَّف یا مُحَرَّف :

راویوں کے نام میں جن کی صورتِ خط میں یکسانیت پائی جاتی ہو تغیر کر دیا گیا ہو۔ تصحیف سند کے علاوہ متن میں بھی واقع ہو سکتی ہے۔ بعض لوگ علماء کے بجائے کتابوں سے علم حاصل کرتے تھے اس لیے ان کی نقل کی ہوئی روایتوں میں بعض اوقات الفاظ بدل جایا کرتے تھے ــــ متاخرین مصحّف و محرّف کو مترادف نہ سمجھ کر ان میں تھوڑا فرق کرتے ہیں۔ اگر صرف نقطوں یا چند ایک حروف کا فرق ہو گیا ہو۔ مگر ظاہری صورت میں کوئی فرق نہ آیا ہو تو اسے مصحّف کہتے ہیں اور اگر شکل ہی تبدیل ہو گئی ہو تو اُسے محرّف کہتے ہیں۔

۱۴ــــ مُبْہَمْ :

وہ حدیث جس کے راوی کا نام بیان نہ کیا گیا ہو۔

۱۵ــــ مستور :

وہ حدیث جو کسی ایسے راوی سے مروی ہو جس کا حافظہ خراب ہو گیا ہو اور یہ پتہ نہ چلے کہ یہ حدیث کس زمانے کی ہے۔ اس زمانے کی جبکہ اس کا حافظہ صحیح تھا یا اس وقت جبکہ اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔

۱۶ــــ مُختَلَط :

جس کے راوی کو بھول یا غلطی کا مرض لاحق ہو گیا ہو۔

۱۷ــــ مسلسل :

وہ حدیث جس کی سند متّصل ہو، اور وہ تدلیس سے پاک ہو (تدلیس کا ذکر آگے آرہا ہے) اور اس کی روایت میں ایک خاص عبارت یا فعل کی تکرار ہوتی ہو۔ راوی اوپر کے راوی سے اس فعل یا عبارت کو نقل کر رہا ہو یہاں تک کہ یہ سلسلہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم تک پہنچ جائے۔

حدیث مسلسل کی تعریف ان لفظوں میں بھی کی گئی ہے: جس کے راوی کسی صفت یا حالت یا کیفیت کے بیان کرنے میں یک زبان ہوں۔

اخبار و احوال کی نقل و روایت میں اس قسم کا تسلسل بہت نادر اور دشوار ہوتا ہے

یہی وجہ ہے کہ اکثر احادیث کا متن اگرچہ صحیح ہوتا ہے مگر تسلسل کے طریقہ سے روایت کی جاتی ہیں تو پھر ان کی صحت میں شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کے شواہد کی روشنی میں ان پر غور کرنا چاہیے۔ اور سند و متن کی تحقیق و تلاش پر محنت صرف کرنی چاہیے۔ کیونکہ کسی حدیث کے غلطی سے پاک ہونے کا انحصار اس کی سند و متن کی تحقیق و تلاش پر ہوتا ہے

۱۸۔ مُدَلَّس :

راوی جس سے روایت کرے اس سے اس کی ملاقات ہو مگر روایت اس نے اس سے براہ راست سنی نہ ہو مگر الفاظ ایسے استعمال کرے جس سے یہ خیال ہوتا ہو کہ اُس نے اُسے براہ راست سُنی ہے۔ راوی کے ایسے الفاظ استعمال کرنے کو جس سے یہ گمان ہو اکہ اُس نے براہ راست روایت لی ہے حالانکہ اس نے روایت براہِ راست لی نہیں ہے، تدلیس کہتے ہیں اور تدلیس کرنے والے کو مُدَلِّس کہا جاتا ہے۔

مُدَلّس کی روایت قبول کی جائے یا نہ قبول کی جائے، اس میں اختلاف ہے۔ فقہار و محدثین کی ایک جماعت کی رائے میں تدلیس عیب ہے۔ جس کسی کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ تدلیس کرتا ہے اس کی حدیث قبول نہ کی جائے۔ لیکن جمہور کے نزدیک ایسے شخص کی تائید مقبول ہے جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ ثقاہت ہی کی تدلیس کرتا ہے جیسے ابن عُیَیْنَہ۔ اس شخص کی تدلیس مقبول نہیں جو ضعیف اور غیر ضعیف، ثقہ اور غیر ثقہ سب کی تدلیس کرتا ہے جب تک وہ سَمِعْتُ یا حَدَّثَنَا یا اَخْبَرَنَا جیسے الفاظ کے ذریعہ سماع کی صراحت نہ کرے، اس کی روایت قبول نہ کی جائے گی۔

تدلیس کے مختلف اسباب تھے۔ کبھی تو کسی فاسد غرض کے تحت آدمی تدلیس کرتا ہے۔ کبھی راوی تدلیس، سیاسی اسباب کی بنا پر کرتا ہے۔ بعض محض مذاق کے طور پر تدلیس کرتے تھے۔ بعض اکابر نے تدلیس اس وجہ سے بھی کی کہ انہیں حدیث کی صحت پر پورا یقین و اعتماد حاصل تھا۔

حدیث مدلّس کی دو قسمیں ہیں :

۱۔ مدلس الاسناد :

یہ وہ حدیث ہے جسے راوی ایسے شخص سے روایت کرے جو اس کا ہم عصر ہو اور اس

سے ملاقات بھی کر چکا ہو مگر اس سے سماع ثابت نہ ہو۔ یا ایسے ہم عصر شخص سے روایت کرے جس سے اس کی ملاقات نہ ہو مگر تاثر یہ دے کہ وہ اپنے معاصر سے سُن کر روایات کر رہا ہے یہ تدلیس کی بدترین قسم سمجھی جاتی ہے۔ کوفہ مدلسین کا مرکز تھا۔ باغندی اوّلین شخص تھا جس نے تدلیس کو رواج دیا۔

۲۔ تدلیس الشیوخ :

اس کی صورت یہ ہے کہ راوی بڑھا چڑھا کر اپنے شیخ کے القاب بیان کرے یا کنیت کے بغیر اس کا نام لے اور مقصد یہ ہو کہ اس کی پہچان نہ ہو سکے۔ ابن الصلاح کے خیال میں خطیب بغدادی کی تصانیف میں تدلیس کی یہ دوسری قسم ملتی ہے۔

بعض علماء نے تدلیس کو دیگر انواع میں بھی تقسیم کیا ہے :

۱۔ تدلیس العطف :

راوی کہے کہ حَدَّثَنَا فُلَانٌ وَفُلَانٌ حالانکہ اس نے دوسرے شخص سے سُنا نہ ہو۔

۲۔ تدلیس السکوت :

راوی کہے سَمِعْتُ یا حَدَّثَنَا یا حَدَّثَنِیْ اس کے بعد تھوڑی دیر سکوت اختیار کرے پھر کہے فُلَانٌ اس سے سننے والا یہ تاثر لے گا کہ اس نے فلاں سے سُنا ہے حالانکہ یہ درست نہ ہو۔

۳۔ تدلیسِ تسویہ :

کسی راوی کے شیخ کے نام کا اس لیے ذکر نہ کیا جائے کہ وہ ضعیف یا صغیر السّن ہے۔ اس کے بجائے ظاہر یہ کیا جائے کہ حدیث ثقات سے مروی ہے تاکہ اسے صحیح اور مقبول قرار دیا جائے۔ یہ تدلیس کی بدترین قسم ہے۔

۴۔ تدلیس البلاد :

اس کی مثال یہ ہے جیسے ایک مصری کہے کہ حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ بِالْاُنْدُلُس (مجھے اندلس کے فلاں نے حدیث سُنائی) اور اندلس سے مراد وہ مقام ہو جو القرافہ میں واقع ہے۔ یا جیسے کوئی کہے کہ رقّہ (ایک شہر کا نام) میں مجھے حدیث سنائی اور رقّہ سے دریائے دجلہ کے کنارے کا ایک باغ مراد لے۔ اس سے سامع کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ راوی طلب حدیث

میں کافی سیاحت کر چکا ہے۔ یہ ایک طرح کا دجل و فریب ہے۔ اسے ابن حجر نے تدلیس البلاد سے تعبیر کیا ہے جو تدلیس الشیخ سے ملتی جلتی اصطلاح ہے۔

۱۹۔ مُرسَل خفی :

مُدلّس اور مرسل خفی میں بہت باریک سا فرق ہے۔ تدلیس میں تو راوی کی اپنے مروی عنہ سے ملاقات ہوتی ہے لیکن مرسل خفی میں صاحب ارسال گو اپنے مروی عنہ کا ہم عصر ہوتا ہے مگر اس سے اس کی ملاقات ثابت نہیں ہوتی۔

۲۰۔ مُؤنّن :

وہ حدیث جس کی سند میں حَدَّثَنَا فُلَانٌ اَنَّ فُلَانًا کے الفاظ ہوں۔ امام مالک ایسی روایات کو مُعَنعَن کی طرح خیال کرتے ہیں۔ یعنی دونوں طرح کی روایتوں کو مساوی قرار دیتے ہیں۔ معنعن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ امام بردیجی ایسی روایات کو منقطع سمجھتے ہیں۔ اِلّا یہ کہ کسی دیگر سند سے سماع کا ثبوت فراہم ہو جائے۔ سچّی بات یہ ہے کہ راوی جو بھی مختلف الفاظ اس سلسلہ میں استعمال کرتے ہیں علمائے لسانیات ان کو سماع پر محمول کریں گے۔ عرف و عادت کے لحاظ سے نقاد حدیث کے یہاں ان میں فرق و امتیاز پایا جاتا ہے۔

۲۱۔ روایتِ مُعَنعَن :

معنعن اس روایت کو کہتے ہیں جس میں ایک راوی اوپر کے راوی سے بتلفظ "عن" روایت کرتا ہے۔ یعنی وہ کہتا ہے کہ یہ روایت مجھ تک فلاں شخص سے پہنچی۔ اس سے یہ بات صاف نہیں ہوتی کہ اس نے یہ حدیث خود سُنی ہے یا درمیان میں کوئی اور بھی ہے جس کو اُس نے حذف کر دیا۔ اسی لیے معنعن میں تدلیس یا ارسال کا شبہ ہوتا ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ لفظِ عَنْ یا قَالَ کا استعمال اکثر اہل فن کے یہاں مطلق اجازت و اتّصال کے لیے ہوتا رہا ہے۔ مگر سماع سے اس کا مرتبہ بہر حال فروتر ہے۔

ائمۂ حدیث نے بعض اصطلاحات اپنے لیے مخصوص کی ہیں۔ مثلاً امام ترمذی روایتوں میں بالعموم اس کی صراحت کرتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، غریب حسن ہے، حسن غریب صحیح ہے کوئی روایت حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہو سکتی ہے اس طرح اس کا حسن صحیح ہونا سمجھ میں آتا ہے۔

اسی طرح غرابت اور صحت کا اجتماع بھی ممکن ہے لیکن حسن اور غرابت کے اجتماع میں اشکال پیدا ہوتا ہے کیونکہ جب امام ترمذی نے حسن میں تعددِ طُرق کا اعتبار کیا ہے تو حسن اور غرابت کا اجتماع کیسے ممکن ہے۔

محدّثین نے اس اشکال کے سلسلے میں کہا ہے کہ حسن میں تعدّدِ طُرق کا اعتبار علی الاطلاق نہیں ہے، بلکہ حسن کی ایک قسم میں ترمذی نے تعدّد کا اعتبار کیا ہے۔ جہاں حسن اور غرابت کے اجتماع کا ذکر ہو وہاں صاف ظاہر ہے کہ حسن کی دوسری قسم مراد ہے کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حَسَن غریب سے مراد یہ ہے کہ حدیث جن سندوں سے منقول ہے ان میں ایک سند کے لحاظ سے اسے حَسَن کہا جاسکتا ہے اور دوسری سند کے اعتبار سے اُسے غریب کہیں گے۔

اس کے علاوہ کچھ دیگر اصطلاحات جو علما میں مشہور ہیں۔ وہ یہ ہیں:

۱۔ **مشہور صحیح**: جو مشہور کے درجہ میں ہو اور باعتبار سند صحیح ہو۔

۲۔ **مشہور حَسَن**: جو مشہور کے درجہ میں ہو اور باعتبار سند حَسَن ہو۔

۳۔ **مشہور ضعیف**: جو مشہور کے درجہ میں ہو مگر باعتبار سند ضعیف ہو۔

۴۔ **مشہور باطِل**: جو مشہور تو ہو مگر باطل اور بے اصل ہو۔

حدیث کے القاب عامہ

حدیث مقبول کو مندرجہ ذیل القاب سے بھی یاد کیا جاتا ہے:

۱۔ **جَیّد**: وہ حدیث جو حسن لذاتہ سے بلند تر درجہ کی ہو مگر اس کا صحیح درجہ کا ہونا مشتبہ ہو۔ جیّد کا مقام و مرتبہ صحیح سے کم تر ہوتا ہے۔

۲۔ **قوی**: قوی کی اصطلاح کا حال وہی ہے جو جیّد کا ہے۔

۳۔ **مجُوّد**: امام سیوطی نے جودت (عمدگی) اور قوت میں امتیاز قائم نہیں کیا ہے۔ اس لیے قوی اور مجوّد میں درجہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ یہ سب مقبول احادیث کے اوصاف ہیں۔

۴۔ **ثابت** : ثبوت وقوت کے درمیان میں بھی کوئی فرق نہیں ہے اس لیے قوی اور ثابت حدیثیں بھی مقبول ہیں خواہ وہ حسَن ہوں یا درجۂ صحیح کو پہنچی ہوئی ہوں۔

۵۔ **صالح** : حدیث صحیح کو صالح کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ صالح احتجاج ہے۔ ابوداؤد کے بارے میں محدثین کہتے ہیں کہ اس کی روایات صالح ہیں کیونکہ ان میں صحیح وحسَن ہر قسم کی روایتیں موجود ہیں۔

بعض اوقات صالح کا اطلاق ایسی ضعیف حدیث پر بھی کر دیا جاتا ہے جو کسی درجہ میں قابل قبول ہوتی ہے۔

۶۔ **مستحسن** : مستحسن (پسندیدہ) وہ حدیث ہے جس میں صحیح وحسن دونوں کا احتمال ہو۔ حسَن جودت (عمدگی) کو کہتے ہیں۔ اور استحسان (پسندیدگی) کے معنیٰ ہیں۔ استجادہ یعنی کسی چیز کی عمدگی اور خوبصورتی کی طلب وتلاش۔

۷۔ **محفوظ** : جب ایک صحیح یا حسن حدیث کے خلاف کوئی صحیح یا حسن حدیث موجود ہو تو دونوں میں سے جسے ترجیح حاصل ہوگی اُسے محفوظ اور مرجوع کو شاذ کہیں گے۔ ایک راوی کا دوسرے سے ثقہ تر ہونا ترجیح کی ایک واضح بنیاد ہے۔

۸۔ **معروف** : ایک ضعیف حدیث جب دوسری ضعیف حدیث کے خلاف پڑتی ہے تو اس صورت میں راجح کو معروف اور مرجوح کو منکَر کہتے ہیں۔

علوم حدیث کا تعارف

علمِ حدیث کی تکمیل وترتیب اور حفاظت کے لیے محدثین نے بہت سے علوم ایجاد کیے ہیں۔ ان میں سے چند کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے :

۱۔ **علم اسماء الرجال** :

اس میں راویوں کے حالات سے بحث کی جاتی ہے۔ یہ گویا رواۃِ حدیث کی سوانحِ حیات

اور ان کا تذکرہ ہے۔ اسماء الرجال کے ذریعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کون سا راوی کس درجہ کا ہے اور کسی روایت میں اس پر کس حد تک بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ علمُ الروایت :

اس میں روایتِ حدیث اور ضبطِ حدیث پر بحث کی جاتی ہے۔

۳۔ علمُ الدرایت :

اس میں حدیث کے متن (اصل عبارت) کی چھان بین اور اس کے پرکھنے کے اصول و ضوابط بیان کیے جاتے ہیں۔ راوی کے حالات اور اس کی حیثیت کا علم بھی علم الدرایت میں شامل ہے۔

۴۔ تدوینُ الحدیث :

اس میں احادیث کے جمع کرنے کے سلسلے میں بحث ہوتی ہے۔

۵۔ النّاسخ والمنسوخ :

اس میں اس پر بحث ہوتی ہے کہ کون سی حدیث ناسخ اور کون سی منسوخ ہے اور اسے منسوخ قرار دینے کے کیا وجوہ و اسباب ہیں۔ اگر کسی حدیث کے مقابلہ میں کوئی دوسری حدیث معارض ہو اور دونوں کا مرتبہ یکساں ہو تو اس صورت میں اگر دونوں میں تطبیق و جمع ممکن ہو تو اسے مختلفُ الحدیث کہیں گے۔ اور اگر تطبیق و جمع ممکن نہ ہو تو جس حدیث کا تاخّر ثابت ہوگا اسے ناسخ اور دوسری کو منسوخ کہیں گے۔

۶۔ علم النّزول :

اس میں احادیث کے شانِ نزول کے بارے میں بحث کی جاتی ہے یعنی یہ کہ کون سی حدیث کس موقع کی ہے۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کون سی بات کس موقع پر ارشاد فرمائی ہے۔

۷۔ علم النّظر فی الاسناد :

اس میں حدیث کے سلسلۂ اسناد پر بحث کی جاتی ہے۔

۸۔ کیفیت الروایت :

اس میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں کہ راوی نے حدیث کس طرح روایت کی ہے اور اس

کے درجات کیا ہیں۔

۹۔ الفاظُ الحدیث :

محدّثین کی اصطلاحات کیا ہیں ؟ اور جن الفاظ میں حدیث منقول ہوئی ہے وہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟

۱۰۔ طبقاتُ الحدیث :

اس میں اس پر بحث ہوتی ہے کہ کون سی حدیث کس درجے کی ہے ؟ اور اس کے راوی کس درجے سے تعلق رکھتے ہیں۔

۱۱۔ غریبُ الحدیث :

غیر مانوس الفاظ اگر حدیث میں کہیں آئے ہیں تو ان کا کیا مطلب ہے اور حدیث میں وہ کس مقصد کے پیش نظر آئے ہیں۔ محاورات کی رو سے ان کا کیا مطلب ہوتا ہے ؟ لسانی انحطاط کے سبب احادیث کے سمجھنے میں دشواری پیش نہ ہو، اس غرض سے علم غریب الحدیث وجود میں آیا ہے۔

۱۲۔ اَلجَرح والتَّعدِیل :

اس میں راویوں کے قابلِ اعتماد یا بے اعتبار ہونے کے وجوہ و اسباب پر بحث کی جاتی ہے

۱۳۔ طُرقُ الاحادیث :

بعض حدیثیں کئی سلسلۂ اسناد سے مروی ہیں اور مضمون کے لحاظ سے اُن کے ٹکڑے کتبِ حدیث کے مختلف بابوں میں نقل کئے جاتے ہیں۔ طرق الاحادیث میں اسی کی تفصیلات بیان کی جاتی ہیں۔ بخاری میں اس طرح کی روایات بکثرت ملتی ہیں۔

۱۴۔ الموضوعات :

موضوع اور من گھڑت حدیثوں کو پہچاننے کا کیا طریقہ ہے ؟ اس علم میں اس پر بحث کی جاتی ہے۔

۱۵۔ علمِ عِلَلِ حدیث :

یہ نہایت مشکل علم ہے۔ اس میں اس کی تفصیلات ہوتی ہیں کہ کسی حدیث کے راوی

کب پیدا ہوئے ؟ ان کا انتقال کہاں ہوا ؟ پیدائش سے لے کر وفات تک کیا حالات رہے ؟ کہاں سکونت اختیار کی ؟ ان کے نام، القاب، کنیت، کیا تھی ؟ ان کا حفظ وضبط کس درجہ کا تھا ؟ فہم ومعرفت انہیں کس درجہ کی حاصل رہی ہے۔

۱۶۔ تصحیف الاسماء :

اس میں ہم شکل اور باہم ملتے جلتے ناموں کی وضاحت اور تشریح کی جاتی ہے تاکہ ان میں امتیاز ہو سکے اور نام کی مشابہت کے سبب راوی کو سمجھنے میں کسی قسم کا دھوکہ نہ ہو۔

۱۷۔ متشابہ :

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ راویوں کے نام اور تلفظ میں یکسانیت پائی جاتی ہے لیکن ان کے آباء کے نام خط میں یکساں ہونے کے باوجود تلفظ میں مختلف ہوتے ہیں یا اس کے برعکس راویوں کے ناموں میں تشابہ ہو اور ان کے آباء کے نام ایک ہوں، اسے متشابہ کہتے ہیں۔ اس موضوع پر خطیب بغدادی کی ایک کتاب ہے۔

اس سلسلہ میں محدثین نے نہایت باریک اور نازک فرق کی تحقیق کی ہے اور التباس و اشتباہ کے ہر چھوٹے بڑے امکان کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱۸۔ مُؤتَلِف و مُختَلِف :

اس میں ان راویوں میں تمیز و فرق کرتے ہیں جن کے نام خط میں یکساں ہوں لیکن تلفظ میں مختلف ہوں۔ اس فن پر کئی ایک کتابیں تصنیف کی گئی ہیں جن میں سب سے جامع اور مفید تصنیف "تبصیر المنتبہ بتحریر المشتبہ" ہے۔

۱۹۔ متفق و متفرق :

متعدد راویوں کے نام، کنیت اور نسب ایک ہوں تو ان میں فرق کرنے کے لیے تفصیل کے ساتھ بتایا جاتا ہے کہ اس نام، کنیت اور نسب کے کتنے راوی ہیں، کن طبقوں میں ہیں اور ہر ایک نے کس کس سے روایت کی ہے۔ اصطلاح میں اسے متفق و متفرق کہتے ہیں۔ خطیب بغدادی کی اس پر ایک مستقل تصنیف ہے۔

۲۰۔ عِلمُ الوحدان:

اس میں ان راویوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کی مرویات نہایت قلیل ہیں۔

۲۱۔ روایت الآباء عن الابناء:

اس میں باپ کے بیٹوں سے روایت کرنے کے سلسلہ میں بحث کی جاتی ہے۔

۲۲۔ روایتُ الصحابہ عن التابعین:

اس میں صحابہ کے تابعین سے روایت کرنے کے سلسلے میں بحث کی جاتی ہے اور اس کے وجوہ و اسباب پر بھی روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۲۳۔ علمُ الجمع والتفریق:

اس میں مجہول راویوں کے حالات کی تحقیق کی جاتی ہے۔

۲۴۔ معرفتُ الحدیث:

اس میں علوم حدیث کی حقیقت پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۲۵۔ مختلفُ الحدیث:

اس میں ان احادیث سے بحث کی جاتی ہے جن میں بظاہر تناقض پایا جاتا ہے۔ اس علم کے ذریعہ ایسی احادیث کے مابین جمع و تطبیق کی کوشش کی جاتی ہے۔ جمع و تطبیق کا طریقہ یہ ہے کہ مطلق احادیث کو مقید اور عام کی تخصیص کی جائے یا ان کو واقعہ کے تعدد پر محمول کیا جائے۔ اس علم کو 'تطبیق الحدیث' بھی کہتے ہیں۔

۲۶۔ علم الاسباب:

اس میں حدیث کے اسباب بیان کیے جاتے ہیں۔

۲۷۔ طبقاتُ المدلسین:

دُلس کے معنیٰ ہیں خرید و فرخت میں عیب کو چھپانا۔ نور و ظلمت کے اختلاط کو بھی لغت میں دلس کہتے ہیں۔ روایت مدلس کا راوی چونکہ ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے کہ جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ جس سے روایت کر رہا ہے اس سے اس نے براہ راست سُنا ہے، حالانکہ روایت براہِ راست اس کی سُنی ہوئی نہیں ہوتی، محدّثین نے صرف واضعینِ حدیث اور کمزور

قسم کے راویوں کا ہی پتہ نہیں لگایا ہے بلکہ انہوں نے اپنی غیر معمولی کاوش سے مدلسین پر کتابیں لکھی ہیں۔ ابن حجر کی بھی اس پر ایک کتاب ہے جس میں ۱۵۲ مدلسین کا تذکرہ ہے جن کو انہوں نے پانچ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے طبقہ میں کُل ۳۳' اشخاص ہیں۔ دوسرے طبقے میں بھی ۳۳، تیسرے میں ۵۰، چوتھے میں ۱۲، اور پانچویں طبقہ میں ۲۴' اشخاص ہیں۔

۲۸۔ معرفت المسلسل :

اس میں ان احادیث کا ذکر ہوتا ہے جن کے رجال اسناد میں صفت یا حالت وغیرہ کے لحاظ سے تتابع و تواردپایا جاتا ہے۔ اس کی کئی قسمیں ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ حدیث کے تمام راوی حدیث کی روایت "سَمِعْتُ فُلَانًا" سے کرتے ہوں یا اسی طرح وہ سب کے سب حَدَّثَنَا یا اَخْبَرَنَا سے کرتے ہوں۔

۲۹۔ معرفت الاسماء والکنیٰ :

اس میں راویوں کے نام اور ان کی کنیت زیر بحث آتی ہے۔

۳۰۔ معرفت تواریخ الرواۃ فی الوفیات وغیرہا :

اس میں راویوں کی جائے پیدائش اور تاریخ وفات وغیرہ کے سلسلہ میں گفتگو کی جاتی ہے۔

۳۱۔ معرفت الثقات والضعفاء من الرواۃ :

اس میں ثقہ اور غیر ثقہ یا ضعیف راویوں کا ذکر ہوتا ہے۔ علم حدیث کا یہ موضوع بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

۳۲۔ معرفت طبقات الرواۃ والعلماء :

حدیث کا کون سا راوی کس طبقہ سے تعلق رکھتا ہے، اُس کا تعلق طبقۂ صحابہ سے ہے یا تابعین کے طبقہ سے اس کا تعلق ہے یا کسی دوسرے طبقہ سے۔ اس میں اسی مسئلہ پر غور و خوض ہوتا ہے۔

۳۳۔ معرفت الموالی من الرواۃ والعلماء :

اس میں راوی کے خاندان اور قبیلہ سے متعلق مباحث زیر غور آتے ہیں۔

۳۴۔ معرفت المبہمات :

اس میں ان مبہم ناموں پر غور کیا جاتا ہے جو حدیث میں آتے ہوں۔

۳۵۔ اطرافُ الحدیث :

اس سے روایات کے مآخذ اور رُواۃ معلوم کیے جاتے ہیں۔

۳۶۔ اَلتوفیقُ بین الاحادیث یا تطبیق حدیث :

اسے علم مختلف الحدیث یا تلفیق حدیث بھی کہتے ہیں۔ اس کا مقصد ان روایات کی صحیح توجیہ ہے جن میں بظاہر تعارض اور تناقض نظر آتا ہے۔

اخذ روایت

اساتذہ سے اخذ حدیث کے طریقے

۱۔ سماع :

شاگرد استاد کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث سُنے۔ یہ عہد سلف سے اخذ حدیث کا طریقہ رہا ہے۔ یہ طریقہ اعلیٰ وارفع سمجھا گیا ہے۔ اَخبرَنا، حَدَّثَنا اور سَمِعتُ کے اصطلاحی الفاظ اگر بلا قید و شرط بولے جائیں تو ان سے مراد سماع ہوتا ہے۔

۲۔ قرأت :

شاگرد اپنے حافظہ یا کتاب سے پڑھ کر سُنائے۔ اس کو 'عرض' (پیش کرنا) بھی کہتے ہیں۔ جو حدیث سماع یا قرأت کے بعد بیان کی جاتے اس میں اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۳۔ اجازہ :

استاد شاگرد کو اس بات کی اجازت دے کہ وہ اس کی مسموعات (سُنی ہوئی روایات) یا مؤلفات (جمع کردہ کتب) کو روایت کرے۔ اگرچہ یہ مسموعات نہ شاگرد نے استاد سے سُنی ہوں اور نہ انہیں استاد کو سنائی ہوں۔

۴۔ مناولہ :

استاد اپنے شاگرد کو کوئی کتاب یا لکھی ہوئی حدیث دے کر کہے کہ اس کو میری طرف سے

روایت کرو۔

۵۔ مکاتبہ :

استاد خود لکھ کر یا کسی سے اپنی مرویات لکھوا کر حاضر یا غیر موجود شاگرد کو دے یا اس کے پاس بھجوا دے۔ اکابر محدثین نے مکاتبہ کو کافی سمجھا ہے۔ اس کے ساتھ اجازت کی شرط نہیں لگائی۔ امام بخاری نے کتاب الایمان والنذور میں روایت کی ہے کہ انہوں نے محمد بن بشار کو حدیثیں لکھ کر بھیجیں اور ان کی حدیثیں روایت کیں۔

۶۔ اِعلام :

استاد شاگرد کو صرف یہ بتا دے کہ فلاں کتاب یا حدیث میری مرویات یا مسموعات میں سے ہے مگر صراحۃً روایت کی اجازت نہ دے۔ محدثین نے اخذ حدیث کی اس صورت کو جائز قرار دیا ہے۔

۷۔ وصیت :

استاد دوران سفر یا بستر مرگ پر صراحت کے ساتھ یہ کہے کہ فلاں کو فلاں کتاب کے روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔ اس سلسلہ میں یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ کتاب ایک ہے یا متعدد، ایک حدیث ہے یا کئی ایک۔ نیز یہ کہ روایات مسموع ہیں یا مرویات ہیں۔ وصیت کرنے والے کے تعبیر و بیان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

۸۔ وِجادہ :

سماع، اجازۃ اور مناولہ کے بغیر کسی کتاب یا صحیفہ سے علم حاصل کیا جائے۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل اکثر اوقات کہتے کہ میں نے اپنے والد کی تحریر دیکھی کہ فلاں شخص نے مجھے حدیث سُنائی، اس کے بعد پوری حدیث نقل کر دیتے۔ آج حدیث کی کتب صحیحہ سے جو روایات ہم نقل کرتے ہیں وہ وجادہ کی قسم میں سے ہے۔ آج معتبر کتب حدیث کی طرف مراجعت نہایت آسان ہے۔ حافظ عماد الدین بن کثیر (المتوفی ۷۷۴ھ) نے وجادہ کے واجب العمل ہونے پر اس صحیح حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ایمان کے اعتبار سے تمہیں کونسی مخلوق زیادہ محبوب ہے؟" صحابہؓ نے کہا: "فرشتے"۔ آپؐ نے فرمایا: "فرشتے جب خدا کے

حضور میں رہتے ہیں تو وہ کیونکر ایمان نہ لائیں؟"، صحابہؓ نے عرض کیا: "انبیاء سب سے زیادہ محبوب ہیں" فرمایا: "انبیاء کیونکر ایمان نہ لائیں جب کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے؟" صحابہ نے عرض کیا: "ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں" فرمایا: "تم کیونکر ایمان نہ لاؤ گے جبکہ میں تمہارے درمیان میں موجود ہوں"، صحابہؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہ! پھر کون محبوب ہے؟" آپؐ نے فرمایا "وہ ایک قوم ہے جو تمہارے بعد آئے گی، وہ کچھ کتابیں اور صحیفے پائے گی اور ان پر ایمان لائے گی"

روایت کے طریقے

۱۔ اداء:

استاد جب شاگرد کو حدیث سناتا ہے تو اصطلاحاً اسے "اداء" کہتے ہیں۔

۲۔ مُؤَدِّی:

وہ شخص جو شاگرد کو حدیث سنائے یعنی شیخ یا استاد۔

۳۔ مُتَحَمِّل:

جو استاد سے حدیث اخذ کرتا ہے۔

جو شخص اخذِ حدیث کے آٹھوں طریقوں میں سے کسی طریقے سے حدیثیں اخذ کر سکتا ہے اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ان ہی طریقوں میں سے کسی طریقے کے مطابق ان کو دوسروں تک پہنچائے۔

روایت بالمعنیٰ

شریعت میں بعض الفاظ اور فقروں کو بحال رکھنا اور ان کو اسی طرح ادا کرنا ضروری ہے جس طرح ان کی تعلیم دی گئی ہے، جیسے اذان کے کلمات، تکبیر اور تشہد وغیرہ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عام ارشادات میں روایت بالمعنیٰ جائز ہے۔ یعنی بات تو وہی بیان کی جائے جو آپؐ نے فرمائی ہے لیکن ٹھیک انہیں لفظوں کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ جو آپؐ نے استعمال فرمائے۔ چنانچہ حضرت واثلہؓ سے حضرت امام مکحول وغیرہ نے اس بارے میں دریافت کیا تو

انہوں نے یہی فرمایا: حسبکم اذا حدثناکم بالحدیث علی المعنیٰ یعنی روایت بالمعنیٰ کو حدیث میں کافی سمجھو۔ یہی بات امام وکیع، حماد بن سلمہ اور سفیان ثوری وغیرہ نے بھی کہی ہے (فتح المغیث ص۲۷۵، جامع الاصول لابن اثیر الجزری ص۵۴) حسن بصری نے بھی اس کی تائید کی ہے (طبقات ابن سعد ج ۵۔ ۶)

عبداللہ بن مسعودؓ، ابوالدرداءؓ، انسؓ وغیرہ بھی روایت بالمعنیٰ کرتے تھے اور غایت احتیاط کے سبب اَوْ کَمَا قَالَ، او نحوہٰذا کہہ دیا کرتے تھے۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص۱۰۵)

امام شافعی، ابوداؤد، امام بخاری وغیرہ روایت بالمعنیٰ کو جائز سمجھتے تھے۔ امام ترمذی نے لکھا ہے: ھذا اوسع عند اھل العلم اذا لم یتغیر المعنیٰ۔

حدیث کی صحت کا انحصار اصلاً ثقاہت رواۃ اور صحت رجال پر ہے خواہ یہ وسائط کثیر ہوں یا قلیل۔ چنانچہ عبداللہ بن مبارک نے کہا ہے: لیس جودۃ الحدیث قریب الاسناد جودۃ الحدیث صحۃ الرجال (فتح المغیث ص۳۴۲) کثیر الوسائط حدیث کے مقابلہ میں قلیل الوسائط حدیث کی اہمیت اس لیے تسلیم کی جاتی ہے کہ جس قدر رجال حدیث کی سند میں، زیادہ ہوں گے اسی قدر خطا کا احتمال زیادہ ہوگا اور جس قدر وسائط کم ہوں گے اتنا ہی زیادہ خطا و خلل کا امکان کم پایا جائے گا۔ اسی لیے احادیث میں ثلاثیات کی بڑی اہمیت ہے۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی مسندات میں ثلاثیات کی ایک معقول تعداد موجود ہے۔ بخاری میں بیس سے زیادہ ثلاثیات موجود ہیں۔ (فتح المغیث ص۳۳۷)

درایتِ حدیث

درایتِ حدیث کے مباحث میں راوی اور مروی پر بحث کی جاتی ہے۔ راوی سے سلسلۂ سند اور مروی سے متنِ حدیث مراد ہے۔ اس فن کے تحت صرف اسناد ہی کے مباحث نہیں آتے بلکہ متن سے تعلق رکھنے والے مسائل بھی اس میں داخل و شامل ہیں۔

مثلاً:

حدیث صحیح و حسن میں بعض اوقات حدیث کی صحت کا فیصلہ سند و متن دونوں کے

پیش نظر کیا جاتا ہے۔ یہی حال حدیث متواتر کا ہے، اس کے متن کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ اس قدر جم غفیر کا کذب پر جمع ہونا ممکن نہیں ہے۔

حسن لذاتہ کے درجہ کی حدیث صحیح بغیرہ کے مرتبہ پر فائز ہوتی ہے تو اس میں کثرتِ طُرق و اسانید ہی کو نہیں بلکہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حدیثِ شذوذ و علت سے خالی ہونے میں صحیح لذاتہ کے مانند ہو۔ حدیث میں جو تفرد یا مخالفت پائی جاتی ہے وہ زیادہ تر متن میں پائی جاتی ہے۔ علت ایک قسم کی ذاتی تنقید ہے جس میں متن حدیث پر ضعف کا حکم لگاتے ہیں، اس کا اطلاق دقیق و عمیق فکر و فہم اور الہام پر ہوتا ہے۔

حدیث ضعیف کی اکثر قسموں میں سند کے علاوہ متن کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ مراسیلِ صحابہ انقطاعِ سند کے باوجود مقبول ہیں۔ اس لیے کہ صحابہ کے بارے میں یہ متصور نہیں کہ حدیث کا جو متن وہ بیان کرتے ہیں وہ خود ساختہ ہو گا۔ مراسیل کے راوی اگر ایسے صحابہ ہیں جو اسرائیلی روایات بیان کرنے میں مشہور ہیں تو علماے حدیث تشدد سے کام لیتے ہیں کیوں کہ ان کا روایت کردہ متن حدیث نبوی کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا۔ اسی لیے صحابہ کی تفسیری روایات میں علما حزم و احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ محدثین کے نزدیک علت زیادہ سند میں وقوع پذیر ہوتی ہے تاہم وہ متن میں علت کے وجود کا امکان تسلیم کرتے ہیں۔ محدثین کا قول ہے "کسی حدیث کو علی الاطلاق صحیح نہیں کہہ سکتے ممکن ہے اس کے متن میں کوئی علت ہو۔"

اضطراب بھی زیادہ تر سند میں وقوع پذیر ہوتا ہے مگر نقاد حدیث نے اس سے آگاہ کیا ہے کہ اضطرابِ متن بھی ممکن ہے۔ وہ اس کے شواہد و دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔

حدیث مقلوب جہاں ایک قسم مقلوب اسناداً ہے وہاں اس کی دوسری قسم مقلوب متناً بھی ہے۔

محدثین روایت باللفظ پر جو تشدد اختیار کرتے ہیں اس کا تعلق بھی زیادہ تر متن حدیث کے ساتھ ہوتا ہے۔

حدیث کی جو قسم صحیح حسن اور ضعیف کے مابین مشترک ہے اس کے مباحث میں متن کی حالت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

مدرج الاسناد کا نتیجہ مدرج المتن کی شکل میں نمایاں ہوتا ہے۔ تصحیف کا نقص بھی اکثر متن میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔

حدیثِ مسلسل میں جو شک و شبہ پایا جاتا ہے اس کی اصل وجہ متن حدیث میں کسی عبارت کی غیر معمولی ہم رنگی ہے۔ اگرچہ اس کی ظاہری صورت کا تعلق اس تماثل و تشابہ سے ہوتا ہے جو رواۃِ حدیث کی زبان یا سلسلۂ سند میں پایا جاتا ہے۔ اسی لیے محدّثین کہتے ہیں: "یہ حدیث متن و تسلسل کے لحاظ سے باطل ہے۔"

گہری نظر سے دیکھا جائے تو فرد و غریب کا تعلق محض سند سے ہی نہیں ہے بلکہ سند کی بہ نسبت ان کا تعلق متن سے کہیں زیادہ ہے۔ غریب حدیث سے بھاگنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ عزیز، مشہور اور مستفیض احادیث سے ٹکراتی ہے۔

محدثین عزیز، مشہور اور مستفیض سے اس لیے بحث کرتے ہیں کہ فرد اور غریب احادیث کو ایسے متن کے ساتھ تقویت بہم پہنچائی جائے جن سے ان کی تائید ہوتی ہو۔

شاہد سے بھی حدیث کے متن کو تقویت پہنچتی ہے، اگرچہ اس کے الفاظ مختلف ہوں۔

اصولِ حدیث میں سند اور متن دونوں کو اہمیت حاصل ہے۔

ترتیبِ حدیث باعتبار صحت

اوّل : وہ احادیث جو متفق علیہ ہیں یعنی جن کی تخریج بخاری و مسلم دونوں نے کی ہے۔

دوم : جن کی تخریج صرف بخاری نے کی ہے۔

سوم : جن کی تخریج صرف مسلم نے کی ہے۔

چہارم : جو بخاری و مسلم کی شرط پر پوری اُترتی ہوں اگرچہ ان کی بخاری و مسلم میں سے کسی نے تخریج نہیں کی۔

پنجم : جو بخاری کی شرط پر تو پوری نہ اُترتی ہوں لیکن مسلم کی شرط پر پوری اُترتی ہوں

ششم : جو مسلم کی شرط پر بھی پوری نہ اُتریں۔

ہفتم : جن کو معتمد حدیث کے ائمہ میں سے کسی نے صحیح قرار دیا ہو۔

یہ ترتیب ترجیح مجموعی لحاظ سے ہے ورنہ مسلم کی بعض احادیث ایسی ہیں جن کو بخاری کی حدیث پر ترجیح حاصل ہے۔

اقسام کتبِ احادیث

۱۔ جامع :

حدیث کی اُس کتاب کو جامع کہتے ہیں جس میں عقائد، آداب ورقاق، احکام، مناقب و مثالب، سِیَر، فتن، علاماتِ قیامت" اور تفسیر یعنی جملہ ابواب حدیث (۸ ابواب) جمع ہوں جیسے بخاری و مسلم و ترمذی۔

۲۔ سُنن :

جسے فقہی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہو جیسے سنن ابی داوٗد، نسائی، ابن ماجہ،

۳۔ مُسند :

جس میں ہر صحابی کی روایات ایک جگہ موجود ہوں۔ سند کی ترتیب مختلف طریقے کی ہوتی ہے۔ بعض نے مراتب صحابہؓ کے لحاظ سے ان کی مرویات کو جمع کیا ہے' افضل صحابی کو مقدم رکھا ہے بعض نے اس ترتیب میں حروف تہجی کا لحاظ کیا ہے۔ امام بخاری کے اکثر اساتذہ نے مسانید مرتب کی ہیں جیسے مسند احمد بن حنبل' مسند ابی داوٗد طیالسی مسند ابن ابی شیبہ۔

مسند کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ رواۃ کی ترتیب میں تقدمِ اسلام کو پیش نظر رکھا جائے مگر اس قسم کی کوئی مسند مرتب نہیں کی گئی ہے۔

۴۔ مُعْجَم :

مُعْجَم حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں بترتیب حروف تہجی صحابہ یا شیوخ یا قبائل کے ناموں کے مطابق روایات لائی جائیں۔ جیسے مُعجم طبرانی۔ معجم کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ احادیث کے اوائل میں جو حروف آتے ہیں' ان کے پیش نظر بترتیب حروفِ تہجی

احادیث لائی جائیں جیسے جامع الصغیر للسیوطی۔

۵— **مستدرک:**

حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں وہ حدیثیں جمع کی جائیں جو کسی مؤلف کی شرائط پر پوری اُترتی ہوں مگر اس مؤلف کی کتاب میں موجود نہ ہوں خواہ مؤلف نے ان کو قصداً ترک کر دیا ہو یا ایسا سہواً ہوا ہو۔ امام حاکم کی مستدرک علی الصحیحین سب سے زیادہ مشہور ہے۔

۶— **مستخرج:**

حدیث کی اس کتاب کو مستخرج کہا جاتا ہے جس میں کسی کتاب کی احادیث کو کتاب کے جامع کے علاوہ اپنی سند سے بیان کیا گیا ہو اور یہ سند مؤلفِ کتاب کے شیخ کے ساتھ یا اس سے اوپر جا کر ملتی ہو، مؤلفِ کتاب اس میں حائل نہ ہوتا ہو۔ اس طرح باعتبار سند روایت کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ جیسے مستخرج ابو عوانہ علیٰ مسلم، مستخرج ابی بکر اسماعیل علیٰ البخاری۔

۷— **مفرد:**

جس میں ایک محدّث کے منفردات درج ہوں۔ حدیث فرد میں تفرد اس جانب واقع ہوتا ہے جس طرف صحابی ہوتا ہے یعنی صحابی سے روایت کرنے والا صرف ایک ہی راوی پایا جاتا ہو۔ اگرچہ اس حدیث کے طُرق متعدّد ہوں مگر تفرد کا تعلق اسی جانب کے ساتھ ہوگا۔

۸— **غریب:**

حدیث غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے روایت کرنے میں ایک شخص منفرد ہو۔ خواہ یہ تفرد سند کے کسی حصّہ میں واقع ہو۔ اس میں ممکن ہے کہ صحابی سے روایت کرنے والے ایک سے زیادہ ہوں پھر ان میں سے کسی ایک سے روایت کرنے والا منفرد ہو۔ حدیث غریب میں جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا بعض اوقات تفرّد وسطِ سند میں پایا جاتا ہے اور اسی جگہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی اضافی قید و شرط کی بنا پر حدیث غریب کو فرد نسبی بھی کہتے ہیں۔ امام حاکم کے نزدیک فرد و غریب کے مابین جو فرق و امتیاز بھی پایا جاتا ہے وہ صرف مطلق و مقید میں محدود ہے۔ غریب کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ضعیف بھی ہو۔ بخاری کی پہلی اور آخری دونوں حدیثیں غریب ہیں۔

۹۔ جزء:

جزء۔ حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں صرف ایک صحابی یا کسی خاص استاد کی مرویات جمع ہوں مثلاً جزء ابی بکر۔ حدیث کی اس کتاب کو بھی جزء، کہتے ہیں جس میں کسی ایک ہی مسئلہ سے متعلق احادیث یکجا کی گئی ہوں مثلاً جزء، فی قیام اللیل للمروزی، جزء، فی صلوٰۃ الضحیٰ للسیوطی وغیرہ۔ اجزاء کو متاخرین رسائل سے تعبیر کرتے ہیں۔

۱۰۔ مشیخہ:

جس میں کسی استاد یا شیخ کی روایات جمع کی گئی ہوں۔

۱۱۔ تراجم:

جس میں کسی خاص سند کو لے کر اس سند کی روایات یکجا کر دی گئی ہوں

۱۲۔ تخاریج:

اس کا اطلاق ان کتابوں پر ہوتا ہے جن میں کسی کتاب کی ان احادیث کی تخریج کی گئی ہو جو اس کتاب میں بلا سند لائی گئی ہوں۔

۱۳۔ تعالیق:

جس میں روایات کو سند کے ساتھ بیان کیا گیا ہو خواہ صحابی مذکور ہو یا نہ ہو۔

۱۴۔ زوائد:

کسی کتاب کی روایات میں مزید ایسی روایات کا اضافہ کیا گیا ہو جو اس کتاب میں موجود نہ ہوں۔ مثلاً زوائد ابن حبان علی الصحیحین۔

۱۵۔ اطراف:

جس میں حدیث کا ایک حصہ نقل کر کے اس کی ان تمام اسانید کو جو کتابوں میں ملتی ہیں جمع کر دی گئی ہوں۔

۱۶۔ علل:

جس میں یہ بیان کیا گیا ہو کہ فلاں حدیث میں فلاں علت پائی جاتی ہے۔ اطراف میں ساری اسانید جمع کر دی جاتی ہیں خواہ وہ ضعیف ہوں یا صحیح اس کے برخلاف علل میں ضعیف

اسانید کو جمع کر کے ان کے نقائص بیان کیے جاتے ہیں۔

۱۷۔ اربعینہ :

یہ وہی ہے جسے ہمارے یہاں چہل حدیث کہتے ہیں۔ یہ چالیس حدیثوں کا مجموعہ ہوتا ہے ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص میری اُمّت کے لیے ۴۰ حدیثوں کو محفوظ کرے گا قیامت کے دن وہ علماء کے زمرہ میں شامل ہوگا۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن اکثر محدثین نے چہل حدیث لکھی ہے۔

۱۸۔ احادیثِ قدسیہ :

وہ احادیث جن کی خدا نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو الہام یا خواب یا جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ اطلاع دی ہو اور آپؐ نے انہیں اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہو۔

۱۹۔ احادیث الاحکام :

اس میں احکام سے متعلق احادیث جمع ہوتی ہیں۔

۲۰۔ فقہ الحدیث :

اس میں خاص طور سے احکام سے متعلق احادیث کے اسرار و حِکَم بیان کیے جاتے ہیں۔ مثلاً اعلام الموقعین عن رب العالمین، حجۃ اللہ البالغہ۔

طبقات

علامہ سیوطی کے بیان کے مطابق قولی وعملی تمام احادیث کی تعداد ۲ لاکھ سے کچھ زیادہ ہے المنادی کہتے ہیں کہ یہ تعداد مصنف کی اپنی معلومات کے لحاظ سے ہے یہ نہیں کہ احادیث کی تعداد فی الواقع بس اتنی ہی ہے۔ علماء نے صحت وحسن اور ضعف کے اعتبار سے کتب حدیث کو کئی طبقات میں تقسیم کیا ہے :

طبقۂ اولیٰ :

اس طبقہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مؤطا امام مالک کا شمار ہوتا ہے۔ ان کتابوں میں صحیح اور حسن حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ صحیح ابن حبان، مختارہ ضیاء قدسی۔ صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن عوانہ، صحیح ابن سکن، صحیح حاکم اور منتقی ابن جارود کو بھی طبقۂ اول میں جگہ دی ہے [1] لیکن صحت کے اعتبار سے بخاری، مسلم اور مؤطا امام مالک کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ صحیح حاکم کی بعض روایات پر حافظ ذہبی نے کلام کیا ہے۔ ان روایات کو طبقۂ سوم میں داخل سمجھنا چاہیے۔

---

[1] رسالہ فیما یجب حفظہ للمناظر مولفہ شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی۔

طبقۂ دوم :

ابوداؤد، ترمذی، اور نسائی کا شمار طبقۂ دوم میں ہوتا ہے۔ رزین نے تجرید الصحاح میں اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں ان احادیث کی طرف توجہ کی ہے۔ مسند احمد کو بھی اسی درجہ میں رکھا جا سکتا ہے۔ ان کتابوں کے بعض راوی ثقاہت کے لحاظ سے طبقۂ اوّل سے فروتر ہیں لیکن یہ کتابیں قابل اعتماد مانی گئی ہیں۔ طبقۂ اوّل اور دوم کی کتبِ حدیث سے عقائد اور شرک کے اصول مستنبط کیے جاتے ہیں۔

طبقۂ سوم :

اس طبقہ کے تحت وہ کتابیں آتی ہیں جن میں صحیح احادیث کے علاوہ ضعیف روایات بھی موجود ہیں۔ لیکن قابل اعتماد روایات کا عنصر ہی ان میں غالب ہے۔ دارمی، ابن ماجہ، بیہقی، دارقطنی کتب طبرانی، تصانیف طحاوی، مسند شافعی اور مستدرک حاکم کا شمار اسی طبقہ میں ہوتا ہے مستدرک حاکم کا شمار اس طبقہ میں غالباً اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی کچھ روایات پر حافظ ذہبی نے کلام کیا ہے جیسا کہ اوپر اس کا ذکر آچکا ہے۔

اس طبقہ میں مصنّف عبدالرزاق، مصنّف ابن ابی شیبہ اور زوائد احمد کو بھی داخل کیا گیا ہے[۱] زوائد مسند سے مراد وہ روایات ہیں جن کو امام احمد کے صاحبزادے عبد اللہ نے مسند میں شامل کیا ہے۔ مسند طیالسی، مسند سعید بن منصور، مسند ابی یعلیٰ موصلی، مسند عبد بن حمید، مسند بزار، مسند ابن جریر، تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن مردویہ، معجم صغیر، معجم کبیر، اوسط للطبرانی، سنن دارقطنی، غرائب دارقطنی، حلیہ ابی نعیم اور شعب الایمان بیہقی کو بھی طبقۂ سوم میں جگہ دی گئی ہے[۲]

طبقۂ چہارم :

اس طبقہ میں وہ کتابیں شامل ہیں جن کی تقریباً سبھی روایات ضعیف ہیں۔ مثلاً

---

[۱] رسالہ فیما یجب حفظہ للمناظر، حجۃ اللہ البالغہ۔

[۲] ایضاً، حجۃ اللہ البالغہ۔

ابن مردودیہ، ابن شاہین اور ابوالشیخ کی تصانیف، دیلمی کی فردوس، حکیم ترمذی کی نوادرالاصول اور تاریخ خطیب بغدادی۔ اس کے علاوہ ابن نجار، جوزقانی، ابونعیم، ابن عساکر، کامل بن عدی کی کتابیں بھی اسی طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

تاریخ الخلفاء، کتاب الضعفاء للعقیلی اور مسند خوارزمی، بھی اسی طبقہ کی کتب معلوم ہوتی ہیں[۱]۔ کتب تفاسیر کی روایات کو بعض لوگ اسی طبقہ میں شامل کرتے ہیں۔ اگر تعمق اور چھان بین سے کام لیا جائے تو اس طبقہ کی کتابوں سے بھی بیش بہا جواہر ریزے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

ترتیب کتب حدیث ابن حزم کی نگاہ میں

محمد علی بن احمد بن حزم الظاہری (۴۵۶ھ) نے اپنی کتاب "مراتب الدیانۃ" میں ترتیب کتب حدیث کا ذکر کیا ہے۔ علامہ سیوطی نے اس کا جو خلاصہ کتاب التقریب میں پیش کیا ہے اسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

اوّل درجہ کی کتب صحیحین ہیں۔

اس کے بعد صحیح سعید بن السکن (۳۵۳ھ) المنتقی لابن جارود (۳۰۷ھ) اور المنتقی لقاسم بن اصبغ (۳۴۰ھ) کا درجہ ہے۔

اس کے بعد یہ کتابیں ہیں: ابوداؤد، نسائی (۳۰۳ھ)، مصنّف قاسم ابن اصبغ، مصنّف الطحاوی (۳۲۰ھ) مسند احمد، مسند البزار (۲۹۲ھ) مسند ابوبکر (۲۳۵ھ) مسند عثمان (۲۳۹ھ) مسند ابن ابی شیبہ و مسند ابن راہویہ (۲۳۷ھ)، الطیالسی (۲۰۴ھ)، الحسن بن سفیان (۳۱۳ھ) المستدرک للحاکم (۴۰۵ھ) کتاب ابن سنجر (۲۵۸ھ) یعقوب بن شیبہ (۲۶۲ھ) علی بن المدینی (۲۳۴ھ) ابن ابی عزرۃ (۲۷۶ھ) اور وہ کتابیں جن میں صرف کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا گیا ہے۔

---

[۱] ایضاً، حجۃ اللہ البالغہ۔

اس کے بعد وہ کتابیں آتی ہیں جن میں کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور کلام غیر رسول دونوں کو جگہ دی گئی ہے۔

اس کے بعد وہ کتابیں ہیں جن میں صحیح روایات پائی جاتی ہیں مثال کے طور پر ان میں اہم کتابیں یہ ہیں : مصنَّف عبدالرزاق (۲۱۱ھ) مصنَّف ابن ابی شیبہ و مصنّف بقی بن مخلد القرطبی (۲۷۶ھ) کتاب محمد بن نصر المروزی، (۲۹۴ھ) کتاب ابن المنذر۔

اس کے بعد یہ کتابیں آتی ہیں : مصنف حماد بن سلمۃ (۱۶۷ھ) مصنف سعید بن منصور (۲۲۷ھ) مصنف وکیع بن الجراح (۱۹۷ھ) مصنف الزربابی، مؤطا مالک، مؤطا ابن ابی ذئب (۱۵۹ھ) مؤطا ابن وہب، مسائل احمد بن حنبل، فقہ ابی عبید (۲۳۴ھ) اور فقہ ابو ثور (۲۴۰ھ) اس سلسلہ میں سب سے مشہور حدیث ان علمائے حدیث کی ہے : حدیث شعبہ (۱۶۰ھ)، سفیان (۱۹۸ھ) لیث بن سعد (۱۷۵ھ)، اوزاعی (۱۵۶ھ) حمیدی (۲۱۹ھ) ابن مہدی (۱۹۸ھ) مسدد (۲۲۸ھ) یہ سب مؤطا مالک کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں صحیح روایات جمع کی گئی ہیں۔ بعض میں ان کے مثل روایات جمع ہیں۔ اور بعض میں ان سے کم درجے کی روایات موجود ہیں۔

اس کتاب میں ان کتابوں کی فہرست شامل نہیں کی جارہی ہے جو حدیث کے موضوع پر تاریخ کے مختلف دور میں لکھی گئی ہیں اس لیے کہ یہ فہرست خاصی طویل ہے۔ احادیث اور سنّتِ نبوی کی طرف اُمّت کو توجہ ہمیشہ رہی ہے اور اس سلسلہ میں مختلف پہلوؤں سے کام ہوا ہے۔ یہ کام اتنا قابل قدر اور حیرت انگیز ہے جس کی مثال اقوامِ عالم میں کہیں نہیں ملتی۔

ضمیمہ

دستیابِ مکتوباتِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر فلپ کے۔ ہٹی نے کہا ہے کہ "تمام مذاہب میں صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو تاریخ کی پوری روشنی (With in the full light of the history) میں ہے"۔ یہ امتیاز صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپؐ کی پوری زندگی اور آپؐ کا پیغام تاریخی لحاظ سے مستند ہے۔ اس سلسلے کے اہم دستاویزات میں وہ خطوط بھی شامل ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کر اور اُن پر اپنی مہر ثبت کر کے مختلف حکمرانوں اور سرداروں وغیرہ کے پاس روانہ کیے تھے۔ یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حکمرانوں، سربراہوں اور قبائل کے سرداروں کے نام تقریباً سو۱۰۰ خطوط ارسال کیے تھے۔ یہاں ہم آپؐ کے صرف ان ہی خطوط کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن کی اصل کاپیاں (Original Copies) دستیاب ہوئی ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں لوگوں کو ایک خدا کی بندگی کی دعوت دی اور کہا کہ خدا نے مجھے اپنا رسول بنایا ہے اور مجھے یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ میں لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچاؤں۔ ابتدا میں اکثر لوگ آپؐ کے دشمن ہو گئے اور آپؐ کو ہر طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائی گئیں۔ یہاں تک کہ آپؐ کو مکہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ مخالفینِ حق نے مدینہ میں بھی آپؐ کو چین سے نہ رہنے دیا۔ انہوں نے آپؐ سے جنگ بھی کی۔ ۶ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل قریش کے درمیان دس۱۰ سال کے لیے ایک صلح ہوئی۔ تاریخ میں یہ صلح، صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس صلح نے یہ موقع فراہم کیا کہ مسلمان مخالفینِ حق سے مل کر ان کو اسلام کی خوبیوں سے باخبر کر سکیں۔ دوسری طرف مخالفین کو بھی یہ موقع حاصل ہوا کہ وہ سنجیدگی کے ساتھ اسلام کے پیغام اور اس کی تعلیمات پر غور کر سکیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے ساری انسانیت کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا تھا۔ صلح حدیبیہ کے بعد آپؐ کو اس کا موقع ملا کہ آپؐ حق کی آواز کو عرب دنیا سے باہر پہنچانے کی ابتدا کر دیں۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد آپؐ نے دنیا کے کئی حکمرانوں اور سرداروں کو دعوتی خطوط روانہ کیے۔ آپؐ نے زمانہ کے رواج کے مطابق ہرن کی جھلیوں پر خطوط لکھا کر ان پر اپنی مہر لگائی۔ آپؐ کی مہر انگوٹھی کی شکل میں تھی۔ یہ انگوٹھی چاندی کی تھی۔ مہر کے لیے اوپر نیچے ترتیب سے اللہ، رسول، محمد کے الفاظ کندہ تھے۔ آپؐ نے اپنے خطوط قابلِ اعتماد قاصدوں کے ذریعہ سے مختلف حکمرانوں، حاکموں اور سرداروں کو بھیجے تھے۔

زمانۂ حال میں آپؐ کے کئی خطوط کی اصل کاپیوں کی موجودگی کا سراغ لگا ہے۔ ایک خط اسپین کے عیسائی حکمرانوں کے پاس تھا جس کا آنکھوں دیکھا حال چھٹی صدی ہجری کے مصنفین کی کتابوں میں مذکور ہوا ہے[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خط کا ذکر امام ابو یوسف نے کیا ہے یہ وثیقہ تھا جو جاگیر دینے کے سلسلہ میں تمیم داریؓ کو عطا ہوا تھا[2] اس کا آنکھوں دیکھا حال نہایت تفصیل سے ابن فضل اللہ العمری نے بیان کیا ہے[3]

یوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دعوتی خطوط یا وثیقے لکھائے تھے۔ یہاں آپؐ کے ان خطوط کا مختصر تعارف کرایا جا رہا ہے جو اب تک دستیاب ہو چکے ہیں۔ ان خطوط کے عکوس بھی شامل کتاب ہیں۔

نجاشی کے نام

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دستیاب خطوط میں ایک آپ کا وہ نامۂ مبارک ہے جو آپؐ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو لکھا تھا۔ یہ نامۂ مبارک عمر بن امیہؓ کے ہاتھ بھیجا گیا تھا۔ اس خط کی اصل کاپی اکتوبر ۱۹۳۸ء میں دمشق میں دستیاب ہوئی، دمشق سے یہ خط انگلینڈ لے جایا گیا۔ وہاں برٹش میوزیم میں ماہرین نے اس کا مطالعہ کیا اور پھر اسے دمشق واپس

---

[1] التراتیب الاداریہ جلد اول ص۱۵۵، ۱۵۶۔

[2] الخراج ص۱۳۲

[3] مسالک الابصار جلد اول ص۱۲۷

بھیج دیا گیا۔ ۱۹۴۰ء میں مشہور مستشرق ڈنلپ نے اس کے متعلق بہت تفصیل سے لکھا ہے۔
یہ خط ایک جھلی پر لکھا ہوا ہے جو کوئی نو ۹ انچ چوڑی اور ساڑھے تیرہ انچ لمبی ہے۔ حروف
گولائی لیے ہوتے ہیں۔ روشنائی خاکی (Brown) ہے۔ یہ نامۂ مبارک سترہ ۱۷
سطور میں مکمل ہوا ہے۔
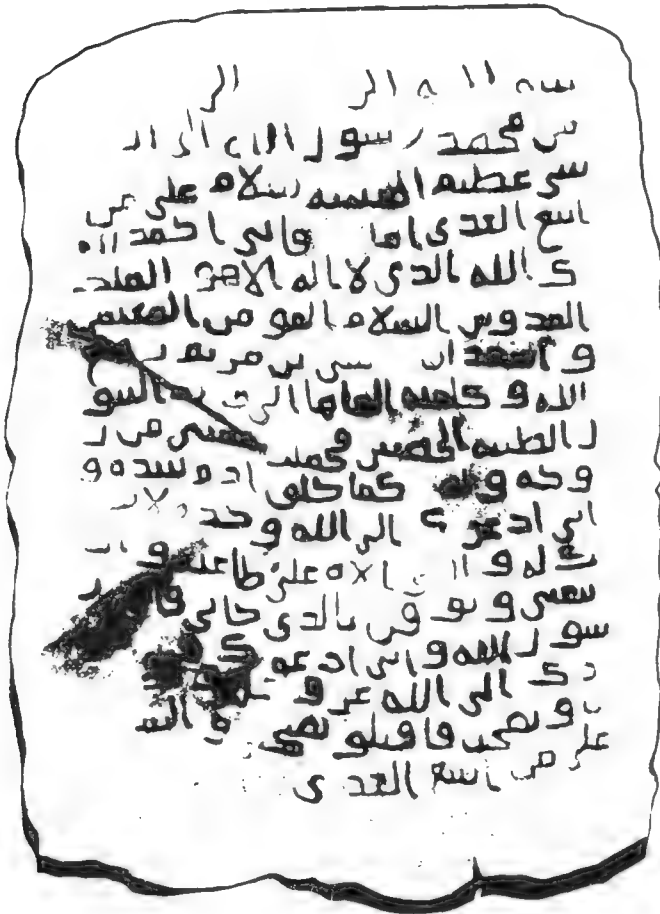
ترجمہ عکس تحریر نامۂ مبارک بنام نجاشی

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے حبش کے بادشاہ نجاشی کے نام۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ امّا بعد، میں اس خدا کی حمد تمہارے سامنے کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے، نہایت مقدّس، سراسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان اور میں شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کی رُوح اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اُس نے مریم بتول پاکدامن کی طرف ڈالا تھا۔ عیسیٰ اس کی رُوح اور پھُونک سے حمل میں آئے، جس طرح آدم کو اس نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اور میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو واحد ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں اور اس دوستی اور باہمی اتحاد کی طرف دعوت دیتا ہوں جو اللہ کی اطاعت پر قائم ہوتا ہے۔ اگر میری اتّباع کرتے ہو اور اس پر یقین کرتے ہو جس نے مجھے بھیجا ہے تو میں اللہ کا رسول ہوں اور میں تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ عزّ وجلّ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں تبلیغ و نصیحت کا فرض ادا کر چکا۔ اب نصیحت قبول کرو، پیروان ہدایت پر سلام ہو۔"

محمد رسول اللہ

شاہ حبشہ نے احتیاط کے ساتھ اس نامۂ رسالت کو شاہی خزانے میں محفوظ کرا دیا تھا۔[1] دوسری جنگ عظیم کے آغاز میں ہیل سلاسی نے خزانے سے یہ نامۂ مُبارک نکال کر مسلمانوں کو دکھایا تھا۔

ہرقل کے نام

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دستیاب خطوط میں ایک خط ہرقل کے نام ہے۔ ہرقل روم کا حکمراں تھا۔ اسلامی تاریخ میں رُوم سے مراد رومی شہنشاہیت کا مشرقی حصّہ ہے۔ روم کا بادشاہ قیصر (Cassar) کہلاتا تھا، قیصر کے نام یہ خط حضرت دحیہ بن خُلیفہ کلبیؓ کے ذریعہ سے روانہ کیا گیا تھا۔ انہوں نے تیز سانڈنی پر سوار ہو کر سریا کا قصد کیا۔ ایران پر فتح

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۶

حاصل کرنے کے بعد ہرقل اظہارِ شکر کے لیے بیت المقدس آیا ہوا تھا۔ وہیں اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مُبارک پہنچایا گیا۔

ہرقل نے حکم دیا کہ کوئی عربی شخص لاؤ جو اس خط کے بھیجنے والے کے بارے میں معلومات دے سکے۔ ابوسفیان کو جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوتے تے، اور تجارت کے سلسلہ میں قریشی قافلے کے ساتھ وہاں آئے ہوئے تھے بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔ بادشاہ نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں کئی سوالات کیے اور قریشی قافلے کے لوگوں سے کہا کہ اگر ابوسفیان غلط جواب دیں تو لازمًا ٹوک دینا۔ بادشاہ کو اپنے سوالات کے جوابات سے پُورا یقین ہو گیا کہ حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلم حقیقت میں خدا کے سچّے رسول ہیں، لیکن رعایا کے خوف سے وہ اسلام اختیار نہ کر سکا۔ بادشاہ کے متاثر ہونے کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس نے ابوسفیان سے کہا:

”جو باتیں تم نے بیان کی ہیں اگر سچ ہیں تو یقیناً محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) سچّے پیغمبر ہیں۔ اور اگر مجھ سے ممکن ہوتا تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے قدم چومتا اور پاؤں دھو کر پیتا۔ اور یقین کرو کہ جس مقام پر آج میرے پاؤں ہیں کسی دن یہاں ان کا جھنڈا لہرا رہا ہو گا۔“

ہرقل کے نام نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو نامۂ مبارک روانہ کیا تھا اس کا عکس ملاحظہ کریں، یہ نامۂ مُبارک ابھی جلد ہی دستیاب ہوا ہے۔

سم الرحم الرحىم من محمد عىد الله و رسو له
الى ہرقل عطىم الروم سلام على من اىىع الهدى اما ىعد
فانى ادعوك ىدعاىه الاسلام اسلم سلم ىوىىك الله
اجرك مرىىں فان ىولىت فعلىك اىم الارىسىىں و ىا اهل الكىب
ىعالوا الى كلمه سوا ىىىىا و ىىىكم الا ىعىد الا الله
و لا ىسرك ىه سىا و لا ىىخد ىعصىا ىعصا اربابا من
دون الله فان ىولوا فقولوا اسهدوا ىانا مسلمون

مستند تاریخی بیانات سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ خط ہرقل ہی کے خاندان میں نسل درنسل رہا۔ اور جب اس خاندان کے ایک شخص نے اندلس پر قبضہ کرلیا تو یہ خط اندلس پہنچ گیا۔ اور پھر طلیطلہ کے ایک شاہزادے از فونش کے ہاتھ لگا۔ اس کے بعد یہ کڑی ٹوٹ جاتی ہے۔ گمان غالب ہے کہ مسلمانوں کے اندلس سے نکل جانے کے بعد یہ نامۂ مبارک گمنامی کی حالت میں پڑا رہا۔ صدیوں کے بعد دنیا نے یہ خوش خبری سنی کہ مختلف ہاتھوں سے ہوتا ہوا یہ خط اردن کے شاہ عبداللہ اور پھر ان کی ملکہ "نہجہ" کے پاس پہنچ گیا۔ نہجہ نے یہ مبارک خط اپنے شوہر سے اس شرط پر لیا تھا کہ وہ اسے سخت ضرورت پیش آنے ہی پر فروخت کریں گی۔ اور وہ بھی کسی اسلامی ملک کے سربراہ یا ملکہ کے ہاتھ۔ ملکہ نے یہ خط سوئٹزرلینڈ کے بینک میں ایک خاص لاکر میں رکھا تھا۔ لیکن تحقیق کے لیے اسے لندن کے ایک بینک میں منتقل کیا گیا تھا۔

یہ مکتوب مبارک متحدہ عرب امارات کے صدر شیخ زائد بن سلطان آل نہیان نے سوا ملین ڈالر (تقریباً ۸۰ کروڑ روپے) میں خرید لیا۔ ڈاکٹر عزالدین ابراہیم (شیخ زائد بن سلطان کے ثقافتی مشیر) کے اعلان کے مطابق اس نامۂ مبارک کی اصلیت کی تحقیق میں پورا ایک سال صرف ہوا۔ جس کے لیے متعدد اسلامی اور یورپی ماہرین کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ان ماہرین میں مشہور برطانوی ماہر مخطوطات ڈاکٹر مارٹن لنگ (یہ اب مسلمان ہو چکے ہیں اور ابوبکر نام اختیار کیا ہے)، ہندوستانی اسکالر ڈاکٹر حمید اللہ، پروفیسر سوبورن (یونیورسٹی فرانس، لبنان کے سابق وزیر خارجہ ہنری فرعون، لیڈز یونیورسٹی کے پروفیسر ریڈ شامل ہیں۔ تاریخی شہادتوں اور تحریر کی صحت کی طرف سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد مختلف لیبارٹریز میں اس خط کا خوردبینی مطالعہ اور روشنائی کا کیمیاوی تجزیہ کیا گیا۔ پھر مزید صحت کی تصدیق کے لیے بالائے بنفشی شعاؤں (Violetrays) کا بھی استعمال کیا گیا اور ہر طرح کی تحقیق اور تجربات کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ اصلی خط ہے، جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے ــــ اس نامۂ مبارک کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی جانب

سے ہرقل روم کے نام، اُس پر سلامتی ہو جس نے راہِ راست اختیار کی!

بعدازاں، میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام اختیار کرو تمہیں سلامتی حاصل ہو گی، خدا تمہیں دوہرا اجر عطا کرے گا۔ لیکن اگر مُنہ موڑا تو ساری قوم اور اس کے گناہ کی ذمّہ داری بھی تمہارے اوپر عائد ہو گی۔

اے اہل کتاب، آؤ ایک ایسی سیدھی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مُسلّم ہے، وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی چیز کو اس کا شریک ٹھہرائیں۔ اور نہ ہم میں سے کوئی اللہ سے ہٹ کر باہم ایک دوسرے کو اپنا رب بنائے۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مُسلم ہیں"

محمد رسول اللہ

۳۱؎ وقت یہ نامۂ مُبارک اُردن کے شاہ حسین کے پاس اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے۔

The British Library
ment of Oriental Manuscripts &
Printed Books

Reference Division
Great Russell Street
London WCIB 3DG
Telephone 01-636 1544
Ext.289

4th Oc[illegible], [illegible].

Your Highness

I have great pleasure in enclosing our Research Laboratory's Report on the examination of your document : THE LETTER OF THE PROPHET MUHAMMAD TO HERACLIUS.
I wish to add that this Report is confidential& for your own perusal.

WITH COMPLIMENTS

Y.H.Safadi : Assistant Keeper.
Y.H. Safadi

کسریٰ کے نام

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دستیاب خطوط میں ایک خط کسریٰ یعنی ایران کے بادشاہ کے نام ہے، کسریٰ درحقیقت خسرو کی عربی شکل ہے۔ ایران کے جس بادشاہ کے نام آپؐ نے یہ مکتوب روانہ فرمایا تھا اس کا نام پرویز تھا۔ یہ مکتوب آپؐ نے سنہ ۷ھ میں عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کے ہاتھ بھیجا۔ انہیں تاکید کی گئی کہ وہ اس خط کو بحرین کے حاکم منذر بن ساویٰ کے واسطے سے پرویز کے پاس پہنچا دیں۔ کسریٰ کو خط ملا لیکن جب اُسے معلوم ہوا کہ خط میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اس کے اپنے نام سے پہلے درج کیا گیا ہے تو اُسے بے حد غصہ آیا اور اس نے خط کو پھاڑ دیا۔ اور یمن کے صوبہ دار باذان کو حکم بھیجا کہ تم اس نبوّت کے دعویدار کو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیج دو۔ اُس نے اپنے دو آدمیوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ لکھ کر بھیجا کہ "اے محمدؐ، تم ان کے ساتھ ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے پاس چلے جاؤ"۔ آپؐ نے سپاہیوں سے کہا کہ ٹھہرو۔ پھر زما[illegible]ے گا۔

کچھ روز کے بعد۔ (ایک روایت کے مطابق ۱۵ روز کے بعد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں آدمیوں سے کہا کہ تم مجھ کو جس شخص کے پاس لے جانا چاہتے تھے وہ تو دُنیا سے جا چکا۔ یہ اطلاع ۱۰ر جمادی الاولیٰ سنہ ۷ھ کو منگل کی شب میں پیش آنے والے واقعہ کے متعلق تھی۔ دونوں سپاہیوں کو تعجب ہوا۔ خود یمن کا صوبہ دار حیرت میں پڑ گیا۔ لیکن جلد ہی اس کی تصدیق ہو گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر صحیح تھی، یمن کا حاکم مسلمان ہو گیا، اور اس کے مسلمان ہوتے ہی یمن میں اسلام پھیل گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حضرت عبداللہؓ نے یہ خبر دی کہ کسریٰ نے آپؐ کے مکتوب کو پھاڑ دیا تو آپؐ کو بے حد رنج پہنچا۔ آپؐ نے فرمایا: "خدایا، کسریٰ کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے"۔ ایسا ہی ہوا۔ دُنیا نے دیکھا کہ جلد ہی اس کی اس حکومت کا جو ہزاروں سال سے قائم چلی آ رہی تھی خاتمہ ہو گیا۔

کسریٰ کے نام آپؐ نے جو خط بھیجا تھا۔ اس کی اصل کاپی دستیاب ہو گئی ہے۔ یہ خط پھٹا ہوا ہے جس کو جوڑ کر ٹھیک کیا گیا ہے۔ اس کا عکس سامنے کے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

یہ خط لبنان کے سابق وزیر خارجہ ہنری فرعون کے پاس محفوظ ہے۔ اس کا انکشاف شام کے ایک عالم ڈاکٹر صلاح المنجد نے کیا۔ انہوں نے ۲۲ مئی ۱۹۶۳ء کو بیروت کے روزنامہ الحیاۃ میں اس نامۂ مبارک کا فوٹو بھی شائع کیا اور اس پر ایک تحقیقی مضمون بھی شائع کرایا لاح الدین منجد لکھتے ہیں کہ ہنری فرعون کے والد نے پہلی جنگِ عظیم کے اختتام پر یہ دستاویز شق میں ڈیڑھ سو اشرفی میں خریدی تھی۔ ہنری فرعون کو ۱۹۶۲ء تک یہ خبر نہ تھی کہ یہ توب نبوی ہے۔ نومبر ۱۹۶۲ء کے آخر میں اس نے اس کو صلاح الدین المنجد کے سپرد کیا کہ وہ اُسے پڑھنے کی کوشش کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مکتوبِ گرامی کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی ایک تحقیقی مضمون لکھا ہے اور اس کے اصلی ہونے کا یقین ظاہر کیا ہے۔

ترجمہ عکس تحریر نامۂ مبارک بنام کسریٰ

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے
فارس کے بادشاہ کسریٰ کی طرف۔ سلام اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ
اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
اور یہ کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور اس کے رسول
ہیں۔ میں تمہیں دعوت الٰہی کی طرف بلاتا ہوں کیونکہ میں سارے ہی انسانوں کی طرف

بھیجا لیا خدا کا رسول ہوں تاکہ جو بھی زندہ ہو اُسے خوف دلاؤں اور کافروں پر حق ثابت ہو کر رہے۔ اسلام اختیار کرو سلامت رہو گے، لیکن اگر انکار کیا تو تمام مجوس (زرتشتی قوم) کا گناہ بھی تم پر ہو گا۔"

محمد رسول اللہ

مقوقس کے نام

مقوقس (Muqawqis) رومی سلطنت کی طرف سے مصر کا نائب السلطنت تھا۔ مصر کا مشہور تاریخی شہر اسکندریہ اس کا دارالسلطنت تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حاطب بن ابی بلتعہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لے کر اسکندریہ گئے اور آپ کا مکتوب گرامی مقوقس کو پیش کیا، مورخ واقدی نے لکھا ہے کہ یہ خط حضرت ابوبکرؓ نے تحریر فرمایا تھا۔ اس طرح خوش قسمتی سے مکتوبِ نبوی کے ذریعہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک کی لکھی ہوئی تحریر بھی ہم تک پہنچ گئی۔

مقوقس نے مکتوب گرامی سُن کر کہا کہ بے شک یہی وقت ہے کہ وہ نبی جس کا انتظار تھا ظاہر ہو مگر میرا خیال تھا کہ وہ شام کے ملک میں پیدا ہو گا۔ مقوقس نے بارگاہِ رسالت میں تحائف بھیجے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خط بھی لکھا۔ مگر اس احترام و اعتراف کے باوجود وہ اسلام کی سعادت سے محروم رہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب کو سُن کر فرمایا کہ مقوقس کو اقتدار سلطنت نے اسلام سے محروم رکھا۔ وہ یہ نہ سمجھا کہ سلطنت ناپائدار شے ہے۔

مقوقس کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی اُنیسویں صدی کے وسط میں فرانس کے ایک مستشرق موسیو بارتل می (Borthlmy) کو مصر میں اخیم کی ایک عیسائی خانقاہ سے دستیاب ہوا۔ یہ ایک قبطی راہب کی انجیل پر چپکا ہوا تھا۔ موسیو بارتل می نے اسے ترکی کے سلطان عبدالمجید خاں کے ہاتھ ۳۰۰ پونڈ میں فروخت کر دیا۔ سلطان نے اس مکتوب کو سونے کے فریم میں لگوا کر قصر شاہی کے خزانے میں دوسرے تبرکات نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ بحفاظت رکھوا دیا، اس نامۂ مبارک کے عکس کے درمیان

جو نشان نظر آتا ہے وہ اس پانی کی نمی کا اثر ہے جو اسے دوسرے کاغذات سے الگ کرنے کے لیے پہنچائی گئی تھی۔

ترجمہ عکس تحریر نامۂ مبارک بنام مقوقس

”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے قوم قبط کے حاکم مقوقس کے نام۔ سلام اس پر جس نے راہ راست اختیار کی۔ بعد ازاں، میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کر لو، محفوظ و سلامت رہو گے۔ اللہ تم کو دوہرا اجر عطا کرے گا۔ لیکن اگر اعراض کیا تو سارے قبط کا گناہ تمہارے سر آئے گا۔ اے اہل کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں طور پہ مسلّم ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا

کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھیرائیں اور نہ باہم ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ سے ہٹ کر اپنا رب بنائے۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلم ہیں۔"

محمد رسول اللہ

آج کل یہ خط استنبول (ترکی) کے طوب کابی سرائی کے میوزیم میں محفوظ ہے۔

منذر بن ساویٰ کے نام

بحرین کے حاکم منذر بن ساویٰ کے نام دعوتی خط نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ میں روانہ فرمایا تھا۔ بحرین عرب کے ساحل پر واقع ہے، اس کی اپنی ایک قدیم تاریخ ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں بحرین ایرانی سلطنت کے ماتحت تھا، منذر بن ساویٰ یہاں کے گورنر تھے۔ منذر بن ساویٰ ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جو اسلام سے متاثر ہوئے۔ پھر اہل بحرین میں سے کتنے ہی لوگوں نے اسلام اختیار کر لیا۔ منذر بن ساویٰ کی رعایا میں یہودی بھی تھے اور مجوسی بھی۔ منذر بن ساویٰ نے آپؐ کے خط کے جواب میں لکھا کہ میں برضا و رغبت اسلام قبول کرتا ہوں۔ منذر نے آپؐ سے ان یہودیوں اور مجوسیوں کے بارے میں جو اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے، دریافت کیا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔

علاء بن حضرمیؓ جب منذر بن ساویٰ کا جواب لے کر لوٹے اور وہاں کے حالات بیان کیے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے حد خوش ہوئے اور منذر کو وہ مکتوب روانہ کیا جو دستیاب ہو گیا ہے اور جس کا عکس یہاں سامنے کے صفحہ پر دیا جا رہا ہے۔ اس مکتوب میں آپؐ نے منذر کو بحرین کی گورنری پر بحال رکھا اور مسلم و غیر مسلم باشندوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی ہدایت فرمائی۔

دمشق میں اس مکتوب گرامی کی موجودگی کی خبر ڈاکٹر بوش نے ۱۸۶۲ء میں جرمن مستشرقین کے رسالہ میں شائع کی تھی۔

ترجمہ عکس تحریر نامۂ مبارک بنام مُنذر بن ساویٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی جانب سے مُنذر بن ساویٰ کے نام۔ سلام علیک۔ میں تمہارے سامنے اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ــــ اور شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ بعد ازاں، میں تمہیں اللہ عزّ وجلّ کی یاد دلاتا ہوں، جو نصیحت قبول کرتا ہے۔ وہ خود اپنے ہی بھلے کے لیے نصیحت قبول کرتا ہے۔ جو میرے قاصدوں کی اطاعت اور ان کی ہدایت کی پیروی کرے گا اُس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے ان کی خیر خواہی کی اُس نے فی الواقع میری خیر خواہی کی، میرے قاصدوں نے تمہاری بہتر تعریف کی ہے، میں تم سے تمہاری قوم کے بارے میں سفارش

کرتا ہوں۔ مسلمانوں کو اس پر چھوڑ دو جو انہوں نے قبول کیا ہے۔ خطا کاروں کو میں نے معاف کیا۔ لہٰذا تم بھی ان کے معاملہ میں درگزر سے کام لو۔ جب تک اصلاح کا کام کرتے رہو گے ہم تمہیں تمہارے عمل سے معزول نہ کریں گے، جو لوگ یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہیں ان پر جزیہ واجب ہے۔

اللہ
رسول
محمد

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی چند اہم کتابیں

تفہیم القرآن حصہ اول تا ششم
الجہاد فی الاسلام (مجلد)
اسلام اور جاہلیت
اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر
اسلام کا نظریۂ سیاسی
اسلامی قانون
اسلام اور جدید معاشی نظریات
اسلامی نظم معیشت کے اصول و مقاصد
انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل
اسلام اور ضبطِ ولادت
اسلام کا معاشی نظام
اسلامی سیاست (سیاسی کشمکش سوم)
اسلام کا سرچشمۂ قوت
اسلام کا نظامِ حیات
اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر
اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی
اسلامی فلسفۂ معیشت کے بنیادی اصول
بناؤ بگاڑ

بینکنگ اور انشورنس
پردہ
تجدید و احیائے دین
توحید اور شرک
تفہیمات حصہ اول تا چہارم
جبر و قدر
حقوق الزوجین
خلافت و ملوکیت
رسائل و مسائل حصہ اول تا پنجم
سنت کی آئینی حیثیت
قرآن مجید کی چار بنیادی اصطلاحیں
معاشیاتِ اسلام
مرتد کی سزا اسلامی قانون میں
مسئلہ ملکیت زمین
مسئلہ قومیت
مسئلہ جبر و قدر
نشری تقریریں
ہندوستان کا صنعتی زوال اور اس کے اسباب